سلسلہ تعلیماتِ اسلام 9

نکاح اور طلاق

(اَحکام و مسائل)

اِفادات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

سلسلہ تعلیماتِ اِسلام 9

نکاح اور طلاق

(اَحکام و مسائل)

سلسلہ تعلیماتِ اِسلام 9

اضافہ جات شدہ

نکاح اور طلاق

(اَحکام و مسائل)

اِفادات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مرتّبہ

مسز فریدہ سجاد

شعبہ دعوت، منہاج القرآن ویمن لیگ

اِفادات: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مرتبہ	:	مسز فریدہ سجاد، مسز مصباح عثمان
نظرِ ثانی	:	محمد شبیر قادری
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ–Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت نمبر 1	:	جولائی 2015ء [1,100 - پاکستان]
اِشاعت نمبر 2	:	ستمبر 2020ء [1,100 - اِنڈیا]
اِشاعت نمبر 3	:	ستمبر 2020ء [1,100 - پاکستان]
قیمت	:	-/650 روپے

مولای صل وسلم دائما ابدا

علی حبیبک خیر الخلق کلهم

محمد سید الکونین والثقلین

والفریقین من عرب ومن عجم

اللهم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آله وصحبه وبارک وسلم

فہرس

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
36	نکاح کے سماجی و نفسیاتی فوائد کیا ہیں؟	103
37	تحریری نکاح نامہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	103
38	نکاح کب فرض ہوتا ہے؟	104
39	نکاح کب واجب ہوتا ہے؟	104
40	نکاح کب سنتِ موکدہ ہوتا ہے؟	105
41	نکاح کب مستحب ہوتا ہے؟	105
42	نکاح کب مکروہ ہوتا ہے؟	105
43	نکاح میں ایجاب و قبول کا طریقہ کیا ہے؟	105
44	کیا نکاح کے معاملے میں عورت کی اجازت ضروری ہے؟	106
45	وقتِ نکاح عورت سے اجازت کس طرح لی جائے؟	109
46	کیا عورت سے نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے؟	109
47	کیا عورت کے انکار کرنے کی صورت میں گواہ کی ضرورت ہوگی؟	110
48	ولی کسے کہتے ہیں؟	110

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
49	کس نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے؟	110
50	کیا شرعاً نکاح کے لیے ولی بنانا ضروری ہے؟	110
51	کیا مرد و عورت دونوں نکاح کے لیے ولی ہو سکتے ہیں؟	120
52	کس لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا؟	120
53	دُلہا اور دلہن کو تیار کرتے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟	125
54	نکاح پڑھانے کا طریقہ کیا ہے؟	127
55	خطبہ نکاح کیا ہے؟	128
56	رخصتی کے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟	129
57	دُلہا خلوت میں اپنی زوجہ کے پاس جائے تو کون سی دعا پڑھے؟	130
58	بیوی کے حقوق کیا ہیں؟	130
59	خاوند کے حقوق کیا ہیں؟	141
60	نکاحِ فاسد کسے کہتے ہیں؟	146
61	نکاحِ باطل کسے کہتے ہیں؟	147
62	نکاحِ فاسد میں خلوتِ صحیحہ کی صورت میں کیا اَثرات مرتب ہوتے ہیں؟	147

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
63	کن صورتوں میں نکاح باطل ہوتا ہے؟	148
64	نکاحِ شغار کسے کہتے ہیں؟	148
65	کیا نکاحِ شغار کرنا جائز ہے؟	149
66	نکاحِ فضولی کسے کہتے ہیں؟	149
67	نکاحِ متعہ کسے کہتے ہیں؟	150
68	نکاحِ متعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	150
69	نکاحِ متعہ اور وقتی نکاح کی حقیقت کیا ہے؟	153
70	تجدیدِ نکاح کسے کہتے ہیں؟	154
71	شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟	155
72	بدکاری کسے کہتے ہیں؟	155
73	دنیا میں بدکار کی سزا کیا ہے؟	156
74	آخرت میں بدکار کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟	156
75	عہدِ رسالت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نوجوان کو بدکاری سے کیسے روکا؟	158
76	بدکاری سے بچنے والے کے لیے کیا خوش خبری ہے؟	159

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
122	مسلم فیملی لاء آرڈیننس کی رُو سے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنے والے مرد کے لیے سزا کیا ہے؟	204
123	اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کے درمیان عدل نہ رکھ سکے تو اس کے لیے کیا وعید سنائی گئی ہے؟	204
124	شوہر اگر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟	205
125	اگر کوئی شخص اس نیت سے نکاح کرے کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا اور پھر نہ دے تو کیا اس کا نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟	206
126	کیا ایسا عمل جائز ہے جس کے ذریعے زوجین کو حقِ مجامعت یا اولاد پیدا کرنے سے روکا جائے؟	207
127	کیا شرع کی رو سے حمل ساقط کروانا جائز ہے؟	207
128	کیا خاندانی منصوبہ بندی (family planning) جائز ہے؟	209
129	کیا دورانِ حمل لڑکی ہونے کی صورت میں اسقاطِ حمل جائز ہے؟	210
130	اگر چار ماہ کے حمل کے بعد ڈاکٹرز کے مطابق بچہ معذور ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حمل ساقط کروایا جائے یا نہیں؟	211

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
164	استطاعت سے بڑھ کر حق مہر مقرر کرنے والے کے نکاح کا کیا حکم ہے؟	243
165	اصل مہر کو چھپانے اور شادی کے موقع پر مہر کو بڑھا کر بیان کرنے کا کیا حکم ہے؟	245
166	اگر خاوند بروقت مہر ادا کرنے سے قاصر ہے تو کیا بیوی تنسیخ نکاح کا حق رکھتی ہے؟	246
167	کیا عورت کو حق مہر معاف کرنے کے لیے مجبور کرنا جائز ہے؟	246
168	خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں عورت کتنے مالِ مہر کی حق دار ہوگی؟	247
169	خلوتِ صحیحہ سے قبل خلع کی صورت میں بیوی اپنے شوہر سے کتنا مالِ مہر لینے کی حق دار ہوگی؟	248
170	اگر بیوی نے اپنا مالِ مہر جو مالِ تجارت کی صورت میں ہے۔ شوہر کو فروخت کر دیا اور بعد ازاں مباشرت سے قبل طلاق ہوگئی تو اس صورت میں شوہر کو کتنا مالِ مہر واپس کرے گی؟	248
171	اگر عورت نے اپنا مالِ مہر خاوند کو ہبہ کر دیا اور مباشرت سے قبل طلاق ہوگئی تو کیا خاوند بیوی سے نصف مہر کا مطالبہ کرے گا؟	249

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
172	کیا عورت اپنا مالِ مہر خاوند کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کر سکتی ہے؟	250
173	اگر زوجین کے درمیان مہر کے تعین کے بارے میں اختلاف پایا جائے تو اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا؟	250
174	کیا حقِ مہر نہ ملنے کی صورت میں بیوی شوہر کے پاس جانے سے انکار کر سکتی ہے؟	251
175	اگر کسی شخص نے غصب کردہ مال بطور مہر دیا اور بعد میں حقیقی مالک نے اس میں تصرف کا حق نہ دیا تو اس صورت میں کیا عورت مہرِ مثل کی حق دار ہوگی؟	252
176	اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل شوہر فوت ہو جائے تو کیا بیوی شوہر کے ترکہ میں سے حق مہر کی حق دار ہوگی؟	252
177	شوہر اگر فوت ہو جائے تو کیا اس کی بیوی کا مہر اس کے ورثا کے ذمہ ادا کرنا لازم ہوگا؟	253
178	کیا بیوہ اپنے مہر کی وصولی کے لیے مرحوم شوہر کے ترکہ پر قبضہ کر سکتی ہے؟	253
179	اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے میکے چلی جاتی ہے اور اکثر لڑتی بھی رہتی ہے تو کیا اس صورت میں شوہر اس کا حق مہر روک سکتا ہے یا نہیں؟	253

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

6. طلاق کے اَحکام 255

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار **سوالات** صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار **سوالات** صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

8. خلع کے اَحکام و مسائل 341

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
278	ایسی کون سی قانونی وجوہات ہیں جن کی بنا پر عورت خلع لے سکتی ہے؟	349
279	بغیر کسی جواز کے عورت کا خلع لینا کیسا ہے؟	352
280	کیا عورت کا حصولِ خلع کے لیے ثبوت دینا ضروری ہے؟	353
281	کیا خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری ہے؟	355
282	: کن حالات کے پیش نظر عورت خلع لینے سے گریز کرتی ہے؟	359
283	موجودہ عدالتی نظام کے تحت خواتین کو خلع کے حصول میں کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟	361
284	خلع سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے؟	363
285	کیا خلع کے بعد رجوع ہوسکتا ہے؟	363
286	تنسیخ نکاح کسے کہتے ہیں؟	363
287	عورت کن وجوہات کی بناء پر تنسیخ نکاح کرواسکتی ہے؟	364
288	کیا پاکستان میں تنسیخ نکاح پر قانون سازی ہوئی ہے؟	364
289	ایسا شوہر جو بیوی کو مارتا پیٹتا ہے، نان ونفقہ دیتا ہے نہ خبر گیری کرتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو اس صورت میں کیا بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کروانا جائز ہے؟	365

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

نمبر شمار | **سوالات** | صفحہ

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ
362	اسلام نے معاشرتی لحاظ سے نفقہ کی ادائیگی کے کیا اُصول مقرر کیے ہیں؟	441
363	اسلامی معاشرتی احکامات کی رو سے نفقہ کی ادائیگی کے حق دار کون ہیں؟	443
364	عورتوں کا نفقہ واجب ہونے کے اسباب کون سے ہیں؟	445
365	مقدار نفقہ کا تعین کیسے کیا جائے؟	446
366	نفقہ جنس کی صورت میں دیا جائے یا نقدی کی صورت میں؟	447
367	کن صورتوں میں نفقہ ساقط ہو جاتا ہے؟	447
368	عورت کے نفقہ کا تعلق نکاح سے ہے یا رخصتی سے؟	448
369	طلاق کی عدت کی صورت میں کیا بیوی نفقہ کی حق دار ہوگی؟	449
370	شوہر کی وفات کی عدت میں کیا عورت نفقہ کی حق دار ہے؟	449
371	حضور نبی اکرم ﷺ نے بیوہ کی کفالت کے سلسلہ میں کیا فرمایا؟	449
372	کیا بیوی نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ جبکہ شوہر موجود نہ ہو؟	450
373	مال ہوتے ہوئے شوہر بیوی کے نفقہ کی ادائیگی میں کنجوسی کرے تو کیا حکم ہے؟	451

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار	سوالات	صفحہ

سوالات

نمبر شمار | سوالات | صفحہ

نمبر شمار | **سوالات** | صفحہ

پیش لفظ

معاشرتی تنظیم میں خاندان کی اِکائی بنیادی اَہمیت کی حامل ہے۔ تاریخِ اِنسانی کے ہر دور میں اِس اِکائی کا وجود کسی نہ کسی شکل میں رہا ہے۔ اگرچہ قبل اَز اِسلام دورِ جاہلیت میں عرب معاشرے میں ’خاندان‘ کی معاشرتی بنیاد کا تصور پوری طرح موجود تھا، تاہم خاندانی تفاخر ان کی معاشرت کا جزوِ لاینفک تھا۔

خاندان ایک چھوٹی ریاست کی مانند ہوتا ہے جہاں اَفرادِ خانہ کی معاشرتی و معاشی اور سیاسی تربیت ہوتی ہے اور مفادِ عامہ، نظم و ضبط کی پابندی، سماجی بہبود اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کا سبق ملتا ہے۔ یہی اُمور سماجی زندگی کو بہتر بناتے ہیں۔ اگر یہ اِدارہ صحیح اِسلامی اُصولوں پر استوار ہوگا تو اس بنیاد پر قائم معاشرہ مستحکم ہوگا۔

خاندان کی بنیاد شادی بیاہ سے ہوتی ہے جس کا اَہم ترین جزو نکاح ہوتا ہے۔ دورِ جاہلیت میں بھی نکاح کے مختلف ضابطے مروج تھے لیکن اِسلام نے جہاں زندگی کے ہر میدان سے متعلق رہنمائی فراہم کی ہے، وہیں نکاح کے بابت بھی بالتفصیل ہدایات فراہم کی ہیں جن پر چل کر اِنسانی زندگی کو بہت سہل بنایا جاسکتا ہے اور خاندان اور معاشرے کو مثالی بنایا جاسکتا ہے۔ اِسلام نے قبیح اور اِستحصالی رسومات کا خاتمہ کیا اور اِنسانی زندگی کو سہل بنانے والے محاسن کا اِضافہ کرتے ہوئے خالص اِسلامی معاشرے کی داغ بیل ڈالی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی مختلف فرسودہ تصورات اور رسومات کی دبیز تہ جمتی گئی۔ قرآن و سنت کے اَحکام کے برعکس نکاح جیسے پاکیزہ عمل کو انتہائی مشکل اور کٹھن بنا دیا گیا۔ لہٰذا زندگی کے اِس پہلو کے متعلق کام کی ناگزیریت کا اِدراک کرتے ہوئے سلسلہ تعلیماتِ اِسلام کی زیرِنظر

کتاب 'نکاح اور طلاق' کے اَحکام و مسائل پر تیار کی گئی ہے۔ حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کے خطبات و دروس اور تصنیفات و ملفوظات اور اِفادات سے مستفاد اِس کتاب میں 425 سے زائد سوالات کے جوابات اِنتہائی سہل انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

کتاب کے اِس ایڈیشن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آٹھویں باب میں محترمہ ڈاکٹر غزالہ حسن قادری کے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ سے ضروری مواد شامل کیا گیا ہے، جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ انہوں نے برمنگھم یونی ورسٹی سے ''پاکستان میں قانونِ خلع میں اِصلاحات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

حسبِ روایت سلسلہ تعلیماتِ اِسلام کی یہ کتاب بفضلہٖ تعالیٰ اپنی ماقبل تمام کتب سے زیادہ ضخیم ہے۔ اِن شاء اللہ اپنی اِفادیت کے باعث قبولِ عام حاصل کرے گی۔ فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ (FMRi) کے شعبہ خواتین کی رِیسرچ اسکالرز - مسز فریدہ سجاد اور مسز مصباح عثمان - کی محنتِ شاقہ کی بدولت یہ کتاب مکمل ہوئی ہے، جو نہایت دل جمعی سے مفادِ عامہ کی اس سیریز پر کتب کی اِشاعت کا اِہتمام کررہی ہیں۔ اِس کارِ خیر میں بعد ازاں طیبہ کوثر بھی شامل ہوئیں اور انہوں نے مفید معاونت کے فرائض سرانجام دیے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی کما حقہٗ خدمت بجا لانے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے قائم کردہ مصطفوی مشن کے ساتھ اِستقامت عطا فرمائے۔ (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

(محمد فاروق رانا)
ڈائریکٹر
فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

I

اِنتخابِ زوجین
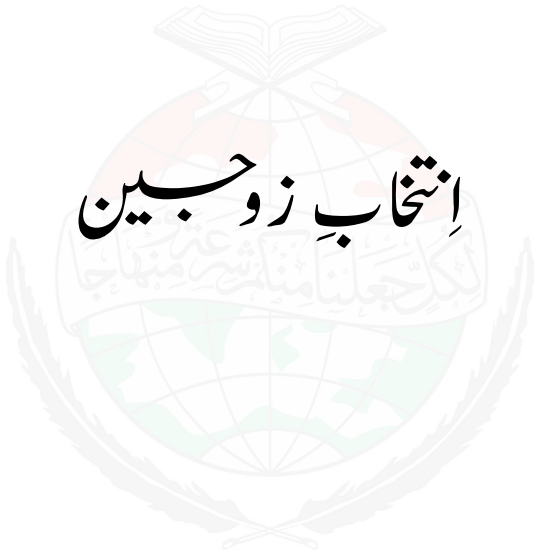
سوال ۱: اِسلام سے قبل عورت کا معاشرتی مقام کیا تھا؟

جواب: اِسلام سے قبل عورت کا معاشرتی مقام نہایت ابتر اور ناگفتہ بہ تھا۔ تاریخِ انسانی میں عورت اور تکریم دو مختلف حقیقتیں رہی ہیں۔ عورت بہت مظلوم اور معاشرتی و سماجی عزت و احترام سے محروم تھی۔ اسے تمام برائیوں کا سبب اور قابلِ نفرت تصور کیا جاتا تھا۔ اس کا مقام و مرتبہ ناپسندیدہ تھا۔ نکاح، طلاق، وراثت اور دیگر تمدنی و معاشرتی امور میں اسے کسی قسم کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ نکاح کے ذریعے اپنی زندگی کا بہتر فیصلہ کرنے میں بھی مجبور و بے بس تھی۔ رشتے کے قبول و ردّ میں اس کی رائے کا کوئی دخل نہ تھا۔ عورت کی یہ حیثیت غیر مہذب اور ناشائستہ اقوام تک ہی محدود نہ تھی بلکہ یونانی، رومی، ایرانی اقوام اور زمانہ جاہلیت کی وہ تہذیبیں اور ثقافتیں جو بزعم خویش ترقی میں اوجِ ثریا تک پہنچ چکی تھیں وہ بھی خواتین کے ساتھ اسی قسم کا سلوک روا رکھے ہوئے تھیں۔ اَہلِ عرب کے عورت سے اس بدترین رویے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ○[1]

اور یہ (کفار و مشرکین) اللہ کے لیے بیٹیاں مقرر کرتے ہیں وہ (اس سے) پاک ہے اور اپنے لیے وہ کچھ (یعنی بیٹے) جن کی وہ خواہش کرتے ہیں○

---

(۱) النحل، ۱۶:۵۷

یعنی کفارِ مکہ فرشتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے جب کہ خود اُنہیں بیٹیاں پسند نہ تھیں بلکہ بیٹے پسند تھے۔[1]

قرآن حکیم سے واضح ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورت کا کوئی مرتبہ نہ تھا، وہ مظلوم اور ستائی ہوئی تھی جب کہ ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت مردوں کے لیے تھی، حتیٰ کہ عام معاملاتِ زندگی میں بھی مرد اچھی چیزیں خود رکھ لیتے اور بے کار چیزیں عورتوں کو دیتے۔ اہلِ عرب کے اس طرزِ عمل کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:

وَ قَالُوۡا مَا فِیۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزۡوَاجِنَا‌ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ.[2]

اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو (بچہ) ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا (پیدا) ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(۱) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، ۱۰: ۳۲۳۱، رقم: ۱۸۳۰۲
۲۔ ابو سعود، ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم، ۵: ۱۲۱
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۵۷۳
۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۴: ۱۲۲-۱۲۳، ۱۲۶
۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۷: ۶۱
۴۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۰: ۱۱۶
(۲) الأنعام، ۶: ۱۳۹

فَهُوَ اللَّبَنُ، كَانُوا يُحَرِّمُونَهُ عَلٰى إِنَاثِهِمْ، وَيَشْرَبُهُ ذُكْرَانُهُمْ. وَكَانَتِ الشَّاةُ إِذَا وَلَدَتْ ذَكَرًا ذَبَحُوهُ، وَكَانَ لِلرِّجَالِ دُونَ النِّسَاءِ. وَإِنْ كَانَتْ أُنْثٰى تُرِكَتْ فَلَمْ تُذْبَحْ، وَإِنْ كَانَتْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ. فَنَهَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ.[1]

عرب مردوں کے لیے خاص چیز 'دودھ' ہے جو وہ اپنی عورتوں کے لیے حرام قرار دیتے تھے اور اُن کے مرد ہی اسے پیا کرتے تھے۔ اسی طرح جب کوئی بکری نر بچہ جنتی تو وہ ان کے مردوں کا ہوتا اور اگر مادہ بچہ جنتی تو وہ اسے ذبح نہ کرتے، یونہی چھوڑ دیتے تھے اور اگر مردہ جانور ہوتا تو سب شریک ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

ابو جعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے نقل کیا ہے:

فَهٰذِهِ الْأَنْعَامُ مَا وُلِدَ مِنْهَا مِنْ حَيٍّ فَهُوَ خَالِصٌ لِلرِّجَالِ دُونَ النِّسَاءِ، وَأَمَّا مَا وُلِدَ مِنْ مَيِّتٍ فَيَأْكُلُهُ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ.[2]

---

(۱) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، ۵:۱۳۹۵، رقم:۷۹۳۳
۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۸:۴۸
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲:۱۸۰
۴۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۳:۳۶۶

(۲) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، ۵:۱۳۹۵، رقم:۷۹۳۳
۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۸:۴۸
۳۔ رازی، التفسیر الکبیر، ۱۳:۱۷۱
۴۔ ابو حیان، البحر المحیط، ۴:۲۳۳
۵۔ ابن جزی کلبی، التسہیل لعلوم التنزیل، ۲:۲۳

ان جانوروں سے زندہ پیدا ہونے والا بچہ خالص ان کے مردوں کے کھانے کے لیے ہوتا اور عورتوں کے لیے حرام ہوتا اور مردہ پیدا ہونے والے بچے کو مرد و عورت سب کھاتے، (اس طرح وہ مَردوں کو ترجیح دیا کرتے تھے)۔

اسلام سے قبل عورت کی حیثیت کچھ نہ تھی۔ ایک مرد بہت ساری عورتوں سے نہ صرف ازدواجی تعلقات قائم کرتا بلکہ عورتوں کے باہمی تبادلے کرنے پر فخر محسوس کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اسے میراث سے محروم رکھ کر وراثت میں سامان کی طرح بانٹ دیا جاتا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

جب عورت کا شوہر مر جاتا تو شوہر کے ورثاء اس کے حق دار ہوتے، اگر وہ چاہتے تو ان میں سے کوئی اس سے شادی کر لیتا تھا یا جس سے چاہتے اسی سے اس کی شادی کرا دیتے اور چاہتے تو نہ کراتے۔ اس طرح اس عورت کے سسرالی اس کے میکے والوں سے زیادہ اس پر حق رکھتے تھے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

جب کوئی شخص مر جاتا اور اس کی باندی ہوتی تو اس کا کوئی دوست اس پر کپڑا ڈال دیتا، اب کوئی دوسرا شخص اس باندی پر دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ اگر وہ باندی خوبصورت ہوتی تو یہ شخص اس سے شادی کر لیتا اور اگر بد ہیئت

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الإکراہ، باب من الإکراہ، ۶: ۲۵۴۸، رقم: ۶۵۴۹

ہوتی تو اسے اپنے پاس تاحیات روکے رکھتا۔[1]

خلاصۂ کلام

(۱) اسلام سے قبل عورت کا معاشرتی مقام گھر کے مال و اسباب کا سا تھا، (۲) وہ عورت سے لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے، (۳) شوہر آقا کی حیثیت رکھتا تھا، (۴) اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ تو پاکی حاصل کرنے کے بعد فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر، اتنی مدت شوہر اپنی عورت سے علیحدہ رہتا، جب تک اس عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا۔ ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے کہ لڑکا خوبصورت پیدا ہو، (۵) کثرت ازدواج کے باعث بیویوں کی تعداد مقرر نہ تھی، (۶) نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی، (۷) مرد جب چاہتا اور جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا، (۸) اعلانیہ بدکاری عام تھی، (۹) قمار بازی میں عورتوں تک کی بازی لگا دیتے تھے، (۱۰) دو حقیقی بہنوں سے نکاح کرتے تھے، (۱۱) جب کسی مرد کا انتقال ہو جاتا تو اس کی بیویاں اس کی اولاد میں وراثتاً تقسیم ہو جاتیں۔

الغرض اسلام سے قبل عورت المناک صورتِ حال سے دوچار تھی جس سے اسلام نے اسے آزادی دے کر معاشرہ میں اعلیٰ و اَرفع مقام عطا فرمایا۔

سوال 2: اسلام نے عورت کو کیا معاشرتی مقام دیا؟

جواب: اسلام نے عورت کو معاشرے میں بلند مقام دیا۔ اسے مختلف نظریات و

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۴۲۵

تصورات کے محدود دائرے سے نکال کر بحیثیت انسان مرد کے برابر درجہ دیا اور معاشی و معاشرتی، قانون و سیاست اور تعلیم و تربیت کے ہر میدان میں عظیم مرتبہ و مقام عطا کیا۔ آج سے چودہ سو سال قبل ان کی حیثیت، حقوق اور آزادی کو متعین کر دیا حتیٰ کہ اسلام کی وسعت اور فراخ دلی کی عملی مثال یہ ہے کہ مذہب کی قید لگائے بغیر ہر عورت کو ماں، بہن اور بیٹی جیسے عظیم رشتہ کی حیثیت سے دیکھنے کا حکم دیا۔ عورت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اپنے حقوق بلا امتیاز حاصل کر سکتی ہے۔ اسلام نے معاشرے میں یہ شعور بھی اجاگر کیا کہ عورت اگر بیٹی ہے تو باعثِ رحمت ہے، اگر بہن ہے تو باعثِ عزت و احترام، اگر ماں ہے تو اس کے پاؤں تلے جنت ہے اور اگر بیوی ہے تو سراپا مودّت و رحمت ہے۔ گویا اسلام نے ہر روپ میں عورت کا احترام لازمی قرار دے دیا۔ عورت کی عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے ایسے پاکیزہ ازدواجی تعلق کی بنیاد فراہم کی جو عورت کے حقِ مہر، اس کی ذاتی پسند و ناپسند اور ایجاب و قبول کو مدّنظر رکھتے ہوئے قائم کیا جائے۔ علاوہ ازیں عورتوں کے حقوق نمایاں کرتے ہوئے بعض رشتوں سے نکاح حرام قرار دیا اور اس کی مکمل فہرست گنوا دی۔ ارشادِ ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ.[1]

(۱) النساء، ۴:۲۳

تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں سب حرام کردی گئی ہیں۔ اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر ان کی (لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے کہ) تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔

اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کردیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اور عورت کو وہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی اس قدر ترغیب دی کہ اسے ایمان جیسی اعلیٰ ترین شے کا لازمی جزو قرار دے دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ.(1)

---

(1) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۷۲، رقم: ۱۰۱۱۸

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، ۳: ۴۶۶، رقم: ۱۱۶۲

اہلِ ایمان میں سے کامل مومن وہ ہے جو اُن میں سے بہترین اخلاق کا مالک ہے اورتم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے (اخلاق و برتاؤ) میں بہترین ہیں۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ.(1)

مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے لوگ وہ ہیں جن کے اَخلاق سب سے اچھے ہیں اور وہ اپنے گھر والوں سے سب سے زیادہ نرمی و شفقت سے پیش آتے ہیں۔

سوال 3: منگنی کسے کہتے ہیں؟

جواب: منگنی دراصل پیغامِ نکاح اور نکاح کا وعدہ ہے جو نکاح سے قبل فریقین کی باہم رضا مندی سے طے پاتا ہے۔ اگر یہ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں تاہم آج کل

.... ۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۱۵، رقم: ۲۷۹۲

۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۴۳، رقم: ۲

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۷، رقم: ۲۴۲۵۰

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الإیمان، باب ما جاء في استکمال الإیمان وزیادته ونقصانه، ۵: ۹، رقم: ۲۶۱۲

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۳۶۴، رقم: ۹۱۵۴

۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۱۹، رقم: ۱۷۳

نکاح کے لیے لڑکی لڑکے کے انتخاب کے بعد منگنی ایک با قاعدہ رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اسے شادی کا ایک لازمی جزو سمجھا جانے لگا ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اس رسم کی ادائیگی میں بھی کم و بیش اتنے ہی اخراجات ہونے لگے ہیں جتنے نکاح یا ولیمہ کے موقع پر کیے جاتے ہیں۔

لٰہذا نکاح کی غرض سے انتخاب زوجین کے بعد وعدۂ نکاح تک منگنی کا عمل درست اور احسن ہے کیونکہ اس دوران فریقین کو ایک دوسرے کا مزاج سمجھنے کا موقع بھی مل جاتا ہے لیکن اسے نہایت سادگی سے ادا کیا جانا چاہیے اور اس رسم کی آڑ میں بے جا فضول خرچی کسی صورت بھی جائز نہیں۔ یہ محض نمود و نمائش اور وقت اور پیسے کا ضیاع ہے۔

سوال 4: کیا بلا اجازت کسی کی منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے؟

جواب: جی نہیں! بلا اجازت کسی کی منگنی پر منگنی کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَبِعِ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ، وَلَا يَخْطُبْ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيْهِ، إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهٗ.[1]

کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے۔ نہ کوئی شخص اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے۔

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو يترك، ۲: ۱۰۳۲، رقم: ۱۴۱۲

سوال 5: اگر کسی شخص نے منگنی پر منگنی کر کے نکاح کرلیا تو کیا اس کا نکاح ہوگیا؟

جواب: جی ہاں! اگر کسی شخص نے منگنی پر منگنی کے ذریعے نکاح کرلیا تو اس کا نکاح صحیح ہوگا تاہم ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا کیونکہ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جب منگنی کرنے والے کا پیغام صراحتاً منظور کرلیا جائے اور وہ اس رشتہ کو ترک نہ کرے تو اب کسی اور شخص کے لیے پیغام نکاح دینا جائز نہیں ہے۔

سوال 6: کیا پیدائش کے وقت یا بچپن میں کی گئی منگنی کو اولاد بالغ ہونے پر توڑ سکتی ہے؟

جواب: پیدائش کے وقت یا بچپن میں کی گئی منگنی کو اولاد بالغ ہونے کے بعد توڑ سکتی ہے کیونکہ منگنی عہدِ نکاح ہوتا ہے، عقدِ نکاح نہیں۔ لہٰذا اولاد کو اگر رشتہ پسند نہیں تو وہ اسے ختم کرنے کی حق دار ہے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ والدین بچپن میں بچوں کی منگنی کرنے سے گریز کریں کیونکہ جو والدین پیدائش کے وقت بچوں کی منگنی کر دیتے ہیں ان کے نتائج بسا اوقات الاماشاء اللہ ناچاکی کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

والدین رشتہ ضرور طے کریں مگر بچوں کی رضامندی سے۔ اگر بچوں کی رائے غلط ہے تو دلیل اور محبت سے ان کو اپنے حسنِ انتخاب کا قائل کریں اور ان پر زبردستی کا فیصلہ مسلط نہ کریں۔ والدین اپنے بچوں کو اُس حق سے کیوں محروم کرتے ہیں جو اسلام نے انہیں عطا کیا ہے؟ اگر اس بات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور

اس پر ہر ممکن عمل کیا جائے تو ناکام شادیوں کا بڑی حد تک ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

سوال 7 : زمانہ جاہلیت میں رائج شادی کے طریقے کیا تھے؟

جواب: شادی خاندانی زندگی کے قیام و تسلسل کا ادارہ ہے، لیکن اہل عرب کے ہاں اصول وضوابط سے آزاد تھا اور اس میں عورت کی عزت وعظمت اور عفت وتکریم کا کوئی تصور کارفرما نہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کے ہاں شادی کے درج ذیل طریقے رائج تھے:

ا۔ زواج البعولة

اسلام سے پہلے عربوں میں کثیر الزوجیت باعثِ شرف معاملہ سمجھا جاتا تھا، وہ عورتوں کی تعداد پر فخر کرتے تھے اور اسی وجہ سے یہ نکاح عرب میں بہت عام تھا۔ مرد ایک سے زائد عورتوں کا مالک ہوتا۔ بعولت (خاوند ہونا) سے مراد مرد کا 'عورتیں جمع کرنا' ہوتا تھا۔ اس میں عورت کی حیثیت عام مال ومتاع جیسی گردانی جاتی تھی۔

۲۔ زواج البدل

زواج البدل یعنی بدلے کی شادی سے مراد دو بیویوں کا آپس میں تبادلہ تھا۔ یعنی دو مرد اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے اور اس کا نہ عورت کو علم ہوتا اور نہ اس کے قبول کرنے، مہر یا ایجاب کی ضرورت ہوتی۔ بس دوسرے کی بیوی پسند آنے پر ایک مختصر سی مجلس میں یہ سب کچھ طے پا جاتا۔

۳۔ نکاح متعہ

یہ نکاح بغیر خطبہ، تقریب اور گواہوں کے ہوتا تھا۔ عورت اور مرد آپس میں کسی ایک مدتِ مقررہ تک ایک خاص مہر پر متفق ہو جاتے اور مدتِ مقررہ پوری ہوتے ہی نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا، طلاق کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ زوجین ایک دوسرے سے اپنی ضرورت کے مطابق خوشی اور تفریح حاصل کرتے اور اس نکاح میں اولاد مقصد نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اگر اولاد ہو جاتی تو ماں کی طرف منسوب ہوتی، اسے باپ کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔ اسلام نے حرمتِ متعہ کے اَحکامات نافذ کیے اور ایسے عارضی تعلق کو صراحتاً حرام قرار دیا۔

۴۔ نکاح الخدن

اسے دوستی کی شادی بھی کہتے ہیں۔ اس میں مرد کسی عورت کو اپنے گھر بغیر نکاح، خطبہ اور مہر کے رکھ لیتا اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا اور بعد ازاں یہ تعلق باہمی رضا مندی سے ختم ہو جاتا، کسی قسم کی طلاق کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اولاد پیدا ہو جاتی تو وہ ماں کی طرف منسوب ہوتی۔ یہ طریقہ آج کل مغربی معاشرے میں بھی رائج ہے۔

۵۔ نکاح الضغینہ

اس نکاح میں کسی خطبہ، مہر یا ایجاب و قبول کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جاہلیت میں جنگ کے بعد فاتح کے لیے مفتوح کی عورتیں، مال و متاع وغیرہ سب مباح تھا۔ یہ عورتیں فاتح کی ملکیت ہو جاتیں اور وہ چاہتا تو انہیں بیچ دیتا، چاہتا تو

یونہی چھوڑ دیتا اور چاہتا تو ان سے مباشرت کرتا یا کسی دوسرے شخص کو تحفتاً دے دیتا۔ یوں ایک آزاد عورت غلام بن کر بک جاتی۔

٦۔ نکاح شغار

اس نکاح میں ایک شخص اپنی زیرِ سرپرستی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کر دیتا کہ وہ اپنی کسی بیٹی، بہن وغیرہ کا نکاح اس سے کرائے گا۔ اس میں مہر مقرر کرنا بھی ضروری نہ تھا۔ اسلام نے اس طرح کے نکاح کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

٧۔ نکاح الاستبضاع

فائدہ اٹھانے کے لیے عورت مہیا کرنے کا نکاح یعنی ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے بھیج دیتا تھا اور خود اس سے الگ رہتا تاکہ اس کی نسل خوبصورت پیدا ہو اور آئندہ نسل کو صحت اور دوام حاصل ہو سکے اور جب اس کو حمل ظاہر ہو جاتا تو وہ عورت پھر اپنے اصل شوہر کے پاس واپس آ جاتی۔

٨۔ نکاح الرھط

اجتماعی نکاح۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً دس آدمی ایک ہی عورت کے لیے جمع ہوتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کرتا اور جب اس کے ہاں اولاد ہوتی تو وہ ان سب کو بلواتی اور وہ بغیر کسی پس و پیش کے آ جاتے۔ پھر وہ جسے چاہتی (پسند کرتی یا اچھا سمجھتی) اسے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اُس شخص کو اِس بات سے انکار

کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

۹۔ نکاح البغایا

فاحشہ عورتوں سے تعلق۔ یہ بھی نکاحِ رہط سے ملتا جلتا ہے مگر اس میں دو فرق تھے: ایک تو یہ کہ اس میں دس سے زیادہ افراد بھی ہو سکتے تھے جبکہ نکاحِ رہط میں دس سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ دوسرا یہ کہ ان مردوں میں سے کسی سے بچہ منسوب کرنا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا کام ہوتا تھا۔[1]

مذکورہ طریقہ ہائے زواج سے ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ عورت کی زمانہ جاہلیت میں حیثیت مال و متاع کی طرح تھی اور اسے خریدا اور بیچا جاتا تھا۔

---

(۱) نکاح کی یہ اقسامِ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بالتفصیل ''فتح الباری شرح صحیح البخاری (کتاب النکاح، ۹:۱۸۲-۱۸۵)'' میں بیان کی ہیں۔ دیگر حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، ۵:۱۹۷۰، رقم:۴۸۳۴

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فی وجوہ النکاح، ۲:۲۸۱، رقم:۲۲۷۲

۳۔ دارقطنی، السنن الکبریٰ، لتی کان یتنا کح بھا أھل الجاھیلة، ۷:۱۱۰

۴۔ بیہقی، السنن، الکبریٰ، ۷:۱۱۰

۵۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۳:۱۲۰

سوال 8 : شادی کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟

جواب: شادی کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ عاقل و بالغ لڑکے اورلڑکی کی رضامندی اور گواہان کی موجودگی میں نکاح سر انجام دیا جائے کیونکہ اسلام نے عورت کو نکاح کا حق دیا اور اس ازدواجی بندھن میں جہاں مرد کی ذاتی رائے اور پسند و ناپسند شامل ہوتی ہے وہیں عورت کو بھی یہ حق دیا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی نہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ. قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ.(1)

بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی (بالغہ) کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کنواری کی اجازت کیسے معلوم ہوتی ہے؟ فرمایا: اس کا خاموش رہنا اجازت ہے۔

جو یتیم ہو، باندی ہو یا مطلقہ، شریعت کے مقرر کردہ اُصول وضوابط کے اندر رہتے ہوئے اُنہیں بھی نکاح کے حق سے محروم نہ کیا جائے، جیسا کہ قرآن حکیم میں اِرشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

---

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاها، ٥:١٩٧٤، رقم:٤٨٤٣

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ٢:١٠٣٦، رقم:١٤١٩

(۱) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ.[۱]

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہوجائیں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔

(۲) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ج فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○[۲]

اور تم میں سے جو فوت ہوجائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مواخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے۔

(۳) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○[۳]

اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کردیا کرو جو بغیر

(۱) البقرة، ۲:۲۳۲

(۲) البقرة، ۲:۲۳۴

(۳) النور، ۲۴:۳۲

ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا (نکاح کردیا کرو) اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے گا اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔

سوال 9: والدین کو کس عمر میں اپنی اولاد کی شادی کردینی چاہیے؟

جواب: لڑکا ہو یا لڑکی، والدین کو اپنی اولاد کی شادی بالغ ہو جانے کے بعد اگر کوئی خاص رکاوٹ نہ ہو تو جلد کردینی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنِ اِسْمَهٗ وأَدِّبْهُ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْهُ، فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْمًا فَإِنَّمَا إِثْمُهٗ عَلٰی أَبِیْهِ.[1]

جس کے ہاں کوئی اولاد ہو تو اُسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے آداب سکھائے۔ پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے۔ اگر اولاد بالغ ہوئی اور اُس نے اس کا نکاح نہ کیا جس کی وجہ سے اس نے کوئی گناہ کرلیا تو باپ ہی پر اس کا گناہ ہوگا۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ اولاد کا اچھا نام رکھنا، انہیں آداب سکھانا اور بروقت شادی کردینا اولاد کے حقوق میں سے ہے۔

---

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۴۰۱، رقم: ۸۶۶۶
۲۔ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح، ۲: ۹۳۹، رقم: ۳۱۳۸
۳۔ دمیاطی، إعانۃ الطالبین، ۳: ۲۵۴

سوال ۱۰: انتخابِ زوج کے لیے معیار کیا ہونا چاہیے؟

جواب: بہترین اِنتخابِ زوج کے لیے معیار یہ ہونا چاہیے کہ مرد دین دار، بااخلاق اور وسیع النظر ہو اور اہلِ خانہ کو نیکی کی رغبت دلانے والا، حلال رزق کمانے والا اور اپنے خاندان (بیوی اور بچوں) کی کفالت کا اہل ہو۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ. فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ. فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.[1]

اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کر لے کیونکہ نکاح سے نظر نہیں بہکتی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کر دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں مرد کو حلیم طبع، بہادر، خوش خلق، عورت سے بھلائی کرنے والا، اچھے کاموں سے محبت کرنے والا خصوصاً بیوی کے اچھے کاموں پر دل کھول کر داد دینے والا، احسان کرنے والا، ظلم و تشدد سے پرہیز کرنے والا اور معاملاتِ زندگی میں بہترین منتظم اور معاشی لحاظ سے خودکفیل ہونا چاہیے۔

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه، ۲: ۱۰۱۹، رقم: ۱۴۰۰

حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ. ...... وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.(۱)

لوگو! تم عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی اَمان میں لیا ہے، سَو تم نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ (نکاح) سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ ......تم پر اُن کا یہ حق ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق اُن کو اچھی خوراک اور اچھا لباس فراہم کیا کرو۔

سوال ۱۱: انتخابِ زوجہ کے لیے معیار کیا ہونا چاہیے؟

جواب: شوہر کی طرح زوجہ کے انتخاب کے لیے بھی ضروری ہے کہ عورت دین دار، بااخلاق، باشعور اور نیک سیرت ہو کیونکہ نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، ۲: ۸۹۰، رقم:۱۲۱۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب المناسك، باب صفة حج النبي ﷺ، ۲:۱۸۵، رقم:۱۹۰۵

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب المناسك، باب حجة رسول الله ﷺ، ۲:۱۰۲۵، رقم:۳۰۷۴

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۹:۲۵۷، رقم:۳۹۴۴

اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ.[1]

دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

شادی کی ایک اہم وجہ نسلِ انسانی کی بقا ہے اور بچے کی ابتدائی درس گاہ ماں ہے۔ ماں کی گود ہی بچے کی بہترین تربیت کرکے اسے معاشرے کا اچھا شہری بنا سکتی ہے۔ لہٰذا زوجہ کے انتخاب کے لیے بھی ضروری ہے کہ عورت نیک، بااخلاق، صالح اور دینی شعور و آگہی رکھنے والی ہو تاکہ دینی اقدار کا تحفظ آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے سے ممکن ہو سکے۔ حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلٰى دِيْنِهَا وَمَالِهَا وَجَمَالِهَا، فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ.[2]

عورت سے اس کے دین، مال اور جمال کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے۔ لہٰذا تم دین دار عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دینا۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة، ۲:۱۰۹۰، رقم:۱۴۶۷

۲۔ أحمد، المسند، ۲:۱۶۸، رقم:۶۵۶۷

۳۔ نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب المرأة الصالحة، ۶:۶۹، رقم:۳۲۳۲

۴۔ أبو عوانة، المسند، ۳:۱۴۳، رقم:۴۵۰۴

(۲) ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ماجاء أن المرأة تنکح علی ثلاث خصال، ۲: ۳۹۶، رقم:۱۰۸۶

اس حکم میں تاکید کی گئی ہے کہ دین دار عورت سے نکاح ہی دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ علاوہ ازیں عورت شوہر سے محبت کرنے والی، مشکلات میں صبر و شکر کرنے والی، دور اندیش، لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنے والی، سلیقہ شعار ہو کیونکہ ان صفات کی حامل خاتون ہی شوہر کے لیے بہترین زوجہ ثابت ہو سکتی ہے۔

حضرت معقل بن یسار ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ.[1]

محبت کرنے والی اور بچے جننے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں کے سامنے برکت حاصل کروں گا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ.[2]

کوئی مومن کسی عورت سے چار باتوں کے سبب نکاح کرے: (۱) اس کے مال، (۲) اس کے نسب، (۳) اس کے حسن اور (۴) اس کے دین۔ اور تجھے چاہیے کہ ان صفات میں سے دین دار عورت کو حاصل کرے۔

---

(۱) ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۰۵۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الأکفاء في الدین، ۵: ۱۹۵۸، رقم: ۴۸۰۲

دین دار سے مراد دین پر قائم رہنے والی اور دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والی ہو جو ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ دینِ اسلام کی سب سے بڑی خوبی حسنِ اخلاق ہے۔ چنانچہ عورت کے حسن سے مراد صرف ظاہری حسن و خوب صورتی نہیں بلکہ حسنِ اخلاق، حسنِ کردار اور حسنِ گفتار بھی ہے۔

سوال 12: انتخابِ زوجین میں والد کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: اِنتخابِ زوجین میں والد کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے کیونکہ وہ گھر کا سربراہ ہوتا ہے جس نے اپنے خاندان کی نہ صرف معاشی کفالت کرنا ہوتی ہے بلکہ ان کی بہترین تربیت بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ نیز وہ اپنے اہل وعیال کی تربیت و پرورش کے بارے میں روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ، وهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.[1]

آدمی اپنے اہل وعیال کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (یعنی گھر والوں) سے متعلق سوال کیا جائے گا۔

لہٰذا والد کو چاہیے کہ وہ اپنی فہم و فراست، عمر بھر کے ذاتی تجربہ اور اپنی اولاد کی اہمیت و قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے بیٹے یا بیٹی کے رشتے کے انتخاب

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، ۱: ۳۰۴، رقم: ۸۵۳

میں دل چسپی لے۔ عام طور پر مرد اس قسم کے معاملات کو کلیتًا خواتین کے سپرد کر دیتے ہیں اور شادی کے لیے صرف مالی انتظام و انصرام کو ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں جبکہ دینِ اسلام اولاد کے لیے بہترین رشتے کے انتخاب میں ماں اور باپ دونوں پر یکساں ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ اس لیے والد کو بھی چاہیے کہ اولاد کے رشتے کے انتخاب کے لیے باہمی مشاورت سے ایسے رشتے کو منتخب کرے جو نیک سیرت، مہذب، بااخلاق اور شریعت اسلامی کا پابند ہو۔ داماد کے لیے ایسے فرد کا چناؤ کرے جو عورت کا احترام کرنے والا، احسان کرنے والا، اسلامی شعار کو اپنانے والا اور معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو اور بہو کے لیے ایسی لڑکی کا انتخاب کرے جو شرم و حیا کی پیکر، اسلامی تعلیمات کی روح کو سمجھنے والی، نیک سیرت اور اچھے نسب کی مالک ہو۔

سوال 13: انتخابِ زوجین میں والدہ کا کردار کیا ہونا چاہیے؟

جواب: اِنتخابِ زوجین میں والدہ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ بدیہی اَمر ہے کہ اولاد کا باپ کے مقابلہ میں ماں سے تعلق عام طور پر زیادہ گہرا اور شدید ہوتا ہے۔ اسی تعلق کی بناء پر مرد کے مقابلے میں زیادہ تر ماں یا بہن ہی اِنتخابِ زوجین میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ آج کل کی مائیں داماد میں دین داری، حسنِ خلق اور کردار دیکھنے کی بجائے مال و دولت اور دنیا کی بڑائی دیکھتی ہیں۔ یہ نہیں سوچتیں کہ اگر لڑکے میں دین داری نہیں ہے تو وہ لڑکی کو بھی دین پر چلنے نہیں دے گا، بے پردگی کو اہمیت دی جائے گی کیونکہ بیٹی جس گھر میں جا رہی ہے وہاں تو فرائض ترک ہوں گے، نماز روزہ چھوٹے گا۔ اس طرح دین کو پس پشت ڈال کر

مال و دولت، کوٹھی، بنگلہ کو ترجیح دینے سے دنیا تو شاید آرام سے گزر جائے مگر آخرت برباد ہو جائے گی۔ اسی طرح مائیں بہو کے انتخاب میں بھی حد درجہ خوب صورتی اور مال و دولت کو دیکھتی ہیں اور دین کی پرواہ نہیں کرتیں جس کے نتیجہ میں بہو آتے ہی گھر کا سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ شوہر اگر والدہ کو کوئی پیسہ دے دے تو بیوی ناراض ہو جاتی ہے۔ والد کی خدمت کرے تو غصہ، بہنوں کو کچھ دے دے تو خفگی اور شوہر کی پوری آمدنی پر قبضہ کرنے کی خواہش بیوی کے ذہن میں ہوتی ہے۔ پس ماں ہی وہ عظیم ہستی ہے جو اپنے بچوں کی نفسیات، پسند و ناپسند، قابلیت و اہلیت اور طبعی میلانات کا زیادہ علم رکھتی ہے۔ لہٰذا ہر ماں کو اپنے لیے داماد یا بہو کے انتخاب میں اولاد کی خواہش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر اس پہلو کا خیال رکھنا چاہیے جو ایک اچھے اور مثالی خاندان کو جنم دے سکے۔

سوال 14: کیا اولاد کے اچھے رشتہ کے لیے اخبار میں اشتہار دینا یا میرج بیورو میں نام لکھوانا جائز ہے؟

جواب: ہمارے معاشرے میں رسومات کی بھرمار نے غریب آدمی کے لیے اپنی اولاد بالخصوص بیٹی کی شادی کرنا بہت مشکل بنا دیا ہے۔ کوئی شخص کسی غریب کے ہاں اپنی بیٹی یا بیٹے کی شادی کرنے کو تیار نہیں۔ امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کی شادیوں نے غریبوں پر بے حد ظلم کیا ہے۔ ایسے حالات میں بہت سے لوگ اپنی بچیوں کو لے کر گھروں میں بیٹھے ہیں۔ ان کے گھر کوئی رشتہ دار بھی رشتہ نہیں لے کر آتا کیونکہ ایسے والدین کے پاس لاکھوں کا جہیز دینے کی طاقت نہیں ہوتی۔ نتیجتاً وہ غریب بچیاں ساری عمر کنواری رہ جاتی ہیں۔ جب معاشرہ اس قدر بانجھ ہو جائے تو مجبوراً

اخبارات میں اشتہارات دینا اور میرج بیورو میں اولاد کے اچھے رشتوں کے لیے نام لکھوانا جائز ہے، اگرچہ یہ رویہ عورت کی عصمت، تقدس اور عظمت کے منافی ہے۔

سوال 15: زوجین کے غلط انتخاب سے گھریلو سطح پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: زوجین کے غلط انتخاب سے گھریلو سطح پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی میں انتخابِ زوجین جس قدر اہمیت کا حامل ہے اس قدر شاید ہی کوئی اور پہلو اہم ہو کیونکہ یہ سب سے زیادہ انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انتخاب اچھا ہو تو اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بے شمار فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ اگر انتخاب غلط ہو تو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور گھروں میں فساد اور لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ نتیجتاً ازدواجی زندگی بہت پیچیدہ مسائل سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہمیں اپنے معاشرے میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ آئے روز مختلف النوع خبریں پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔ جن کی بنیادی وجہ غلط انتخابِ زوجین ہوتا ہے اور اولاد کی ازدواجی زندگی میں مسائل اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں گھریلو سطح پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

☆ زوجین کے درمیان جذبہ محبت و مودّت پیدا نہیں ہو پاتا جو اس رشتہ کے استحکام کا ذریعہ ہے۔

☆ گھروں کا سکون، آرام اور راحت تباہ ہو جاتی ہے۔

☆ ہر روز نئے نئے لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

☆ بچے ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ بعض دفعہ حالات کی پیچیدگیوں کی وجہ سے نوبت علیحدگی تک آ جاتی ہے۔

☆ دو خاندانوں میں دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔

☆ گھروں میں اسلامی ماحول پیدا نہیں ہوسکتا اور ازدواجی زندگی کے متعلق اسلام کا جو فلسفہ ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔

☆ زیادہ تر لڑائی جھگڑوں میں خواتین تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔

☆ بچوں کی تعلیم و تربیت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

الغرض ان گنت ایسی قباحتیں ہیں جو غلط انتخابِ زوجین کی وجہ سے پیش آتی ہیں اور گھریلو زندگی پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اس سے نہ صرف خاندان تباہ و برباد ہوتا ہے بلکہ معاشرہ بھی ترقی کی راہ میں پیچھے رہ جاتا ہے۔

سوال 16: زوجین کے غلط انتخاب سے نفسیاتی و معاشرتی سطح پر نقصانات کیا ہیں؟

جواب: نکاح کا مقصد انسان کے لیے سکون و راحت کا ایک مستقل ذریعہ فراہم کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد رکھی جائے جس میں باہمی مودت، قلبی محبت، جذباتی ہم آہنگی اور یک جہتی ہو جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا.[1]

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑ بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

قرآنی منشاء کے مطابق نکاح کا عمل صرف اسی صورت میں راحت وسکون کا باعث بن سکتا ہے جب انتخابِ زوجین کا عمل درست اور اسلامی طرزِ پر کیا جائے، غلط انتخاب زوجین کے نفسیاتی و معاشرتی سطح پر بے شمار نقصانات ہیں جن کا شکار معاشرے میں پیدا ہونے والی وہ نئی نسل ہوتی ہے جو اس غلط انتخابِ زوجین کے نتیجے میں جنم لیتی ہے۔ ایسے ماحول میں پرورش پانے والے بچے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کی قوتِ فیصلہ ختم ہوجاتی ہے اوروہ خود اعتمادی کی دولت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ حتّٰی کہ والدین سے بھی اپنی ضروریات کا تذکرہ نہیں کر پاتے۔ ان کی طبیعتوں میں اس قدر چڑچڑا پن آجاتا ہے کہ وہ بات بات پر بگڑ جاتے ہیں، کسی مثبت کام میں بھی کسی کی مدد لینا اور نصیحت قبول کرنا گوارا نہیں کرتے۔ ایسے بچے زندگی کے میدان میں ہمیشہ ناکام رہتے ہیں، ان کے اندر ہر وقت جذباتی کشمکش رہتی ہے۔ ان کی ذہنی سطح اس قدر مفلوج ہو جاتی ہے کہ ذہن نشو ونما نہیں پاسکتا اور وہ تعلیم، کھیل الغرض زندگی کے ہر میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچے اپنے دین سے دور ہو جاتے ہیں اورنفسیاتی مسائل کا شکار بھی۔ یہی بچے بڑے ہو کر معاشرے پر بھی منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ تعمیری کاموں کی

---

(۱) الأعراف، ۷:۱۸۹

بجائے تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ سگریٹ نوشی، نشہ بازی، جھوٹ، فریب، ڈاکہ زنی، حتیٰ کہ قتل و غارت گری کی عادات میں بھی گرفتار ہو جاتے ہیں۔ الغرض اس قسم کے افراد معاشرے میں بے شمار اخلاقی برائیوں کا سبب بنتے ہیں اور معاشرتی ترقی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انتخابِ زوجین کے وقت اسلامی تعلیمات کو مدِنظر رکھا جائے۔

سوال 17: کفو سے کیا مراد ہے؟

جواب: ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

اَلْكُفُوُ: النظير والمساوي.[1]

کفو کا مطلب نظیر اور برابری ہے۔

کفاءت کے لفظی معنی 'ہم سری' کے ہیں۔ بالعموم ان دو اشخاص کو ایک دوسرے کا کفو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہوں، ایک نسب ہو اور آزاد ہوں؛ نیز پیشہ، دیانت داری اور مال داری میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں۔ لہٰذا نکاح کے لیے لڑکے لڑکی میں ہر ممکن حد تک مناسبت کا لحاظ رکھا جائے تاکہ دونوں میں ہم آہنگی، مطابقت و موافقت اور الفت پیدا ہو۔

سوال 18: کفاءت میں کتنی چیزوں کا اعتبار ہے؟

جواب: کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے جن میں مرد کا عورت کے ہمسر ہونا ضروری ہے:

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱:۱۳۹

۱۔ اسلام (یعنی زوجین کا مسلمان ہونا)

۲۔ نسب

۳۔ کردار یعنی تقوی اور دین داری

۴۔ حریت یعنی آزاد ہو، غلام نہ ہو

۵۔ تمول یعنی مال و دولت

۶۔ پیشہ صنعت وحرفت

سوال 19: کیا رشتوں کی تلاش میں نسب اور خاندان کو دیکھنا ضروری ہے؟

جواب: رشتوں کی تلاش میں نسب اور خاندان کو دیکھنا ضروری ہے کیونکہ کسی بھی صحت مند معاشرے کی بنیاد مرد و عورت کے باہمی تعلق اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج پر ہوتی ہے اور مرد و عورت کا باہمی رشتہ ہی خاندان اور معاشرے کو ترتیب دیتا ہے۔ لہٰذا زوجیت کے انتخاب کے وقت زوجین کا ایک دوسرے کے لیے معیاری ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں نسب اور خاندان کو بہت اہمیت حاصل ہے، رشتوں کی تلاش میں پہلے مرد و عورت کے خاندان، ان کے حسب نسب، معاشرتی مقام، گھریلو عادات و روایات اور نجی زندگی میں دین داری کے متعلق جاننا ضروری ہے تاکہ زوجین کے باہمی تعلق سے ایک اچھے خاندان اور صحت مند معاشرے کی تشکیل وجود میں آئے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَجِدُونَ النَّاسَ مَعَادِنَ، فَخِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ

إِذَا فَقِهُوا.[1]

تم لوگوں کو معدنیات کی طرح پاؤ گے، جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے، بشرطیکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ رکھتے ہوں۔

اِمام نووی لکھتے ہیں:

اسلام میں فضیلت تقویٰ سے ہوتی ہے اور جب تقویٰ کے ساتھ نسبی یعنی خاندانی فضیلت بھی ہوگی تو اس کی زیادہ قدر و منزلت ہوگی۔[2]

اس لحاظ سے دین اسلام میں رشتوں کی تلاش کے وقت خاندانی شرافت، حسب و نسب اور دین داری کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ. فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا خَضْرَاءُ الدِّمَنِ؟ قَالَ: الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ فِي الْمَنْبَتِ السُّوءِ.[3]

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب خيار الناس، ۴: ۱۹۵۸، رقم: ۲۵۲۶

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۶: ۱۲۰۱

(۳) ۱۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۹۶، رقم: ۹۵۷

۲۔ غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۴۱

۳۔ غزالی، إحياء علوم الدين، ۴: ۱۰۵

۴۔ ہندی، كنز العمال، ۱۶: ۲۰۷، رقم: ۴۵۶۲۰

تم گندگی کے سبزہ سے بچا کرو۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! گندگی کے سبزے سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حسین وجمیل عورت جو گندے خاندان میں پیدا ہوئی ہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ رشتوں کی تلاش میں خاندانی محاسن اور حسب نسب بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ عورت کی اپنی تربیت سے ہی آئندہ نسل کا معیار قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ اچھی نسل حاصل کرنے کے لیے اچھے، نیک اور غیرت مند خاندان سے رشتہ تلاش کرنے کو اہمیت دی جانی چاہیے۔

سوال ۲۰: کیا زوجین کا ہم دین ہونا ضروری ہے؟

جواب: زوجین کا ہم دین ہونا ضروری ہے کیونکہ شریعتِ اسلامی میں نکاح ایک مستقل اور تادمِ زیست معاہدہ ہے جسے ناگزیر حالات میں ہی توڑا جاسکتا ہے۔ لہٰذا جہاں شریعت ایک عاقل و بالغ مرد اور عورت کو اس بات کا پورا پورا حق دیتی ہے کہ وہ اپنی پسند اور رضا مندی سے شادی کرے، وہیں اس بات کا تقاضا بھی کرتی ہے کہ زوجین ہم دین ہوں تاکہ معاشرے میں اسلامی اقدار و روایات کو فروغ ملے اور نکاح زوجین کے لیے سکون کا باعث بنے کیونکہ حمیتِ دینیہ کے ہوتے ہوئے کسی مشرک مرد یا عورت کے ساتھ نکاح سے سکون و مودّت حاصل نہیں ہوسکتا جو نکاح کا اصل مقصد ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں حکم فرمایا:

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ط اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ج وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ج وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○(1)

اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بے شک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور یقیناً مشرک مرد سے مومن غلام بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے، وہ (کافر اور مشرک) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○

زوجین کا ہم دین ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دینی نظریات کے اختلافات رشتہ اِزدواج کی کامیابی میں نفسیاتی اور معاشرتی طور پر رکاوٹ بنتے ہیں۔ اَیسا تعلق جلد ہی اپنے فطری انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

سوال 21: کیا کفاءت میں حسن و جمال کا اعتبار ہوگا؟

جواب: کفاءت میں حسن و جمال کا اعتبار رکھنا بھی کسی حد تک ضروری ہے تاکہ ایک فریق دوسرے کو دیکھ کر احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو۔ لیکن دین دار ہونا اس سے

(1) البقرة، 2: 221

زیادہ اجر رکھتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْکَحُ عَلٰی دِيْنِهَا وَمَالِهَا وَجَمَالِهَا، فَعَلَيْکَ بِذَاتِ الدِّيْنِ. (۱)

عورت سے اس کے دین، مال اور جمال کی بناء پر نکاح کیا جاتا ہے۔ لہٰذا تم دین دار عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دینا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب چاندی اور سونے کے متعلق (سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۳۴ میں) حکم نازل ہوا تو صحابہ نے کہا کہ پھر ہم (ناگزیر ضروریات کے لیے) کون سا مال جمع کریں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ میں تم لوگوں کی خاطر ابھی (اس کے متعلق) جانتا ہوں، لہٰذا وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جبکہ میں اُن کے پیچھے تھا، تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کون سا مال اختیار کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لِيَتَّخِذْ أَحَدُکُمْ قَلْبًا شَاکِرًا، وَلِسَانًا ذَاکِرًا، وَزَوْجَةً مُؤْمِنَةً تُعِيْنُ أَحَدَکُمْ عَلٰی أَمْرِ الْآخِرَةِ. (۲)

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ماجاء أن المرأة تنکح علی ثلاث خصال، ۲: ۳۹۶، رقم:۱۰۸۶

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۸۲، رقم:۲۲۴۹۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب أفضل النساء، ۲:۴۲۱، ۴۲۲، رقم:۱۸۵۶

۳۔ رویاني، المسند، ۱:۴۰۶، رقم:۶۲۰

۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲:۳۷۶، رقم:۲۲۷۴

تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ (اللہ تعالیٰ سے) شکر گزار دل طلب کرے، (ہمہ وقت اللہ کا) ذکر کرنے والی زبان طلب کرے اور مومن (یعنی صالح اور دِین دار) بیوی طلب کرے جو (دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ) اُخروی امور میں بھی تمہاری معاونت کرے (یہی حقیقی مال و دولت ہیں)۔

یعنی بیوی نہ صرف دنیوی امور میں بلکہ دینی اور اخروی معاملات میں بھی اپنے شوہر کی مدد و معاونت کرے۔ لہٰذا دین دار عورت سے نکاح میں دنیا و آخرت کی بھلائی پوشیدہ ہے۔

سوال 22: عورت کا بناؤ سنگھار کس کے لیے ہونا چاہیے؟

جواب: عورت کا بناؤ سنگھار خالصتاً اُس کے شوہر کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ غیر محرم مردوں کے لیے۔ خواتین کا اپنے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورے جسم کے کسی حصے کو بھی ننگا کرنا حرام ہے۔ المیہ یہ ہے کہ خواتین تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں کہ جسم کے اعضاء واضح طور پر نمایاں آتے ہیں۔ ان کے لباس میں آدھے بازو، گہرا گلا، ننگا سینہ، ننگی کلائیاں اور کھلے چاک برہنگی کی علامت ہوتے ہیں۔ وہ بناؤ سنگھار کر کے یہ سمجھتی ہیں کہ اس میں کوئی برائی نہیں، یہ تو فیشن کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ یہ تو ایک جملہ ہے۔ فیشن کیا ہے؟ یہ ایک بولی ہے جو نفس، شیطان اور دنیا نے سکھا دی ہے۔ یہی دنیا اور شیطان کا مکر ہے کہ خواتین کا دھیان اس طرف نہ جائے کہ وہ برائی کر رہی ہیں حالانکہ بناؤ سنگھار تو صرف شوہر کے لیے تھا جس کو زَوج کہتے ہیں۔

سوال 23: کیا شادی سے پہلے استخارہ کرنا ضروری ہے؟

جواب: شادی سے پہلے استخارہ کرنا بہتر ہے کیونکہ کسی جائز کام کے کرنے یا چھوڑنے کا فیصلہ تائیدِ غیبی سے حاصل کرنے کے لیے نمازِ استخارہ ادا کی جاتی ہے۔ شادی ایک مسنون عمل ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ اس سے پہلے بھی استخارہ کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.[1]

حضور نبی اکرم ﷺ ہمیں تمام معاملات میں استخارہ کی اس طرح تعلیم فرماتے تھے جیسے قرآن حکیم کی سورت کی تعلیم فرماتے تھے۔

اگر ایک دن استخارہ کرنے سے کچھ نظر نہ آئے تو یہ عمل سات دن تک جاری رکھا جائے۔ اِن شاء اللہ! خواب میں نظر آنے والی علامات سے مثبت یا منفی اشارہ ضرور مل جائے گا۔ لیکن یاد رہے صرف استخارہ کی بنیاد پر آنکھیں بند کر کے شادی نہ کی جائے بلکہ پسند و ناپسند اور دیگر معاملات کا ظاہری آنکھوں سے بھی اچھی طرح دیکھ بھال کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

سوال 24: استخارہ کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نمازِ استخارہ کی دو رکعات ہیں: اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورة

---

(۱) بخاری، الصحیح، ابواب التطوع، باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، ۱: ۳۹۱، رقم: ۱۱۰۹

الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے۔ پھر درج ذیل دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ، وَأَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ، وَأَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَإِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ ...... (یہاں اپنی حاجت کا ذکر کرے) ...... خَیْرٌ لِیْ فِيْ دِیْنِي وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ، فَاقْدُرْهُ لِيْ وَیَسِّرْهُ لِيْ، ثُمَّ بَارِکْ لِيْ فِیْهِ، وَإِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ ...... (یہاں اپنی حاجت کا ذکر کرے) ...... شَرٌّ لِّيْ، فِيْ دِیْنِي وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ، فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِيْ بِهٖ.[1]

اے اللہ! بے شک میں (اس کام میں) تجھ سے تیرے علم کی مدد سے خیر مانگتا ہوں اور (حصولِ خیر کے لیے) تجھ سے تیری قدرت کے ذریعے قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں، بے شک تو (ہر چیز پر) قادر ہے اور میں (کسی چیز پر) قادر نہیں، تو (ہر کام کے انجام کو) جانتا ہے اور میں (کچھ) نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں) میرے لیے، میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر اور آسان کر پھر اس میں

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التطوع، باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی، ۱: ۳۹۱، رقم: ۱۱۰۹

میرے لیے برکت پیدا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اس (کام) کو مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے بھلائی عطا کر جہاں (کہیں بھی) ہو پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر دے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر اپنی حاجت بیان کرو۔

سوال 25: جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: جب لڑکا غریب ہو اور لڑکی کے والدین اس کا گھر بسانے کی خاطر اسے ضرورت کی کچھ اشیاء دینا چاہیں تو بطور گفٹ دے سکتے ہیں جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جہیز عطا فرمایا تھا۔ لہٰذا جہیز کو کلیتًا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ آج کل جہیز کی رسم جس حد کو پہنچ چکی ہے اس میں اکثر گھرانے بیٹیوں کو اپنی حیثیت سے زیادہ جہیز دینے کی طاقت نہیں رکھتے اور لاکھوں روپے کا قرض اٹھا کر جہیز کے لوازمات پورے کرتے ہیں اور سود کی لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں یا ہزاروں گھرانوں کی بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی بغیر شادی کے اپنے والدین کے گھروں میں محض اس لیے بیٹھی رہتی ہیں کہ ان کے والدین کے پاس جہیز دینے کے لیے سرمایہ نہیں ہوتا۔ بیشتر گھرانے غریب گھر کی بیٹی کا رشتہ محض اس وجہ سے لینے کو تیار نہیں ہوتے کہ وہ اُن کے حسبِ منشاء جہیز نہیں دے سکتے۔ چنانچہ جہیز کی یہ نہج انتہائی ظالمانہ معاشرتی برائی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ان حالات میں اس مسئلہ کے خاتمہ کے لیے ٹھوس اقدامات اور مؤثر قانون سازی کی ضرورت ہے۔

سوال 26: مال میں کفاءت کے معانی کیا ہیں؟

جواب: مال میں کفاءت کے معانی یہ ہیں کہ مرد کے پاس اتنا مال ہو کہ مہر معجّل اور نفقہ دینے پر قادر ہو۔ اگر کاروبار نہ کرتا ہو تو ایک مہینے کا نفقہ دینے پر قادر ہو ورنہ روز کی مزدوری اتنی ہو کہ عورت کو روزانہ کا ضروری خرچ دے سکے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ مال میں یہ اس کے برابر ہو۔

2

نکاح کے اَحکام

سوال 27: نکاح کا شرعی معنی کیا ہے؟

جواب: نکاح کا شرعی معنی یہ ہے:

هُوَ عَقْدٌ يَرِدُ عَلٰى مِلْكِ الْمُتْعَةِ قَصْدًا. [1]

شرع میں نکاح ایسے عقد کو کہتے ہیں جو قصداً ملکِ متعہ یعنی نفع اٹھانے پر وارد ہوتا ہے۔

امام ابو منصور الازہری نے بھی نکاح کا شرعی معنی بیان کیا ہے جسے علامہ بدر الدین العینی نے بھی نقل کیا ہے:

أَصْلُ النِّكَاحِ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ: الْوَطْءُ، وَقِيْلَ لِلتَّزْوِيْجِ: نِكَاحٌ لِأَنَّهٗ سَبَبُ الْوَطْءِ. [2]

کلامِ عرب میں نکاح کا مطلب 'وطی' یعنی عملِ اِزدواج ہے۔ تزویج یعنی شادی کرنے کو بھی نکاح اِسی لیے کہتے ہیں کہ وہ عملِ اِزدواج کا سبب ہے۔

(۱) ۱۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۳:۸۵
۲۔ الجرجاني، التعریفات، ۱:۳۱۵
۳۔ الفتاوی الهندیة، ۱:۲٦۷

(۲) ۱۔ الأزہری، تہذیب اللغة، ۴:٦۴
۲۔ العیني، عمدة القاري شرح صحیح البخاري، ۲۰:٦۴

گویا اسلام میں نکاح عورت اور مرد میں ایک پختہ شریفانہ عمرانی معاہدہ ہے جس کے ذریعے مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کے مطابق عورت سے تمتع حاصل کرنے کا حق حاصل کر لینا نکاح کہلاتا ہے۔

سوال 28: نکاح کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت اور اس کی آباد کاری کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب انسان کی نسل باقی رہے اور اسی طرح زندگی بسر کرے کہ زراعت، صنعت، تعمیر اور آباد کاری کے کام اس کے ہاتھوں انجام پاتے رہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا جو حق اس پر ہے اس کو ادا کرتا رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری خواہشات اور نفسیاتی محرکات رکھے ہیں۔ ان کا ایک محرک کھانے کی اشیاء ہیں کہ شکم سیری سے آدمی کا وجود باقی رہتا ہے۔ دوسرا محرک جنسی خواہش ہے جس پر نسلِ انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ نسلِ انسانی کی بقاء نکاح پر موقوف ہے اور یہ انسان کی طبعی خواہش بھی ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.[1]

تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں۔

---

(۱) النساء، ۴:۳

حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ کے ذریعہ بھی نکاح کی ترغیب فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا:

يَا مَعْشَر الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ. فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلبَصَرِ، وَاَحصَنُ لِلْفَرْجِ. وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ. (۱)

اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کر لے کیونکہ نکاح سے نظر نہیں بہکتی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کر دیتے ہیں۔

سوال 29: قرآنِ حکیم کی روشنی میں نکاح کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں نکاح کو نسلِ انسانی کی بقاء، ترقی اور معاشرتی زندگی کے استحکام کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مرد و عورت کے اس فطرتی، قانونی اور جائز ملاپ سے دنیا میں انسانوں کی نسل کا آغاز ہوا۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً. (۲)

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تافت نفسه إليه، ۲:۱۰۱۹، رقم:۱۴۰۰

(۲) النساء، ۴:۱

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔

قرآن حکیم میں مرد کے لیے بیوی کا ہونا اور بیوی کے لیے شوہر کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةًؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ٥[1]

اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بے شک اس (نظامِ تخلیق) میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں٥

گویا نکاح کا عمل 'قانونِ فطرت' کے عین مطابق اور فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم میں نکاح کا مقصد معاشرے اور افراد معاشرہ میں تسکینِ جذبات کے ساتھ ساتھ ذہنی اور فکری پاکیزگی پیدا کرنا ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗۡ وَهُوَ فِي

---

(۱) الروم، ۳۵:۲۱

الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَo[1]

اور (اسی طرح) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مَہر ادا کر دو، (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قید نکاح میں لانے والے (عفت شعار) بنو نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو شخص (احکامِ الٰہی پر) ایمان (لانے) سے انکار کرے تو اس کا سارا عمل برباد ہوگیا اور وہ آخرت میں (بھی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگاo

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.[2]

تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں۔

سوال ۳۰: احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں نکاح کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: احادیث مبارکہ میں نکاح کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ نکاح سے انسان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن

---

(۱) المائدة، ۵:۵

(۲) النساء، ۳:۴

مسعود ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ. فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ. (۱)

اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کر لے کیونکہ نکاح سے نظر نہیں بہکتی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے، اور جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کر دیتے ہیں۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے نکاح کو نصف دین قرار دیا ہے۔ حضرت انس ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الإِيْمَانِ، فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي. (۲)

جس نے شادی کر لی تو اس نے اپنا نصف ایمان بچا لیا۔ تو اب بقیہ نصف (ایمان بچانے) کے لیے اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه، ۲: ۱۰۱۹، رقم: ۱۴۰۰

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۳۳۲، رقم: ۷۶۴۷
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۳۳۵، رقم: ۸۷۹۴
۳۔ صيداوی، معجم الشيوخ: ۲۲۲

۳۔ نکاح کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ نے اسے اپنانے کی ترغیب فرمائی ہے۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.[1]

نکاح میری سنت ہے، سو جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے نکاح کی فضیلت بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ نکاح کرنا نہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل ہے بلکہ تکمیلِ دین اور حفاظتِ ایمان کا ذریعہ بھی ہے۔

سوال 31: شرائطِ نکاح کیا ہیں؟

جواب: نکاح کی تین شرائط ہیں:

۱۔ عاقل ہونا

نکاح کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے۔ مجنون یا نا سمجھ بچہ نے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ عاقل ہونا شرط ہے۔

۲۔ بالغ ہونا

بالغ ہونا نفاذِ نکاح کے لیے شرط ہے، اِنعقادِ نکاح کے لیے نہیں کیونکہ

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، ۲:۴۱۵، رقم:۱۸۴۶

نابالغی میں باپ دادا کی طرف سے کیا ہوا نکاح بالغ ہونے پرلڑکے یا لڑکی کے انکار سے ختم ہوجاتا ہے۔

۳۔ گواہوں کا موجود ہونا

یعنی ایجاب وقبول دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہو۔ گواہ آزاد، عاقل اور بالغ ہوں اور سب نے ایک ساتھ نکاح کے الفاظ سنے ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلبَغَایَا اللَّاتِی یُنْکِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ. (۱)

''گواہوں کے بغیر نکاح کرنے والی عورتیں بدکار ہیں۔''

بچوں اور پاگلوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔ گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ مسلمان مرد و عورت کا نکاح غیر مسلم کی شہادت سے نہیں ہوسکتا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل و امرأتين. (۲)

دو مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو آزاد، عاقل بالغ مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ موجود ہوں۔

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، أبواب النکاح، باب ما جاء لا نکاح إلا ببینة، ۳: ۴۱۱، الرقم: ۱۱۰۳

۲۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۳: ۴۵۸، الرقم: ۱۵۹۶۷

(۲) مرغینانی، الهدایة ۱: ۱۹۰

سوال 32: ارکانِ نکاح کتنے ہیں؟

جواب: اَرکانِ نکاح دو ہیں جن کے بغیر نکاح نہیں ہوتا:

النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول. (1)

نکاح ایجاب وقبول سے ہو جاتا ہے۔

۱۔ ایجاب: یہ وہ کلام ہے جو پہلے بولا جاتا ہے۔ چاہے وہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے۔

۲۔ قبول: پہلے (ایجاب) کے جواب کو قبول کہتے ہیں۔

سوال 33: ان مرد و خواتین کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے جو شادی نہیں کرتے؟

جواب: اسلام انسان کو معاشرے کے اندر رہ کر ایک معتدل زندگی بسر کرنے اور مرد و عورت کے باہمی تعلق سے ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کی اہلیت اور استطاعت رکھنے کے باوجود نکاح سے عدم رغبت رکھنے والا مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رحمت و قرب سے دور ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ استطاعت اور نکاح کی اہلیت رکھنے والے افراد کا نکاح نہ کرنے کا عمل ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چند صحابہ آپ ﷺ

(۱) ۱۔ مرغيناني، الهداية، ۱:۱۸۹

۲۔ ابن نجيم، البحر الرائق، ۳: ۸۷

کی ازواجِ مطہرات کے پاس گئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی خلوت کے اعمال دریافت کیے۔ پھر ایک نے کہا کہ میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا اور ایک نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور تیسرے نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا:

وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.[۱]

سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور یقیناً میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں؛ اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ کے دو مطلب ہیں کہ جس شخص نے سستی یا کوتاہی کی بناء پر میری سنت کو ترک کیا وہ میرے طریقہ محمودہ پر نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے میری سنت کو حقیر اور برا جان کر ترک کیا وہ میرے طریقہ یعنی دینِ اسلام پر نہیں ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ۵: ۱۹۴۹، رقم: ۴۷۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن استطاع، ۲: ۱۰۲۰، رقم: ۱۴۰۱

لہٰذا معلوم ہوا کہ دینِ اسلام عبادات کی اجتماعی ادائیگی کو معاشرے میں اہمیت دیتا ہے اور حجرہ نشینی، گوشہ نشینی یا تزکیہ نفس کے نام پر معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کرنے یا عورت سے علیحدگی اختیار کرنے جیسے تمام نظریات کی مخالفت کرتا ہے اور بلا وجہ شادی نہ کرنے والے لوگوں کو ناپسندیدہ گردانتا ہے۔

سوال 34: نکاح سے پہلے کون سے امور بجا لانا مستحب ہیں؟

جواب: نکاح سے پہلے درج ذیل امور بجا لانا مستحب ہیں:

ا۔ عقد نکاح سے پہلے لڑکی لڑکے کا ایک دوسرے کو دیکھنا۔ بشرطیکہ شادی کا ارادہ ہو، جائز ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے شادی کا ارادہ کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا، فَفَعَلَ فَتَزَوَّجَهَا فَذَكَرَ مِنْ مُوَافَقَتِهَا.[1]

جاؤ اسے دیکھ لو، کیونکہ اس سے شاید اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں محبت پیدا فرما دے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا۔ بعد میں انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بیوی کی موافقت اور عمدہ تعلق کا ذکر کیا۔

۲۔ عورت عمر میں مرد سے کچھ کم ہو۔

۳۔ مرد کا بیوی کی نسبت رتبہ، عزت اور وقار میں برتر ہونا۔

(ا) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب النظر إلى المرأة إذا أراد أن يتزوجها، ٢:٤٢٦، رقم:١٨٦٥

۴۔ عورت بااخلاق، باادب اور پرہیزگار ہو۔

۵۔ ایسی عورت کا انتخاب کرے جس کے مہر اور نان نفقہ کی ادائیگی بسہولت ممکن ہو۔

۶۔ نوعمر لڑکی کی شادی عمر رسیدہ شخص سے نہ کی جائے۔

۷۔ عورت ایسے شخص کو شادی کے لیے پسند کرے جو دین پر قائم ہو۔

سوال 35: نکاح کرنا کیوں ضروری ہے؟

جواب: نکاح سنتِ انبیاء ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حالت توقان میں نکاح فرض ہے یعنی جب انسان پر شہوت کا شدید غلبہ ہو، وہ مہر ادا کرنے پر اور بیوی کا خرچ اٹھانے پر قادر ہو لیکن پھر بھی نکاح نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے نکاح کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اسے اپنی سنت قرار دیا اور اس کے تارک کو وعید سنائی جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. وَتَزَوَّجُوا فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ، وَمَنْ كَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْيَنْكِحْ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَعَلَيْهِ بِالصِّيَامِ، فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ.(1)

نکاح کرنا میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ سو نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر دیگر

(۱) ابن ماجه، السنن، الكتاب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، ۲:۴۱۵، رقم:۱۸۴۶

امتوں پر فخر کروں گا۔ جو طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھا کرے کیونکہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے۔

سوال 36: نکاح کے سماجی ونفسیاتی فوائد کیا ہیں؟

جواب: نکاح کے سماجی ونفسیاتی فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ نکاح گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بالتفصیل ذکر کرچکے ہیں۔

۲۔ نکاح کے ذریعے اولاد اور نسب کا تحفظ ہوتا ہے اور نسلِ انسانی کی بقاء کا سبب بنتا ہے۔

۳۔ محبت ومودّت کا جذبہ تقویت پاتا ہے۔

۴۔ صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

۵۔ معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

۶۔ سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ نکاح سے تنگ دستی کا خاتمہ ہوتا ہے اور خوش حالی آتی ہے۔

سوال 37: تحریری نکاح نامہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اگرچہ تحریری نکاح نامہ یا نکاح کی رجسٹری اثباتِ نکاح کے لیے لازم نہیں مگر اِس جدید منظّم دنیا میں بے شمار معاشرتی وسماجی مسائل سے بچنے کے لیے نکاح کا اندراج اور اس کے کاغذات کا پاس ہونا تقریباً ناگزیر ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ

فقہاء احناف کے ہاں کتابتِ نکاح مستحب ہے۔

لیکن نکاح کا حسبِ ضابطہ رجسٹرڈ ہونا یا نہ ہونا جوازِ نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اگر کسی کا نکاح رجسٹرڈ نہ ہوا ہو مگر نکاح کے مطلوبہ ارکان پورے کیے گئے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ تحریری نکاح کی حیثیت محض قانونی تقاضا ہے۔

پاکستان میں آرڈی نینس نمبر 8 بابت 1961ء کی دفعہ 5 کے تحت نکاح کو رجسٹر کرانا لازمی قرار دیا گیا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں تین ماہ قید سادہ یا ایک ہزار روپے تک جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔

سوال 38: نکاح کب فرض ہوتا ہے؟

جواب: اگر مرد نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو، جسمانی طور پر تن درست ہو، نفس کی شدید خواہش بھی ہو اور شادی نہ کرنے کی صورت میں بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا فرض ہوجاتا ہے۔

سوال 39: نکاح کب واجب ہوتا ہے؟

جواب: نکاح کرنا ایسے شخص پر واجب ہو جاتا ہے جو شدید نفسانی خواہش میں مبتلا ہو اور مہر و نان و نفقہ کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ جیسا کہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وَعِنْدَ التَّوُقَانِ وَاجِبٌ.[1]

جب جنسی خواہش جوش میں ہو (اس وقت نکاح) واجب ہے۔

(۱) ابن نجیم، البحر الرائق، ۳:۸۵

سوال 40: نکاح کب سنتِ موکدہ ہوتا ہے؟

جواب: نکاح اس صورت میں سنتِ موکدہ ہوتا ہے جب کوئی شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو لیکن یہ خواہش معتدل ہو یعنی اتنی شدید نہ ہو کہ نکاح نہ ہونے کی صورت میں وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے گا۔

سوال 41: نکاح کب مستحب ہوتا ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص نکاح کا خواہش مند تو ہو لیکن یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ گناہ میں ملوث ہوجائے گا تو نکاح کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ وہ بوجھ برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

سوال 42: نکاح کب مکروہ ہوتا ہے؟

جواب: مرد یا عورت اگر جسمانی طور پر شادی کے قابل نہیں تو اس کے لیے شادی کرنا حرام ہے کیونکہ دوسرا فریق خواہش پوری نہ ہونے پر گناہ میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ اگر دونوں جسمانی طور پر شادی کے قابل نہ ہوں تو پھر کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اگر مرد حق مہر اور نان و نفقہ کا متحمل نہیں اور اسے یقین ہے کہ نکاح کے بعد لوگوں پر جبر وظلم کر کے حرام کی کمائی کرنا ہوگی تو اس صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

سوال 43: نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے لیے الفاظ صریح اور واضح ہوں اور ان کی معنویت مبہم نہ ہو۔ ایجاب و قبول کا زوجین کے

درمیان گواہان کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے جو نکاح کی پاکیزگی کو قائم کرتا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے مرد کو واضح الفاظ میں کہنا چاہیے کہ اُس نے فلاں بنت فلاں کو اتنے حق مہر کے عوض اپنے عقد میں لیا اور جواب میں عورت بھی واضح الفاظ میں اقرار کرے۔ اسی طرح عورت کسی مرد سے کہے کہ اس نے اپنے نفس کو اس کے حوالے کیا اور مرد نے قبول کر لیا تو نکاح ہوگیا۔ یعنی ایجاب و قبول کے الفاظ اپنی معنویت کے اعتبار سے واضح ہونے چاہییں اور ان سے عقدِ نکاح کے معنی ثابت ہونے چاہئیں۔

سوال 44: کیا نکاح کے معاملے میں عورت کی اجازت ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! نکاح کے معاملے میں عورت کی اجازت ضروری ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (1)

بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے نفس کی حق دار ہے اور کنواری لڑکی (بالغہ) سے اس کے نفس کے بارے اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی

(1) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب في النکاح، ۲:۱۰۳۷، رقم:۱۴۲۱

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب النکاح، باب في الثیب، ۲:۲۳۲، رقم:۲۰۹۸

۳۔ ترمذی، السنن، أبواب النکاح، باب ما جاء فی استیمار البکر والثیب، ۳:۴۱۶، رقم:۱۱۰۸

(بھی) اس کی اجازت ہے۔

یہ حدیث مبارکہ واضح کرتی ہے کہ ثیبہ (بیوہ/مطلقہ) کو نکاح کے معاملے میں اختیار ہے اور وہ ولی کی رضامندی کی پابند نہیں ہے اور باکرہ یعنی کنواری تو زیادہ شرمیلی ہوتی ہے، لہٰذا اس کی خاموشی کو ہی اس کی اجازت پر محمول کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ولی کو کنواری لڑکی کی رضا کے بغیر اس پر بھی اپنی مرضی مسلط کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے:

إِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْوَلِيَّ لَا يُزَوِّجُهَا إِلَّا بِرِضَاهَا وَأَمْرِهَا.[1]

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِرشاد 'اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا' کے معنی اکثر اہلِ علم کے مطابق یہ ہیں کہ ولی اس بیوہ عورت کی رضا اور اِجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں کرے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ، وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ وَصَمْتُهَا إِقْرَارُهَا.[2]

(۱) ترمذی، السنن، أبواب النکاح، باب ما جاء فی استیمار البکر والثیب، ۳:۴۱۶، رقم:۱۱۰۸

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب النکاح، باب في الثیب، ۲:۲۳۳، رقم:۲۱۰۰
۲۔ نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب استئذان البکر في نفسها، ۶:۸۵، رقم:۳۲۶۳
۳۔ دارقطني، السنن، کتاب النکاح، ۳:۲۳۹، رقم:۶۶-۶۷

بیوہ کے بارے میں ولی کو کوئی اختیار نہیں ہے اور یتیم لڑکی سے (اُس کی رضا مندی کی نسبت) پوچھا جائے گا اور اس کی خاموشی (ہی) اس کا اقرار ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تُسْتَأْمَرُ الْيَتِيمَةُ فِي نَفْسِهَا، فَإِنْ سَكَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا، وَإِنْ أَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا.(1)

یتیم لڑکی سے اُس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے (یعنی اُس سے نکاح کے لیے اجازت اور اس کی رضا لی جائے)۔ اگر وہ خاموش رہے تو وہی اس کی اجازت ہے اور اگر اُس نے انکار کیا تو اس پر زبردستی نہیں کی جا سکتی۔

مذکورہ بالا ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی رضا مندی کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۔ أحمد، المسند، ۲:۲۵۹، رقم:۷۵۱۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب النکاح، باب في الاستئمار، ۲:۲۳۱، رقم:۲۰۹۳

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ما جاء في إکراه الیتیمة علی التزویج، ۳:۴۱۷، رقم:۱۱۰۹

۴۔ نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب البکر یزوجها أبوها وهي کارهة، ۶:۸۷، رقم:۳۲۷۰

سوال 45: وقتِ نکاح عورت سے اجازت کس طرح لی جائے؟

جواب: وقتِ نکاح عورت اگر کنواری، جوان اور بالغ ہو تو نکاح سے پہلے ولی اس سے اجازت اس طرح لے کہ اسے مرد کا نام اور اس کے باپ اور دادا کا نام بتا دے تا کہ لڑکی جان لے کہ فلاں شخص کے ساتھ اس کا نکاح ہو رہا ہے اور اگر لڑکی اس پر خاموش رہے تو اس کی خاموشی اجازت سمجھی جائے گی یا اگر لڑکی کے منہ پر نقاب پڑا ہے تو اشارہ کافی ہے اور ایسی لڑکی جس کا نکاح ایک بار ہو چکا ہو تو اب شوہر کی موت یا طلاق کی صورت میں عدت گزارنے کے بعد وہ دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کا ولی جب لڑکے کی صفات و حالات بیان کرے تو اجازت کے لیے اس کا صرف خاموش رہنا اجازت نہ ہوگا بلکہ اُسے زبان سے واضح الفاظ میں اقرار یا انکار ضروری ہوگا۔

سوال 46: کیا عورت سے نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے؟

جواب: اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو تو وہ دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا وکیل مقرر کرتی ہے جو مجلسِ نکاح میں جا کر اُس کی طرف سے اِیجاب و قبول کرتا ہے۔ اگر لڑکی مجلسِ نکاح میں موجود ہو تو وکیل اور وکیل مقرر کرنے کے دو گواہوں کے بغیر ہی نکاح کی مجلس میں صرف دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لٰہذا وقتِ نکاح عورت سے نکاح کی اِجازت کے لیے گواہ ضروری ہے۔

سوال 47: کیا عورت کے انکار کرنے کی صورت میں گواہ کی ضرورت ہو گی؟

جواب: جی ہاں! عورت کے انکار کی صورت میں گواہ کی ضرورت ہو گی کیونکہ اس نے اِذنِ نکاح نہیں دیا تھا تو اب گواہوں سے اس کا اِذن لینا ثابت کیا جائے گا۔

سوال 48: ولی کسے کہتے ہیں؟

جواب: نکاح کا ولی وہ ہے جس کی موجودگی پر نکاح کے صحیح ہونے کا انحصار ہو۔ ولی باپ یا دادا ہوسکتا ہے۔

سوال 49: کس نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے؟

جواب: نابالغ کے نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے جبکہ بالغ کے لیے نہیں۔

سوال 50: کیا شرعاً نکاح کے لیے ولی بنانا ضروری ہے؟

جواب: شرعاً نابالغ بچے بچی کے لیے ولی بنانا ضروری ہے جبکہ بالغ لڑکا لڑکی خود مختار ہوتے ہیں، وہ اپنا نکاح اپنی پسند اور مرضی سے کر سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.[۱]

ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں۔

اِس آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بالغ اولاد کو اَپنے والدین سے

(۱) النساء، ۴:۳

مشاورت یا اِجازت طلب نہیں کرنی چاہیے بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر بالغ اولاد اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتے ہیں جبکہ والدین اُن کی پسند کے برعکس اپنی مرضی مسلط کرنا چاہیں تو اب یہ لڑکا یا لڑکی اَپنی پسند یا مرضی کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ. (١)

بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی (بالغہ) کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، يُسْتَأْمَرُ النِّسَاءُ فِي أَبْضَاعِهِنَّ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَإِنَّ الْبِكْرَ تُسْتَأْمَرُ فَتَسْتَحْيِي فَتَسْكُتُ؟ قَالَ: سُكَاتُهَا إِذْنُهَا. (٢)

میں عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ! کیا عورتوں سے اُن کے نکاح کے متعلق اجازت لی جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا: کیا

(١) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب لا ینکح الأب وغیرہ البکر والثیب إلا برضاہا، ٥:١٩٧٤، رقم:٤٨٤٣

٢۔ مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب في النکاح بالنطق والبکر بالسکوت، ٢:١٠٣٦، رقم:١٤١٩

(٢) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإکراہ، بَاب لا یجوز نکاح المکرہ، ٦:٢٥٤٧، رقم:٦٥٤٧

٢۔ نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب إذن البکر، ٦:٨٦، رقم:٣٢٦٦

٣۔ ابن حبان، الصحیح، ٩:٣٩٣، رقم:٤٠٨١

کنواری لڑکی سے بھی اجازت لی جائے گی جبکہ وہ شرماتی اور خاموش رہتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! کنواری لڑکی تو (نکاح کی) اجازت دینے سے شرماتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

رِضَاهَا صَمْتُهَا.(۱)

اس کا خاموش ہو جانا ہی اس کی رضا مندی ہے۔

امام سرخسی 'المبسوط' کے 'باب النکاح بغیر ولي' میں لکھتے ہیں:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ؓ: أَنَّ امْرَأَةً زَوَّجَتْ ابْنَتَهَا بِرِضَاهَا فَجَاءَ أَوْلِيَاؤُهَا فَخَاصَمُوْهَا إِلٰى عَلِيٍّ ؓ فَأَجَازَ النِّكَاحَ. وَفِي هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا أَوْ أَمَرتْ غَيْرَ الْوَلِيِّ أَنْ يُزَوِّجَهَا فَزَوَّجَهَا جَازَ النِّكَاحُ. وَبِهٖ أَخَذَ أَبُو حَنِيْفَةَ سَوَاءٌ كَانَتْ بِكْرًا أَوْ ثَيِّبًا إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا جَازَ النِّكَاحُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، سَوَاءٌ كَانَ الزَّوْجُ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، بَاب لَا يُنْكِحُ الْأَبُ وَغَيْرُهُ الْبِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهَا، ۵:۱۹۷۴، رقم:۴۸۴۴

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب النکاح، باب في الإستئمار، ۲:۲۳۱، رقم:۲۰۹۴

۳۔ نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب إذن البکر، ۶:۸۶، رقم:۳۲۶۷

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب إستئمار البکر والثیب، ۱:۶۰۱، رقم:۱۸۷۰

كُفُؤًا لَهَا أَوْ غَيْرَ كُفْءٍ فَالنِّكَاحُ صَحِيْحٌ إِلَّا أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ كُفُؤًا لَهَا فَلِلْأَوْلِيَاءِ حَقُّ الاِعْتِرَاضِ. وَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ ﷺ: إِنْ كَانَ الزَّوْجُ كُفُؤًا لَهَا جَازَ النِّكَاحُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كُفُؤًا لَهَا لَا يَجُوْزُ.

وَكَانَ أَبُو يُوسُفَ أَوَّلًا يَقُوْلُ: لَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُهَا مِنْ كُفْءٍ أَوْ غَيْرِ كُفْءٍ إِذَا كَانَ لَهَا وَلِيٌّ، ثُمَّ رَجَعَ وَقَالَ: إِنْ كَانَ الزَّوْجُ كُفُؤًا جَازَ النِّكَاحُ، وَإِلَّا فَلَا، ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: اَلنِّكَاحُ صَحِيْحٌ سَوَاءٌ كَانَ الزَّوْجُ كُفُؤًا لَهَا أَوْ غَيْرَ كُفْءٍ لَهَا. وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ: إِنَّ الزَّوْجَ إِنْ كَانَ كُفُؤًا أَمَرَ الْقَاضِي الْوَلِيَّ بِإِجَازَةِ الْعَقْدِ فَإِنْ أَجَازَهُ جَازَ، وَإِنْ أَبَى أَنْ يُجِيْزَهُ لَمْ يَنْفَسِخْ، وَلٰكِنَّ الْقَاضِيَ يُجِيْزُهُ فَيَجُوْزُ.(۱)

حضرت علی بن ابی طالب ﷺ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی سے کردیا تو اُس کے ولیوں کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت علی ﷺ کی خدمت میں اعتراض پیش کیا لیکن آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔ یہ فیصلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جب کوئی عورت اپنا نکاح خود کرلے یا ولی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حکم دے کہ وہ اس کا نکاح کر دے اور وہ شخص یعنی وکیل اس عورت کا نکاح کردے تو ایسا نکاح جائز ہوگا۔ اور اسی دلیل سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ جب اپنا نکاح خود کر

(۱) سرخسي، کتاب المبسوط، ۵:۱۰

لے تو ایسا نکاح ظاہری روایت کے باعث جائز ہوگا خواہ شوہر اُس عورت کا کفو ہو یا غیر کفو، نکاح صحیح ہوجائے گا مگر یہ کہ اگر شوہر اس عورت کا کفو نہ ہوتو اولیاء کو اس نکاح پر حقِ اعتراض حاصل ہوگا (اور وہ اس نکاح کو بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتے ہیں)۔ اور حسن کی روایت میں ہے کہ اگر شوہر بیوی کا کفو ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر وہ اس کا کفو نہیں تو نکاح جائز نہیں۔

امام ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق اگر کسی عورت نے جس کا ولی موجود تھا خود اپنا نکاح کرلیا، خواہ کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، تو ایسا نکاح ناجائز ہوگا۔ پھر آپ نے اس قول سے رجوع کرلیا اور کہا کہ اگر شوہر کفو ہے تو نکاح جائز ہوگا ورنہ نہیں، پھر امام ابو یوسف نے اپنے اس (دوسرے) قول سے بھی رجوع کرلیا اور کہا کہ نکاح صحیح ہوگا خواہ کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے۔ امام طحاوی امام ابو یوسف کا قول نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: اگر شوہر کفو ہو تو جج ولی کو اِجازتِ نکاح دینے کا حکم دے گا، پس اگر وہ اجازت دے دے تو نکاح ہوگا اور اگر ولی اجازت دینے سے انکار کردے تو نکاح پھر بھی فسخ نہیں ہوگا اور جج (اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے) اُس نکاح کی اجازت دے گا اور وہ جائز ہوگا۔

امام کاسانی لکھتے ہیں:

اَلْوِلَايَةُ عَلَى الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرَ وَقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلِ. وَفِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَأَبِي

يُوسُفَ الْآخَرِ الْوِلَايَةُ عَلَيْهَا وِلَايَةٌ مُشْتَرَكَةٌ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هِيَ وِلَايَةٌ مُشْتَرَكَةٌ أَيْضًا لَا فِي الْعِبَارَةِ فَإِنَّهَا لِلْمَوْلٰى خَاصَّةً، وَشَرْطُ ثُبُوتِ هٰذِهِ الْوِلَايَةِ عَلٰى أَصْلِ أَصْحَابِنَا هُوَ رِضَا الْمُوَلّٰى عَلَيْهِ لَا غَيْرُ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هٰذَا وَعِبَارَةُ الْوَلِيِّ أَيْضًا. وَعَلٰى هٰذَا يُبْنٰى الْحُرَّةُ الْبَالِغَةُ الْعَاقِلَةُ إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ رَجُلٍ أَوْ وَكَّلَتْ رَجُلًا بِالتَّزْوِيجِ فَتَزَوَّجَهَا أَوْ زَوَّجَهَا فُضُولِيٌّ فَأَجَازَتْ جَازَ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرَ وَأَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلِ سَوَاءً زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ كُفْءٍ أَوْ غَيْرِ كُفْءٍ بِمَهْرٍ وَافِرٍ أَوْ قَاصِرٍ.

رَوَى الْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رِوَايَةً أُخْرٰى أَنَّهَا إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ كُفْءٍ يَنْفُذُ وَتَثْبُتُ سَائِرُ الْأَحْكَامِ. وَرُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِلْمَرْأَةِ وَلِيٌّ لَا يَجُوزُ نِكَاحُهَا إِلَّا بِإِذْنِهٖ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ جَازَ إِنْكَاحُهَا عَلٰى نَفْسِهَا. وَرُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ رَجَعَ إِلٰى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ. قَالَ مُحَمَّدٌ: يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِعِبَارَتِهَا وَيَنْفُذُ بِإِذْنِ الْوَلِيِّ وَإِجَازَتِهٖ، وَيَنْعَقِدُ بِعِبَارَةِ الْوَلِيِّ وَيَنْفُذُ بِإِذْنِهَا وَإِجَازَتِهَا. رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهَا إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ كُفْءٍ يَنْفُذُ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْأَوْلِيَاءِ فِي النِّكَاحِ مِنْ حَيْثُ صِيَانَتِهِمْ عَمَّا يُوجِبُ لُحُوقَ الْعَارِ وَالشَّيْنِ بِهِمْ بِنِسْبَةِ مَنْ لَا يُكَافِئُهُمْ بِالصِّهْرِيَّةِ إِلَيْهِمْ، وَقَدْ بَطَلَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِالتَّزْوِيجِ مِنْ كُفْءٍ، يُحَقِّقُهُ أَنَّهَا لَوْ وَجَدَتْ كُفْئًا وَطَلَبَتْ مِنَ الْمَوْلَى الْإِنْكَاحَ مِنْهُ لَا يَحِلُّ لَهُ الِامْتِنَاعُ وَلَوْ امْتَنَعَ يَصِيرُ عَاضِلًا

فَصَارَ عَقْدُهَا وَالْحَالَةُ هٰذِهٖ بِمَنْزِلَةِ عَقْدِهٖ بِنَفْسِهٖ.

رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ مِنَ الْفَرْقِ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ لَهَا وَلِيٌّ وَبَيْنَ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ أَنَّ وُقُوفَ الْعَقْدِ عَلٰى إِذْنِ الْوَلِيِّ كَانَ لِحَقِّ الْوَلِيِّ لَا لِحَقِّهَا فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ فَلَا حَقَّ لِلْوَلِيِّ، فَكَانَ الْحَقُّ لَهَا خَاصَّةً، فَإِذَا عَقَدَتْ فَقَدْ تَصَرَّفَتْ فِي خَالِصِ حَقِّهَا فَنَفَذَ وَأَمَّا إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ كُفْءٍ وَبَلَغَ الْوَلِيَّ فَامْتَنَعَ مِنَ الْإِجَازَةِ فَرَفَعَتْ أَمْرَهَا إِلَى الْحَاكِمِ فَإِنَّهٗ يُجِيزُهٗ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ. وَجْهُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهٗ بِالْاِمْتِنَاعِ صَارَ عَاضِلًا إِذْ لَا يَحِلُّ لَهُ الْاِمْتِنَاعُ مِنَ الْإِجَازَةِ إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ كُفْءٍ، فَإِذَا امْتَنَعَ فَقَدْ عَضَلَهَا فَخَرَجَ مِنْ أَنْ يَكُونَ وَلِيًّا وَانْقَلَبَتِ الْوِلَايَةُ إِلَى الْحَاكِمِ.[1]

امام ابو حنیفہ، اِمام زفر اور اِمام ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق بالغہ و عاقلہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی موجودگی مستحب ہے خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ اور امام محمد اور ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق بالغہ و عاقلہ پر ولایت مشترک ہے (یعنی خود بالغہ عاقلہ کو بھی اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور اس کے ولی کو بھی)، اور امام کے نزدیک بھی یہ ولایت مشترکہ ہے کہ الفاظِ نکاح تو صرف ولی کے ہو سکتے ہیں (یعنی ایجاب و قبول صرف ولی کرسکتا ہے باقی عملی رضامندی تو عورت کی ہوگی)۔ اور ہمارے اصحاب کے اصول کے مطابق اس ولایت کے ثبوت کی شرط صرف

(۱) کاساني، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۲:۲۴۷-۲۴۹

مُوَلّٰی علیہ ہی کی رضا مندی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بھی ہے اور ولی کی اِجازت بھی۔ چنانچہ ایک آزاد، بالغہ، عاقلہ عورت اگر اپنا نکاح کسی مرد سے خود کرلے یا اپنے نکاح کے لیے کسی شخص کو وکیل مقرر کرے اور وہ شخص اس عورت کا نکاح کردے یا غیر مجاز شخص اُس عورت کا نکاح کر دے تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق وہ نکاح اس عورت کی اجازت سے جائز ہوجائے گا۔ یہی قول امام زفر کا ہے اور امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے کہ خواہ اس عورت نے اپنا نکاح کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے زیادہ مہر پر کیا ہو یا کم مہر پر، نکاح ہوجائے گا۔

حسن بن زیاد نے ابو یوسف سے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ اگر لڑکی نے کفو سے نکاح کیا ہوتو وہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا اور تمام احکام شرعی اس نکاح پر ثابت ہوں گے۔ اور امام محمد سے روایت کیا گیا ہے کہ جب عورت کا کوئی ولی ہوتو اس کا نکاح اس ولی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس کا کوئی بھی ولی نہ ہوتو وہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے۔ اور یہ بھی امام محمد کے بارے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ امام محمد کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے اور ولی کے اذن و اجازت سے نافذ ہوتا ہے اسی طرح ولی کے الفاظ سے منعقد اور عورت کے اذن و اجازت سے نافذ ہوسکتا ہے۔ امام ابو یوسف کے مطابق جب عورت نے اپنا نکاح کفو سے کرلیا تو وہ نافذ ہوجاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے

نکاح میں ولی کا حق صیانت (حفاظت ونگہبانی) کی غرض سے ہے۔ چونکہ عورت کے غیر کفو سے نکاح کرنے سے اس کے اولیاء کو عار لاحق ہوگا، اس لیے اگر عورت اپنا نکاح کفو سے کرلے تو اولیاء کا حق ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی عورت ایک کفو کو منتخب یا پسند کرلے اور ولی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کا نکاح اس کفو سے کردے تو ولی کے لیے یہ امر جائز نہیں ہے کہ اس کو منع کرے۔ اور اگر وہ منع کرے گا تو وہ عاضل (رُکاوٹ ڈالنے والا) قرار پائے گا۔ چنانچہ اگر عورت نے خود اپنا نکاح کفو سے کرلیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ولی نے خود اس عورت کا نکاح کردیا ہو۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا ولی ہے تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ امام محمد کے نزدیک یہ حق ولی کا ہے لیکن جب اس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو یہ حق خود اس کا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اگر اس نے ولی نہ ہونے کی صورت میں اپنا نکاح کرلیا تو گویا اس نے اپنے ہی حق میں تصرف کیا اور وہ نکاح نافذ ہوگا۔ اگر اس نے اپنا نکاح کفو سے کیا اور یہ خبر جب ولی کو پہنچی تو اس نے اجازت دینے سے انکار کردیا اور وہ اپنے مقدمے کو حاکم کے پاس لے گئی تو ابو یوسف کے قول کے مطابق حاکم اس نکاح کو جائز قرار دے گا۔ ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ولی نکاح کی اجازت دینے سے منحرف ہوگیا ہے اور عاضل (رکاوٹ ڈالنے والا) بن گیا ہے۔ جب کہ اس کو حق نہیں ہے کہ وہ کفو سے نکاح

کی اجازت دینے سے انکار کرے، چونکہ وہ نکاح کی اجازت دینے سے منحرف ہوگیا اس لیے ولایت سے خارج ہوگیا اور ولایت حاکم کی جانب منتقل ہوگئی اس لیے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں۔

الدر المختار میں ہے:

فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضی ولی.[1]

آزاد مکلّف عورت کا نکاح ولی کی رضا مندی کے بغیر بھی جائز ہے۔

فقہاے احناف فرماتے ہیں:

ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم یعقد علیها ولی؛ بکرا کانت أو ثیبًا.

آزاد، عقل مند اور بالغ عورت کا نکاح اس کی رضا سے ہو جاتا ہے خواہ اس کا ولی نہ کرے؛ چاہے کنواری ہو یا بیوہ/ مطلقہ۔[2]

اِن تفصیلات سے یہ امر متحقق ہوگیا کہ شریعت کی رو سے نابالغ لڑکی کے لیے ولی بنانا شرط ہے جبکہ بالغ نکاح کے معاملہ میں ولی کی نسبت خود مختار ہے لیکن نابالغ لڑکی بالغ ہونے پر اس نکاح کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ تاہم بالغ اولاد کو چاہیے کہ والدین جو محنت و مشقت اور محبت سے اس کی پرورش کر کے اور ترقی کی منازل طے کراتے ہیں، شادی کے معاملے میں ان کی رضا مندی اور مشورے کو

---

(۱) حصکفی، الدر المختار، ۱:۱۹۱

(۲) ابن الهمام، فتح القدیر، ۳:۱۵۷

پوری اہمیت دے کیونکہ ان کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا اور ان سے رہنمائی لینا ہی سعادت مندی اور خوش بختی ہے۔ لیکن والدین کو بھی بلا وجہ اپنا فیصلہ اولاد پر مسلط نہیں کرنا چاہیے اور اولاد کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے۔

سوال 51: کیا مرد و عورت دونوں نکاح کے لیے ولی ہو سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! مرد و عورت دونوں نکاح کے لیے ولی ہو سکتے ہیں۔ عورت اس صورت میں ولی ہوسکتی ہے جبکہ کوئی مرد ولی موجود نہ ہو یا عورت کے ولی ہونے کی وصیت کی گئی ہو۔ حضرت عبید اللہ بن عمر حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: وَلّٰى عُمَرُ ابْنَتَهٗ حَفْصَةَ مَالَهٗ وَبَنَاتِهِ نِكَاحَهُنَّ، فَكَانَتْ حَفْصَةُ إِذَا أَرَادَتْ أَنْ تُزَوِّجَ امْرَأَةً، أَمَرَتْ أَخَاهَا عَبْدَ اللهِ فَزَوَّجَ.(1)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مال اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کا ولی بنا دیا۔ جب کبھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس اختیار کو استعمال کرنا ہوتا تو وہ اپنے بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو کہتیں اور وہ نکاح سر انجام دیتے تھے۔

سوال 52: کس لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا؟

جواب: بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ٦: ٢٠٠، رقم: ١٠٤٩٥

۱۔ حضرت خنساء بنتِ خِذام اَنصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ، فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا.[1]

اُن کے والد ماجد نے ان کی شادی کر دی جبکہ وہ بیوہ تھیں، مگر اُنہیں یہ شادی ناپسند تھی۔ سو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں اور آپ ﷺ نے اُن کا نکاح منسوخ فرما دیا۔

۲۔ عبد الرحمان بن یزید انصاری اور مُجَمِّع بن یزید انصاری سے مروی ہے:

إِنَّ رَجُلًا يُدْعٰى خِذَامًا، أَنْكَحَ ابْنَةً لَهُ فَكَرِهَتْ نِكَاحَ أَبِيْهَا، فَأَتَتْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَتْ لَهُ فَرَدَّ عَلَيْهَا نِكَاحَ أَبِيْهَا، فَنَكَحَتْ أَبَا لُبَابَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُنْذِرِ. وَذَكَرَ يَحْيٰى أَنَّهَا كَانَتْ ثَيِّبًا.[2]

خذام نامی ایک شخص نے اپنی لڑکی کی شادی اُس کی مرضی کے بغیر کر دی تو لڑکی نے اپنے باپ کے کیے ہوئے اِس نکاح کو ناپسند کیا۔ لہٰذا وہ رسول

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإكراه، باب لا يجوز نكاح المكره، ٦:٢٥٤٧، رقم:٦٥٤٦

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب في الثيب، ٢:٢٣٣، رقم:٢١٠١

۳۔ دارمی، السنن، ٢:١٨٧، رقم:٢١٩٢

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب من زوج ابنته وهي كارهة، ١:٦٠٢، رقم:١٨٧٣

۲۔ دارمي، السنن، ٢:١٨٧، رقم:٢١٩١

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ٣:٤٥٧، رقم:١٥٩٥٤

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اُس کے باپ کی طرف سے کیا گیا نکاح فسخ کر دیا۔ بعد ازاں اس لڑکی نے ابولبابہ بن عبد المنذر سے نکاح کر لیا۔ یحییٰ کہتے ہیں: وہ بیوہ تھی۔

۳۔ حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں:

جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَی النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ عَمَّ وَلَدِيْ خَطَبَنِي فَرَدَّهُ أَبِي وَزَوَّجَنِي، وَأَنَا كَارِهَةٌ. قَالَ: فَدَعَا أَبَاهَا، فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِکَ. فَقَالَ: إِنِّي أَنْکَحْتُهَا وَلَمْ آلُوهَا خَيْرًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا نِکَاحَ، اِذْهَبِي فَانْکِحِي مَنْ شِئْتِ.[1]

ایک عورت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے بیٹے کے چچا (یعنی دیور) نے مجھے پیغامِ نکاح دیا تو میرے باپ نے اس کو مسترد کر دیا اور میری پسند کے خلاف میرا نکاح کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے والد کو بلایا اور اس سے معاملہ دریافت فرمایا۔ اس کے باپ نے کہا: میں نے اس کے نکاح میں کسی بھتری کو ترک نہیں کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہوا، (اُس عورت سے فرمایا:) تُو چلی جا، سو جس سے چاہے نکاح کر لے۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، كتاب النكاح، باب من أجازه بغير ولي ولم يفرق، ۳:۴۵۷، رقم:۱۵۹۵۳

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَدَّ نِکَاحَ بِکْرٍ وَثَيِّبٍ أَنْکَحَهُمَا أَبُوهُمَا، وَهُمَا کَارِهَتَانِ، فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ نِکَاحَهُمَا. (١)

رسول اللہ ﷺ نے کنواری (بالغہ) اور بیوہ عورتوں کے نکاح فاسد فرما دیئے اس وجہ سے کہ اُن کے والد نے اُن کے نکاح ان کی مرضی کے خلاف کر دیئے تھے، سو حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن دونوں کے نکاح کو رَد کر دیا۔

۵۔ حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی سے مرسلاً مروی ہے:

فَرَّقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَزَوْجِهَا وَهِيَ بِکْرٌ، أَنْکَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ کَارِهَةٌ. (٢)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بالغہ کنواری عورت اور اس کے خاوند کے مابین تفریق کروا دی کیونکہ اس کے باپ نے اس کا نکاح جس لڑکے سے کیا وہ اس کو ناپسند کرتی تھی۔

٦۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ يَرْفَعُ بِي خَسِيْسَتَهُ. فَجَعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهَا، قَالَتْ: فَإِنِّي قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي وَلٰکِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ لِلْآبَاءِ مِنَ

---

(١) ١۔ دارقطني، السنن، کتاب النکاح، ٣: ٢٣٣، رقم: ٥٣
٢۔ بيهقي، السنن الکبری، ٧: ١١٤

(٢) دارقطني، السنن، کتاب النکاح، ٣: ٢٣٤، رقم: ٥٢

الْأَمْرِ شَيْءٌ.[1]

ایک لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ میرے ذریعہ سے اپنی مفلسی دور کرے۔ آپ ﷺ نے اُس کے اختیار میں معاملہ دے دیا (چاہے نکاح برقرار رکھے اور چاہے تو اس سے علیحدگی کر لے)۔ اس نے عرض کیا: میں اپنے والد کے نکاح کو برقرار رکھتی ہوں لیکن میں نے اس لیے (آپ کی خدمت میں آ کر دریافت) کیا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اولاد کے نکاح کے معاملے میں والدین کا ان پر (ان کی مرضی کے خلاف) کوئی حق لازم نہیں ہے۔

۷۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے:

إِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ ﷺ.[2]

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۳۶، رقم:۲۵۰۸۷

۲۔ نسائي، السنن، كتاب النكاح، باب البكر يزوجها أبوها وهي كارهة، ۶:۸۶، رقم:۳۲۶۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب من زوج ابنته وهى كارهة، ۱:۶۰۲، رقم:۱۸۷۴

۴۔ دارقطني، السنن، كتاب النكاح، ۳:۲۳۲، رقم:۴۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۲۷۳، رقم:۲۴۶۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب في البكر يزوجها أبوها ولا ــــ

ایک کنواری لڑکی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی اور عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح زبردستی کر دیا ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (کہ چاہے نکاح برقرار رکھے اور چاہے تو اسے فسخ کر دے)۔

لہٰذا لڑکے اور لڑکی کی مرضی کے خلاف کیا ہوا نکاح اگر وہ برقرار نہ رکھنا چاہیں تو اُسے عدالت کے ذریعے فسخ کرواسکتے ہیں۔

سوال 53: دلہا اور دلہن کو تیار کرتے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص نکاح کرتا تو حضور نبی اکرم ﷺ اُسے مبارک باد دیتے ہوئے اس کے لیے یوں دعا فرماتے:

بَارَکَ اللهُ لَکَ وَبَارَکَ عَلَیْکَ وَجَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ.[1]

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے مبارک کرے، تمہیں برکت دے اور تم دونوں کو بھلائی پر جمع کرے۔

دلہا اور دلہن کو تیار کرتے وقت درج ذیل دعا پڑھنی چاہیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری

.... یستأمرہا، ۲:۲۳۲، رقم:۲۰۹۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة، ۱:۶۰۳، رقم:۱۸۷۵

(۱) ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ما جاء فیما یقال للمتزوج، ۳:۴۰۰، رقم:۱۰۹۱

والدہ مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر لائیں۔ وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں انہوں نے مجھے تیار کیا اور یہ دعا دی:

عَلَی الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰی خَيْرِ طَائِرٍ.[1]

تم پر خیر و برکت کا نزول ہو اور تمہارا نصیب نیک ہو۔

دلہا کو تیار کرتے وقت اس طرح دعا مانگیں: حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کی شادی پر اس طرح برکت کی دعا ارشاد فرمائی:

بَارَكَ اللهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.[2]

اللہ تمہیں برکت دے، تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ انصار کے ایک دلہا کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

عَلَی الْخَيْرِ وَالْأُلْفَةِ، وَالطَّائِرِ الْمَيْمُوْنِ، وَالسَّعَةِ فِي الرِّزْقِ، بَارِكَ اللهُ لَكُمْ.[3]

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الدعا للنسآء اللّاتی یهدین العروس و للعروس، ۵:۱۹۷۹، رقم:۴۸۶۱

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح باب کیف یدعی للمتزوج، ۵:۱۹۷۹، رقم:۴۸۶۰

(۳) ۱۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱:۲۳۴، رقم:۴۱۶
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰:۹۷، رقم:۱۹۱
۳۔ بیهقی، السنن، ۷:۲۸۸، رقم:۱۴۴۶۱
۴۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۶:۹۶

تم باہم محبت اور خیر کے ساتھ رہو، تمہارا نصیب با برکت ہو، تمہیں رزق میں کشادگی حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔

سوال 54: نکاح پڑھانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نکاح پڑھانے کا طریقہ درج ذیل ہے:

(ا) نکاح پڑھانے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جن کا نکاح پڑھایا جا رہا ہے، ان کا نکاح شرعاً جائز ہے۔ کوئی اَمر مانع نہ ہو، مثلاً محرمات نہ ہوں، عورت عدت میں نہ ہو وغیرہ۔ دونوں مسلمان ہوں یا مرد مسلمان اور عورت اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) ہو۔ دو مسلمان عاقل و بالغ مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ موجود ہوں۔

(۲) پھر نکاح فارم پُر کریں، متعلقہ اشخاص کے دستخط کروا لیں، پھر لڑکے لڑکی دونوں سے اجازت لیں۔ لڑکی کو لڑکے کا پورا تعارف کروائیں۔ لڑکی حق مہر کی ڈیمانڈ کرے اور پھر دونوں کی مرضی و اجازت سے حق مہر طے کریں اور گواہوں کے روبرو لڑکے سے کہیں کہ فلاں بنت فلاں کو اتنے حق مہر کے بدلے اپنے نکاح میں قبول کرتے ہو؟ وہ قبول کرے تو اس کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھ کر دونوں کے اچھے مستقبل، اتحاد و اتفاق اور حسن معاشرت کی دعا کریں۔

اگر رخصتی بھی ساتھ ہی کرنی ہے تو اِسکے بعد دُلہا بغیر اسراف و تبذیر کے حسبِ توفیق حاضرین کو دعوتِ ولیمہ کھلائے۔ ولیمہ سنت ہے مگر شرط یہ ہے کہ قرض نہ لیں، فضول خرچی نہ کریں، رزق ضائع نہ کریں اور غریب لوگوں کو بھی کھانے میں

شامل کریں۔

سوال 55: خطبہ نکاح کیا ہے؟

جواب: خطبہ نکاح درج ذیل ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ.

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○

وَفِي مَقَامٍ آخَرُ:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ.

قَالَ ﷺ:

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

وَقَالَ فِي مَقَامٍ آخَرُ

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ.

عِبَادَ اللهِ! رَحِمَكُمُ اللهُ. اِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِىْ الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْن. وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ. وَيَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ.

سوال 56: رخصتی کے وقت کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟

جواب: جب کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کرے تو رخصتی کے وقت بیٹی کے لیے یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّی أُعِيْذُهَا بِکَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.

اے اللہ! میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود کے شر سے۔

داماد کے لیے یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّی أُعِيْذُهٗ بِکَ وَذُرِّيَّتَهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.

اے اللہ! میں اس لڑکے کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان مردود کے شر سے۔

سوال 57: دلہا خلوت میں اپنی زوجہ کے پاس جائے تو کون سی دعا پڑھے؟

جواب: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص خلوت میں جب اپنی زوجہ کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

اللہ کے نام سے۔ اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) ہمیں دے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا:

اگر ان کے لیے کوئی بچہ مقدر ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ شیطان کے ضرر سے محفوظ رکھے گا۔[1]

سوال 58: بیوی کے حقوق کیا ہیں؟

جواب: اسلام نے خاندانی نظام میں عورت کو شوہر کے گھر کی نگران بنایا ہے۔ نیز مرد اور عورت کے درمیان حقوق کا منصفانہ دستور پیش کیا۔ دونوں کے لیے ایک ہی راہ اور ایک ہی دستورِ حیات تجویز کرنے کی ترغیب دی اور دونوں کے الگ الگ حقوق متعین کیے ہیں تاہم بیوی کے حقوق درج ذیل ہیں:

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب ما یستحب ان یقوله عند الجماع، ۲:۱۰۵۸، رقم:۱۴۳۴

۱۔ نفقہ کا حق

اسلام میں مرد کو قوّام اور کما کر خرچ کرنے والا کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط (۱)

مرد عورتوں پر محافظ و منتظِم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

اسی فضیلت و قوامیت کی بناء پر معاشرتی زندگی میں اس پر عورت کی نسبت زیادہ حقوق عائد کیے گئے ہیں۔ نکاح کا تعلق گو برابری کی بنیاد پر طے پاتا ہے اور اس میں فریقین کی رضا و رغبت کو یکساں طور پر دخل ہوتا ہے مگر پھر بھی اسلام اس رشتہ ازدواج میں مرد پر زیادہ ذمہ داری عائد کرتا ہے۔

بیوی کے حقوق میں سے ہے کہ بیوی کے کھانے پینے، لباس اور رہائش کا خرچ شوہر اٹھائے جیسا کہ حضرت معاویہ بن حیدہ ﷛ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوْهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ. (۲)

---

(۱) النساء، ۴:۳۴

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۴۴۷، رقم:۲۰۰۲۷

←

جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم خود پہنو یا کماؤ تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو، اُسے برے لفظ نہ بولو اور اسے خود سے الگ نہ کرو مگر گھر کے اندر ہی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا:

إِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِيفَمِ امْرَأَتِکَ.[1]

تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو جس سے تمہارا مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے تو

.... ۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳، رقم:۲۰۰۳۶

۳۔ ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب فی حق المراة علی زوجها، ۲:۲۴۴، رقم:۲۱۴۲

۴۔ نسائي، السنن الکبری، ۵:۳۷۳، رقم:۹۱۷۱

۵۔ عبد الرزاق، المصنف، ۷:۱۴۸، رقم:۱۲۵۸۳

۶۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۹:۴۲۷، رقم:۱۰۳۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب ما جاء أَن الأعمال بالنیة والحِسبة ولکل امرئ ما نوی، ۱:۳۰، رقم:۵۶

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الجنائز، باب رِثَاء النبي ﷺ سعد بن خولة، ۱:۴۳۵، رقم:۱۲۳۳

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث، ۳:۱۲۵۰، رقم:۱۶۲۸

۴۔ مالك، الموطأ، ۲:۷۶۳، رقم:۱۴۵۶

تمہیں اُس پر اجر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو (اس پر بھی تمہیں اجر دیا جاتا ہے)۔

مرد کو عورت کی جملہ ضروریات کا کفیل بنایا گیا ہے۔ اس میں اس کی خوراک، سکونت، لباس وغیرہ تمام اشیاء شامل ہیں۔

۲۔ حق پاسداری کی تلقین

حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں عورت کے اس حق کی پاس داری کی تلقین فرمائی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی طویل روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

اتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ. ...... وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ.(۱)

لوگو! تم عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی اَمان میں لیا ہے۔ ......تم پر اُن کا یہ حق ہے کہ تم اپنی حیثیت کے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، ۲: ۸۹۰، رقم:۱۲۱۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب المناسك، باب صفة حج النبي ﷺ، ۲:۱۸۵، رقم:۱۹۰۵

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب المناسك، باب حجة رسول الله ﷺ، ۲:۱۰۲۵، رقم:۳۰۷۴

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۹:۲۵۷، رقم:۳۹۴۴

مطابق اُن کو اچھی خوراک اور اچھا لباس فراہم کیا کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یارسول اللہ! میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے مگر میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے (میرے لیے کیا حکم ہے)؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ارْجِعْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِکَ.[1]

تم واپس چلے جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو (کہ اُس کا بھی تم پر حق واجب ہے)۔

۳۔ حق مشاورت

عورت کا مرد پر یہ بھی حق ہے کہ وہ عورت پر اعتماد کرے اور اپنے معاملات میں اس سے مشورہ کرتا رہے۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک اس معاملے میں یہی تھا۔ آغازِ نبوت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کردار اس کی واضح نظیر ہے۔ جب پہلی وحی کا نزول ہوا اور آپ ﷺ غارِ حراء سے اپنی قیام گاہ تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ نے آپ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا:

کَلَّا، وَاللهِ، مَا یُخْزِیکَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب کتابة الإمام الناس، ۳:۱۱۱۴، رقم: ۲۸۹۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلی حج وغیره، ۲:۹۷۸، رقم: ۱۳۴۱

اَلْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِی الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ. (۱)

بخدا! ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے، محتاجوں کے لیے کماتے، مہمان نوازی کرتے اور راہِ حق میں پیش آمدہ مصائب و آلام برداشت کرتے ہیں۔

اس کے بعد سیدہ خدیجہ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ اور اس جیسے دیگر واقعات آپ ﷺ کے سیدہ خدیجہ پر اعتماد کے مظاہر ہیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفارِ مکہ سے معاہدہ کے بعد ظاہری صورتِ حال کے پیشِ نظر مغموم تھے، آپ ﷺ نے جب انہیں قربانی کرنے اور بال کٹوانے کا حکم فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ اس پر آپ ﷺ اپنی قیام گاہ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے مشورہ کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا:

يَا نَبِيَّ اللهِ، أَتُحِبُّ ذٰلِکَ، اخْرُجْ ثُمَّ لاَ تُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ كَلِمَةً، حَتّٰى تَنْحَرَ بُدْنَکَ، وَتَدْعُوَ حَالِقَکَ فَيَحْلِقَکَ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي، ۱:۴، رقم:۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ۱:۱۳۹، رقم:۱۶۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد ولمصالحة مع اهل الحرب و كتابة الشروط، ۲:۹۷۸، رقم:۲۵۸۱ ←

اے نبی اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے حسب حکم قربانی کریں اور سر منڈوائیں (تو پھر) آپ ﷺ ان کی طرف تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی سے بھی گفتگو نہ کریں بلکہ اپنی قربانی کا جانور ذبح فرمائیں اور حجام کو بلائیں جو آپ ﷺ کے بال کاٹے گا۔

اس پر آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے کسی سے کلام نہ فرمایا بلکہ اسی طرح کیا یعنی قربانی کا جانور ذبح کیا اور حجام کو بلایا جس نے آپ ﷺ کے بال کاٹے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھا تو اتباعِ رسول ﷺ میں وہ بھی کھڑے ہوگئے اور قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال بنانے لگے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کا سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کرنا صائبۃ الرائے خواتین سے مشاورت کا اصول بیان کرتا ہے۔(۱)

۴۔ پردہ پوشی

قرآن حکیم نے عورت اور مرد کے تعلقات کو ایک نہایت لطیف مثال کے ذریعے بیان کیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ.(۲)

.... ۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱:۲۲۵، رقم:۴۸۷۲

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵:۳۴۰، رقم:۹۷۲۰

۴۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۲:۶۳۷

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶:۲۷۵

(۲) البقرۃ، ۲:۱۸۷

عورتیں تمہارے لیے لباس (کا درجہ رکھتی) ہیں اور تم ان کے لیے لباس (کا درجہ رکھتے) ہو۔

اور لباس سے متعلق ایک دوسری جگہ کہا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا. (۱)

اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تمہارے لیے (ایسا) لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپائے اور (تمہیں) زینت بخشے۔

یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کی خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرنے والے ہیں۔ مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کی غلطیوں پر پردہ ڈالے اور عورت کو چاہیے کہ وہ مرد کے نقائص ظاہر نہ ہونے دے۔

۵۔ جبر واکراہ کی ممانعت

خاوند پر بیوی کا یہ حق بھی ہے کہ وہ بیوی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللهِ هُزُوًا. (۲)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیّت میں) روک لو یا انہیں اچھے

(۱) الاعراف، ۷:۲۶

(۲) البقرة، ۲:۲۳۱

طریقے سے چھوڑ دو، اور انہیں محض تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو کہ (ان پر) زیادتی کرتے رہو اور جو کوئی ایسا کرے پس اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنا لو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ. (۱)

اہلِ ایمان میں سے کامل مومن وہ ہے جو اُن میں سے بہترین اخلاق کا مالک ہے اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے (اخلاق و برتاؤ) میں بہترین ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا:

وَذَكَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ﴿إِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰـهَا٥﴾ [الشمس، ۹۱:۱۲]، **انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ، مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ. وَذَكَرَ النِّسَاءَ فَقَالَ: يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ،**

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۷۲، رقم: ۱۰۱۱۵

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، ۳: ۴۶۶، رقم: ۱۱۶۲

۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۱۵، رقم: ۲۷۹۲

۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۴۳، رقم: ۲

فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ.(۱)

آپ ﷺ نے (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی اور جس نے اس کی کونچیں کاٹیں اس کا ذکر فرمایا، تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ﴿جب کہ ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھا﴾ [الشمس، ۹۱:۱۲] پڑھنے کے بعد فرمایا: اس اونٹنی کو ہلاک کرنے کے لیے ایسا شخص کھڑا ہوا جو طاقتور، مفسد اور ابو زمعہ کی طرح اپنے قبیلے میں جری تھا۔ پھر آپ ﷺ نے عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح مارتا پیٹتا ہے اور پھر رات کے وقت اس سے قربت اختیار کرتا ہے (ایسا نہ کیا کرو)۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا.(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الشمس، ۴:۱۸۸۸، رقم:۴۶۵۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء، ۴:۲۱۹۱، رقم:۲۸۵۵

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة والشمس وضحاها، ۵:۴۴۰، رقم:۳۳۴۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام واختیاره من المباح أسهله وانتقامه لله عند انتهاك حرماته، ۴:۱۸۱۴، رقم:۲۳۲۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۳۱، رقم:۲۴۰۸۰

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب في التجاوز في الأمر، ۴:۲۵۰، رقم:۴۷۸۶

رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی خادم کو۔

ایک اور روایت میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ امْرَأَةً لَهُ وَلَا خَادِمًا قَطُّ، وَلَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی کسی زوجہ کو نہیں مارا اور نہ ہی کسی خادم کو بلکہ آپ ﷺ نے کبھی اپنے دستِ مبارک سے کسی کو ضرب تک نہیں لگائی۔

حضرت اِیاس بن عبد اللہ بن ابی ذُباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَضْرِبُنَّ إِمَاءَ اللهِ. (۲)

اللہ کی باندیوں کو ہرگز نہ مارا کرو۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ نسائي، السنن الكبرى، كتاب عشرة النساء، باب ضرب الرجل لزوجته، ۵: ۳۷۱، رقم: ۹۱۶۵

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب ضرب النساء، ۱: ۶۳۸، رقم: ۱۹۸۴

(۲) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب ضرب النساء، ۱: ۶۳۸، رقم: ۱۹۸۵

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي، مَا أَكْرَمَ النِّسَاءَ إِلَّا كَرِيْمٌ وَلَا أَهَانَهُنَّ إِلَّا لَئِيْمٌ.[1]

تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔ سوائے برگزیدہ اور عزت والے شخص کے بیویوں کی عزت کوئی نہیں کرتا اور سوائے ذلیل و کمینہ شخص کے ان کی اِہانت کوئی نہیں کرتا۔

سوال 59: خاوند کے حقوق کیا ہیں؟

جواب: اسلامی تعلیمات کی رُو سے مرد اور عورت دونوں کو اپنے اپنے دائرہ عمل میں فوقیت اور برتری حاصل ہے اور دونوں کے حقوق برابر ہیں۔ خاوند کے حقوق درج ذیل ہیں:

ا۔ تحفظ عزت و ناموس

خاوند کے حقوق میں سے ہے کہ بیوی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کرے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کے حقوق پورے کرنے والی بیویوں کے اوصاف یوں بیان فرمائے ہیں:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ.[2]

(۱) ۱۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۱۳: ۳۱۳
۲۔ ہندی، کنز العمال، ۱۶: ۱۵۵، رقم: ۴۴۹۴۳

(۲) النساء، ۴: ۳۴

پس نیک بیویاں اطاعت شعار ہوتی ہیں شوہروں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

یعنی خاوند کی اطاعت کرنا، اس کے حکم کی بجا آوری کرنا، بشرطیکہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اور اس کی عزت یعنی اپنی پاک دامنی کی حفاظت کرنا اور خاوند کے مال کی حفاظت کرنا اس کے حقوق ہیں۔

۲۔ اطاعت و فرمانبرداری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا: خواتین میں سے کون سی عورت اچھی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَلَا فِي مَالِهِ.[1]

جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو اپنے خاوند کے لیے فرحت و مسرت کا باعث بنے۔ جب وہ کوئی خواہش کرے تو پوری کرے اور جس چیز کو خاوند ناپسند کرتا ہو تو وہ نہ اپنی ذات کے معاملے میں اور نہ ہی شوہر کے مال کے معاملے میں اس کی مخالفت کرے۔

بیوی پر اپنے خاوند کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے مزاج و طبیعت میں خوش خلق،

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۷۵، رقم: ۹۶۰۰

۲۔ نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب أي النساءِ خیر، ۶: ۵۲، رقم: ۳۲۳۱

خدمت گزار، محبت و مودّت اور طہارت و نفاست کا پیکر اور زیب و زینت کے لحاظ سے گھر میں شوہر کو ایسی نظر آئے کہ شوہر کو اسے دیکھتے ہی قلبی مسرت اور راحت ملے اور اس کا رجحان کبھی بھی گناہ کی طرف نہ جانے پائے، گویا اسے اپنی طرف ایسا راغب رکھے کہ وہ کسی اور کی طرف رغبت کا سوچ بھی نہ سکے۔

شوہر کام کاج سے تھکا ماندہ گھر واپس پہنچے تو بیوی مسکراتے چہرے اور دلکش انداز سے اس کا استقبال کرے تاکہ تھکن دور ہو جائے اور گھر آنا اس کے لیے سکون کا باعث بنے۔ جیسا کہ حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ، إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ، وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ، وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ.[1]

اللہ کے تقویٰ کے بعد مومن کو نیک بیوی سے زیادہ کسی بھی چیز سے فائدہ نہیں ہوا، اگر وہ اُسے حکم دے تو وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے، اگر اُس کی جانب دیکھے تو وہ اِسے خوش کرے، اگر وہ اس پر بھروسہ کر کے کوئی قسم کھا لے تو وہ اسے پورا کرے اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو بیوی اُس کی

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب أفضل النساء، ۲:۵۹۶، رقم:۱۸۵۷

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸:۲۲۲، رقم:۷۸۸۱

۳۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۴۳:۲۸۰

عدم موجودگی میں اپنی جان (عزت و آبرو) اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔

۳۔ نافرمانی پر وعید

خاوند کا یہ بھی حق ہے کہ وہ بیوی کو قربت کے لیے بلائے تو بغیر کسی عذر شرعی یا صحت کی خرابی کے اسے انکار نہ کرے کیونکہ اس کا یہ طرزِ عمل اللہ کی ناراضگی اور دین کے فساد کا باعث بن سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهٖ فَأَبَتْ، فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ. (1)

جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو قربت کے لیے بلائے اور وہ (بغیر کسی صحیح عذر کے) انکار کر دے اور وہ شخص اس سے ناراضگی کی حالت میں ہی رات بسر کرے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهَا فَتَأْبٰى

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب بدء الخلق، باب اذا قال أحدكم آمين، والملائكة في السمآء، ۳:۱۱۸۲، رقم:۳۰۶۵

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب النكاح، باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، ۵:۱۹۹۳، ۱۹۹۴، رقم:۴۸۹۷

عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا.[1]

اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جس شخص نے اپنی بیوی کو (ازدواجی تعلق کے لیے) بلایا اور وہ (بغیر عذر کے) انکار کر دے تو اس سے آسمانوں میں موجود ذاتِ (باری تعالیٰ) اس وقت تک ناراض رہتی ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رَأَيْتُ النَّارَ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ، وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَآءَ. قَالُوا! لِمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ. قِيْلَ: يَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْأً، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.[2]

مجھے دوزخ دکھائی گئی تو اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں کیونکہ وہ ناشکری کرتی ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور (اس کے) احسان کا انکار کر دیتی ہیں (جبکہ خاوند اُسے اور اپنی اولاد کو اپنی کمائی سے رہائش، خورد و نوش سمیت تمام

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب تحریم امتناعها من فراش زوجها، ۲:۱۰۶۰، رقم:۱۴۳۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب کفران العشیر وھو الزوج، ۵:۱۹۹۴، ۱۹۹۵، رقم:۴۹۰۱

ضروریاتِ زندگی، آسائشیں اور جملہ راحتیں مہیا کر رہا ہوتا ہے) اگر تم اُن میں سے کسی ایک کے ساتھ عمر بھر نیکیاں کرو۔ پھر اُسے (تمہاری کوئی ایک شے بھی ناپسند لگے یا اُسے) ذرہ بھر بھی تکلیف پہنچ جائے تو کہہ دے گی میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔

بیوی شوہر کی اِجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ يَوْمًا مِنْ غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ، إِلَّا بِإِذْنِهِ.[1]

عورت کا خاوند اگر موجود ہو تو رمضان کے روزوں کے علاوہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی روزہ نہ رکھے۔

سوال 60: نکاحِ فاسد کسے کہتے ہیں؟

جواب: نکاحِ فاسد وہ نکاح ہے جس میں نکاحِ صحیح کی کوئی شرط مفقود ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح ہوا یا دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا یا عورت کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کیا یا جو عورت کسی کی عدت میں ہے اس سے نکاح کیا۔ ان سب صورتوں میں نکاح فاسد ہے۔

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الصوم، باب ما جاء فی کراهیة صوم المرأة إلا بإذن زوجها، ۲: ۱۴۲، رقم: ۷۸۲

سوال 61: نکاحِ باطل کسے کہتے ہیں؟

جواب: نکاحِ باطل وہ نکاح ہے جو فی نفسہٖ کالعدم ہو۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور نکاحِ باطل بااعتبار نتیجہ بے اثر ہوتا ہے۔ اس سے فریقین کے مابین کوئی ازدواجی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا۔

سوال 62: نکاحِ فاسد میں خلوتِ صحیحہ کی صورت میں کیا اَثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: نکاحِ فاسد میں خلوتِ صحیحہ کی صورت میں درج ذیل اثرات مرتب ہوں گے:

۱۔ مہرِ مسمی یا مہرِ مثل دونوں میں سے جو کم ہو، وہ ادا کرنا ہوگا۔

۲۔ اِثباتِ نسبِ اولاد۔

۳۔ حرمتِ مصاہرت۔

۴۔ نفقۂ اولاد۔

۵۔ زوجہ کا نفقہ اس وقت تک دینا ہوگا جب تک فسادِ نکاح کا علم نہ ہو۔

۶۔ وراثتِ اولاد۔

۷۔ عدت بصورتِ تفریق یا وفاتِ شوہر۔

۸۔ عدمِ توارث بین الزوجین یعنی نکاح کے فاسد ہونے کی صورت میں زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

۹۔ نکاحِ فاسد کی صورت میں فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر زوجین خود تفریق اختیار نہ کریں تو حاکم پر واجب ہوگا کہ ان میں تفریق کرا دے۔ نیز وہ انہیں سزا دینے کا بھی مُجاز ہوگا۔

اگر دخول نہیں ہوا تو نکاحِ فاسد نکاحِ باطل کے حکم میں ہوگا یعنی طرفین کو ایک دوسرے پر کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔

سوال 63: کن صورتوں میں نکاح باطل ہوتا ہے؟

جواب: درج ذیل صورتوں میں نکاح باطل یا حرام ہوتا ہے:

۱۔ قرابت یعنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں سے نکاح حرام ہے۔

۲۔ رضاعت یعنی رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

۳۔ مصاہرت۔

۴۔ دو محرمات کا ایک کے نکاح میں جمع ہونا۔

۵۔ شرک مثلاً مشرکہ یا مشرک سے نکاح۔

۶۔ اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دینے کے بعد (حلّت سے قبل)

۷۔ کسی غیر کی منکوحہ سے نکاح۔

سوال 64: نکاحِ شغار کسے کہتے ہیں؟

جواب: نکاحِ شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی، بہن یا زیر سرپرستی عورت کا نکاح

ایسے شخص سے کردے، جس کے بدلے اس شخص کی بیٹی، بہن یا زیرِ سرپرستی عورت سے وہ خود نکاح کرے جس میں ان دونوں عورتوں کا حق مہر مقرر نہ ہو بلکہ ان دونوں عورتوں کا 'نکاح بدل' ہی حق مہر قرار پائے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الشغارِ. وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ، عَلٰى أَنْ يُزَوِّجَهُ ابْنَتَهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ.[1]

حضور نبی اکرم ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ نکاحِ شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس کی بیٹی کے عوض کردے (یعنی وہ بھی اپنی بیٹی کا نکاح پہلے شخص سے کردے) اور ان کے درمیان مہر نہ ہو۔

سوال 65: کیا نکاحِ شغار کرنا جائز ہے؟

جواب: نکاحِ شغار جس میں عقد کو مہر قرار دیا جائے اور مہر مقرر نہ ہو، ایسے نکاح کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔ لیکن اگر عقدِ نکاح کے وقت مہر مقرر کر دیا جائے تو یہ نکاح درست ہوگا۔

سوال 66: نکاحِ فضولی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس نکاح میں دو شخص دو گواہوں کے سامنے کسی غیر حاضر مرد اور غیر حاضر

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح الشغارِ وبطلانه، ۲:۱۰۳۴، رقم:۱۴۱۵

عورت کی طرف سے ایجاب و قبول کرلیں، اسے نکاحِ فضولی کہتے ہیں۔ اگر متعلقہ مرد، عورت ان دو اشخاص پر رضامندی ظاہر کر دیں تو نکاح درست ہو جائے گا اور دونوں نے یا کسی ایک نے انکار کر دیا تو نکاح قابل قبول نہیں ہوگا۔

سوال 67: نکاحِ متعہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: نکاحِ متعہ عارضی نوعیت کی زوجیت ہے جس کا مطلب ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے جس کے ساتھ نکاح منع نہ ہو، یہ کہے کہ میں تیرے ساتھ کچھ دنوں کے لیے مثلاً دس دن کے لیے اتنے مال پر متعہ کرتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ تو میرے ساتھ متعہ کرلے اور وہ عورت قبول کرلے۔ اسی طرح اگر اس عورت سے کہا کہ تو میرے ساتھ متعہ کرلے اور مدت کا ذکر نہ کیا تو لفظ متعہ کے استعمال سے یہی مطلب لیا جائے گا۔ پھر اگر اس عورت نے کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا متعہ اتنے مال کے عوض کرلیا اور یا قبول کرلیا تو وہ نکاحِ متعہ متصور ہوگا۔

سوال 68: نکاحِ متعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: نکاحِ متعہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ آغازِ اسلام میں جبکہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور انہیں دشمنوں سے دفاع میں مسلسل مشغول رہنا پڑتا تھا۔ ایسی حالت میں گھریلو خاندانی ذمہ داریوں کو نبھانا ممکن نہ تھا بالخصوص اس لیے کہ ان کی مالی حالت خستہ تھی اور یہ معقول بات نہ تھی کہ وہ خاندانی امور کی بہتری میں لگ جاتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اب ایک نئے دور میں تھے۔ اسلام لانے سے پہلے کے جن حالات میں ان کی پرورش ہوئی وہ عورتوں سے نفسانی اِنہاک کا دور تھا

کہ ہر شخص جتنی بھی چاہے عورتیں کر سکتا تھا۔ جس سے جی چاہتا قربت کرتا اور جسے چاہتا الگ کر دیتا تھا۔ اس دور میں اکثر تجارت پیشہ لوگ سفر کے دوران جب زوجیت کے خواہش مند ہوتے تو طوائفوں کے پاس جاکر عارضی نکاح کرتے اور جتنا عرصہ اس شہر میں ٹھہرتے ایسے عارضی رشتوں میں سکون حاصل کرتے تھے، اور اس دوران زوجیت کے بدلے عورت کو اجرت ادا کرتے تھے۔ ایسے معاشرے میں پرورش پانے والے نومسلموں کے لیے انسانی فطرت اور ان کی اقتصادی حالت کے پیشِ نظر وقتی تقاضے کے مطابق شرعی احکام بتدریج نافذ ہوئے۔ نکاحِ متعہ یا وقتی نکاح ان وقتی احکام کے مطابق ہیں جو حالتِ جنگ میں مصلحتاً دیئے جاتے تھے کیونکہ لشکر نوجوان اشخاص پر مشتمل تھا اور ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ مستقل طور پر شادی کر لیتے اور نہ انسانی فطری تقاضوں کا مقابلہ کر سکتے تھے اور یہ بھی دانش مندی نہ تھی کہ مسلسل روزہ رکھ کر جسمانی قوت کو کمزور کر لیا جاتا کیونکہ محارب فوج کو کمزور بنا دینا کسی حالت میں بھی درست نہیں ہے۔ غرض یہ حالات نکاحِ متعہ کی شرعاً اجازت کی بنیاد تھے۔ جیسا کہ حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ. وَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ. وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا.[1]

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب نكاح المتعة، ۲:۱۰۲۵، رقم، ۱۴۰۶

اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک متعہ حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس متعہ والی عورت ہو وہ اسے چھوڑ دے اور جو کچھ اس عورت کو دے چکے ہو اس سے واپس نہ لو۔

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ، بِالْمُتْعَةِ، عَامَ الْفَتْحِ، حِينَ دَخَلْنَا مَكَّةَ. ثُمَّ لَمْ نَخْرُجْ مِنْهَا حَتَّى نَهَانَا عَنْهَا. (۱)

فتح مکہ کے سال جب ہم مکہ میں داخل ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعہ کا حکم دیا، پھر مکہ سے واپس ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے ہمیں متعہ سے منع فرما دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ. (۲)

حضور نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ (یعنی تھوڑی مدت کے لیے نکاح) کرنے اور پالتوں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب النکاح المتعة، ۲:۱۰۲۵، رقم: ۱۴۰۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب نہی رسول اللہ ﷺ عن نکاح المتعة، ۵:۱۹۶۶، رقم:۴۸۲۵

یہ رواج ابتدائے اسلام میں مباح کی صورت جائز قرار پایا لیکن جب شریعت کے تحت نظامِ معاشرت قائم ہوا تو دیگر حرام چیزوں کی حرمت کی طرح متعہ کی حرمت بھی نافذ ہوگئی۔ لہٰذا اب نکاحِ متعہ صریح حرام ہے۔

سوال 69: نکاحِ متعہ اور وقتی نکاح کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: متعہ اس معاہدہ مماثل نکاح کو کہتے ہیں جو عورت سے جنسی استفادے کی غرض سے مرد اور عورت کے درمیان ایک معینہ مدت کے لیے طے پا جائے۔ یہ نکاح باطل ہے۔ جبکہ نکاحِ موقت یا وقتی نکاح اُس نکاح کو کہتے ہیں جو گواہوں کی موجودگی میں عورت سے ایک معینہ مدت کے لیے کیا جائے۔ نکاحِ موقت یعنی وقتی نکاح اپنے اندر نکاحِ متعہ کا حکم رکھتا ہے اور جس طرح متعہ باطل ہے، اِسی طرح نکاحِ موقت کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نکاحِ موقت کے معنی ومفہوم، تصور اور اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَمَعْنَاهُ الْمَشْهُورُ أَنْ يُوجَدَ عَقْدًا عَلَى امْرَأَةٍ لَا يُرَادُ بِهٖ مَقَاصِدُ عَقْدِ النِّكَاحِ مِنْ الْقَرَارِ لِلْوَلَدِ وَتَرْبِيَتِهٖ، بَلْ إِلٰى مُدَّةٍ مُعَيَّنَةٍ يَنْتَهِي الْعَقْدُ بِانْتِهَائِهَا أَوْ غَيْرِ مُعَيَّنَةٍ بِمَعْنٰى بَقَاءِ الْعَقْدِ مَا دَامَ مَعَهَا إِلٰى أَنْ يَنْصَرِفَ عَنْهَا فَلَا عَقْدَ، فَيَدْخُلُ فِيهِ مَا بِمَادَّةِ الْمُتْعَةِ وَالنِّكَاحِ الْمُؤَقَّتِ أَيْضًا فَيَكُونُ مِنْ أَفْرَادِ الْمُتْعَةِ، وَإِنْ عَقَدَ بِلَفْظِ التَّزَوُّجِ وَأَحْضَرَ الشُّهُودَ. [1]

(۱) ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، ۳: ۵۱

عرفِ عام میں (نکاحِ موقت) کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ ایسا عقدِ نکاح کرے جس میں بچے کی پیدائش اور اس کی تعلیم و تربیت وغیرہ جیسے مقاصدِ نکاح کے حصول کا اِرادہ نہ کیا گیا ہو، بلکہ مدتِ معینہ مکمل ہونے پر عقد بھی ختم ہو جائے۔ یا ایسا نکاح جس میں مدت تو متعین نہ کی گئی ہو بلکہ یہ ارادہ کیا گیا ہو کہ یہ عقد اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک شوہر اور بیوی اکٹھے رہیں گے، جب الگ ہو جائیں تو عقد ختم ہو جائے گا۔ نکاحِ متعہ، نکاحِ موقت اور متعین مدت کے لیے ہونے والے نکاح میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح ہونے والا ہر نکاح دراصل نکاحِ متعہ ہی ہے اگرچہ اس میں زوجیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہو اور گواہ بھی حاضر ہوں۔

لٰہذا تمام ائمہ کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح متعہ اور وقتی نکاح ایک ہی شے ہیں اور دونوں حرام ہیں۔

سوال 70: تجدیدِ نکاح کسے کہتے ہیں؟

جواب: دوبارہ نکاح کرنے کو تجدید نکاح کہتے ہیں۔ طلاق رجعی یعنی ایک یا دو بار صریح طلاق کی عدت گزر جانے یا پھر الفاظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہونے کے بعد دوبارہ اُسی خاوند سے نکاح کرنے کو تجدید نکاح کہتے ہیں۔ اسی طرح مرتد ہونے کی صورت میں تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرتے ہیں۔

سوال 71: شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟

جواب: شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بدکاری یعنی زنا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (سب سے بڑا گناہ) یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اس خوف سے اپنے بچے کو قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو۔[1]

سوال 72: بدکاری کسے کہتے ہیں؟

جواب: بدکاری یعنی زنا سے مراد وہ فعلِ بد ہے جو کسی زندہ عورت کے ساتھ مباشرت کے ذریعے فریقین کی باہمی رضامندی سے وقوع پذیر ہو۔ حالانکہ وہ عورت نہ اس کی منکوحہ ہو نہ اس عورت پر اس کا کوئی مالکانہ حق ہو اور نہ ہی ایسے حق کا شائبہ ہو۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل بد کو حرام قرار دیا اور حکم فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝[2]

اور تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا، بے شک یہ بے حیائی کا کام

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴:۳۵۳، رقم:۵۳۷۰

(۲) بني اسرائیل، ۱۷:۳۲

ہے، اور بہت ہی بری راہ ہےo

سوال 73: دنیا میں بدکار کی سزا کیا ہے؟

جواب: دنیا میں بدکار یعنی زنا کے مرتکب کی سزا کے بارے میں حضرت عبادہ بن صامت ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا. اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ نَفْيُ سَنَةٍ؛ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ، جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ.[1]

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے واضح طریقہ کار بیان فرما دیا ہے۔ کنوارا کنواری سے بدکاری کرے تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا دی جائے جب کہ شادی شدہ کرے تو سو کوڑے اور رجم ہوگا۔

یعنی غیر شادی شدہ بدکار کی سزا دنیا میں ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور شادی شدہ کے لیے دنیا میں سزا ایک سو کوڑے اور رجم یعنی سنگ سار کیا جانا ہے۔

سوال 74: آخرت میں بدکار کے بارے میں کیا وعید آئی ہے؟

جواب: آخرت میں بدکار کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ بدکاری جیسے فعل بد کا مرتکب ہونے والا شخص جہنم میں داخل کیا جائے گا اور روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم رہے گا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الحدود، باب حد الزنی، ۳: ۱۳۱۶، رقم: ۱۶۹۰

ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ. قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (۱)

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تین طرح کے اَشخاص سے بات کرے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ایک بدکار بوڑھا، دوسرا جھوٹا حاکم اور تیسرا مغرور و متکبر فقیر۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا أَكْثَرُ مَا يَلِجُ بِهِ النَّاسُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: تَقْوَى اللهِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ. وَسُئِلَ: مَا أَكْثَرُ مَا يَلِجُ بِهِ النَّاسُ النَّارَ؟ قَالَ ﷺ: الْأَجْوَفَانِ: الْفَمُ، وَالْفَرْجُ. (۲)

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا: وہ کون سی شے ہے جس کی وجہ سے لوگ کثرت کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور حسنِ خلق۔ پھر عرض کیا گیا: وہ کون سی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إرسال الإزار......، ۱:۱۰۲، رقم:۱۰۷
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸:۱۶۱
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۴:۳۶۰، رقم:۵۴۰۵

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۴:۳۶۱، رقم:۵۴۰۸

شے ہے جس کی وجہ سے لوگ کثرت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔
آپ ﷺ نے فرمایا: دو پیٹ یا دو سوراخ: ایک تو منہ ہے اور دوسرا شرم گاہ ہے۔

سوال 75: عہدِ رسالت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نوجوان کو بدکاری سے کیسے روکا؟

جواب: حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں نوجوان کو حکمت آمیز انداز میں بدکاری جیسے قبیح فعل سے روکا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے بدکاری کی اجازت دیں گے؟ لوگوں نے یہ بات سن کر اس کے بارے میں شور مچایا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے میرے قریب کرو۔ وہ آپ ﷺ کے قریب تر ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم اس بات کو اپنی ماں کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم اس فعل کو اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا: نہیں! اللہ کی قسم۔ یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے حق میں اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ کوئی تمہاری بہن کے ساتھ ایسا کرے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: تو

لوگ بھی اس بات کو ناپسند کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی طرح کے سوالات پھوپھی اور خالہ کے بارے میں پوچھے۔ اب نوجوان نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے سر پر رکھا اور یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ. (۱)

اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما دے اور اس کے قلب کو پاک فرما دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔

سوال 76: بدکاری سے بچنے والے کے لیے کیا خوش خبری ہے؟

جواب: بدکاری سے بچنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا شَبَابَ قُرَيْشٍ، احْفَظُوا فُرُوجَكُمْ وَلَا تَزْنُوا، أَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ. (۲)

اے نوجوانانِ قریش! بدکاری نہ کیا کرو۔ بے شک وہ شخص جس کے شباب اور جوانی کو اللہ تعالیٰ بچا کر سلامت رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

---

(۱) بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۶۲-۳۶۳، رقم: ۵۴۱۵

(۲) بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۶۵، رقم: ۵۴۲۵

سوال 77: کیا عورت کو شہوت سے چھونا بھی بدکاری کے زمرے میں آئے گا؟

جواب: عورت کو شہوت سے چھونے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور جن اسباب سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے وہاں گواہی وغیرہ کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک فریق کو اس کا احساس ہوتا ہے اور دوسرا اس سے بے خبر ہوتا ہے لیکن حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ حرمت گواہی یا اقرار پر موقوف نہیں ہوتی جب کہ بدکاری کی تصدیق کے لیے گواہی ضروری ہوتی ہے۔

سوال 78: حلالہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاق مغلظہ (تین طلاقیں) واقع ہونے کے بعد عورت اپنی عدت گزار کر کسی اور شخص سے اپنی رضامندی سے شادی کرے اور پھر دوسرا شوہر ہمبستری کے بعد کسی وجہ سے خود طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔ اب یہ عورت عدت گزارنے کے بعد اپنے سابقہ شوہر پر حلال ہوجاتی ہے اور اس سے نکاح کرسکتی ہے اِسے فقہی اِصطلاح میں حلالہ کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ[1]

پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ نکاح کر لے، پھر

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۳۰

اگر وہ (دوسرا شوہر) بھی طلاق دے دے تو اب ان دونوں (یعنی پہلے شوہر اور اس عورت) پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر وہ (دوبارہ رشتۂ زوجیت میں) پلٹ جائیں بشرطیکہ دونوں یہ خیال کریں کہ (اب) وہ حدودِ الٰہی قائم رکھ سکیں گے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رفاعہ کی عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ایسی طلاق دی جس میں میرا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہا۔ یعنی تین طلاقیں دی تھیں۔ بعد ازاں عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ میرے خاوند ہوئے لیکن وہ حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے اور فرمایا:

لَعَلَّکِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلٰی رِفَاعَةَ. لَا حَتّٰی يَذُوقَ عُسَيْلَتَکِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ.[1]

شاید تم یہ چاہتی ہو کہ تم رفاعہ کے پاس واپس چلی جاؤ۔ ایسا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تم سے لطف اندوز نہ ہو اور تم اس سے لطف اندوز نہ ہو۔

یعنی تین طلاقوں کے بعد صرف دوسرے شخص سے نکاح کرنا کافی نہیں بلکہ اس سے صحبت بھی ضروری ہے۔

---

(۱) نسائي، السنن، کتاب النکاح، باب النکاح الذي تحل به المطلقة ثلاثا لمطلقها، ٦:٦٩-٧٠، رقم:٣٢٨٣

سوال 79: حلالہ کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: حلالہ کی شرائط پانچ ہیں:

۱۔ سابقہ شوہر سے عدت پوری ہو جائے۔

۲۔ پھر دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔

۳۔ دوسرے شوہر سے صحبت کرے۔

۴۔ دوسرے شوہر سے طلاق یا موت وغیرہ کی وجہ سے جدائی ہو۔

۵۔ دوسرے شوہر کی عدت گزر جائے۔

سوال 80: حلالہ کرنے والے اور کروانے والے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: حلالہ کی ایک صورت تو گزر چکی ہے کہ طلاق مغلظہ کے بعد قدرتی طور پر ایسا ہو جانا کہ دوسرا شخص فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو عورت پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتی ہے کوئی گناہ نہیں ہے لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ صرف اِسی مقصد کے لیے کسی اور سے نکاح وہمبستری کی جائے کہ دوبارہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو اس صورت میں نکاح تو پہلے شوہر سے حلال ہو جائے گا لیکن ایسے حلالہ کرنے والے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.[1]

(۱) ا۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب فی التحليل، ۲:۲۲۷، ـــــ

حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے پر بھی لعنت فرمائی اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔

درج بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حلالہ کوئی پسندیدہ عمل نہیں، بالکل اسی طرح جس طرح طلاق کوئی پسندیدہ عمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ناپسند بھی ہے اور حلال بھی۔ حلالہ کرنے والے پر لعنت اس لیے کی گئی کہ لوگ تین طلاقوں کا ارتکاب نہ کریں اور طلاق دینی ہی پڑ جائے تو ایک رجعی دیں تاکہ صلح ہو سکے لیکن جو شخص ظلم

.... رقم:۲۰۷۶

۲۔ ابن ماجه نے 'السنن، کتاب النکاح، باب المحلل والمحلل له، ۱:۶۲۳، رقم:۱۹۳۶' میں حضرت عقبه بن عامر ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

۳۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۷:۲۹۲، رقم:۳۶۱۹۳-۳۶۱۹۴

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷:۲۰۸، رقم:۱۳۹۶۴

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب المحلل والمحلل له، ۱:۶۲۲، رقم:۱۹۳۴-۱۹۳۵

۲۔ دارمی، السنن، ۲:۲۱۱، رقم:۲۲۵۸

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷:۲۰۷، رقم:۱۳۹۶۱

کرے اور تین ہی دے دے تو اس کے لیے یہ احکام ہونے چاہییں۔

سوال 81: محرمات سے کیا مُراد ہے؟

جواب: محرمات سے مُراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔

سوال 82: وہ کون کون سی عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے؟

جواب: وہ عورتیں جن سے شرعاً نکاح حرام ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حرمتِ نسب

۲۔ حرمتِ مصاہرت

۳۔ حرمتِ رضاعت

۴۔ حرمتِ اجتماع یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا

۵۔ حرمتِ مِلک

۶۔ حرمتِ شرک

۷۔ غیر کی منکوحہ سے نکاح

۸۔ حاملہ کے ساتھ نکاح

سوال 83: حرمتِ نسب کسے کہتے ہیں؟

جواب: وہ عورتیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔ نسب کے رشتہ سے مراد سات قسم کی عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے:

۱۔ ماں ۲۔ بیٹی ۳۔ بہن ۴۔ پھوپھی

۵۔ خالہ ٦۔ بھتیجی ۷۔ بھانجی

جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ.(۱)

تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

سوال 84: حرمتِ مصاہرت کسے کہتے ہیں؟

جواب: اس سے مراد ایسی عورتیں ہیں جن سے تعلقِ ازدواج اور رشتہ سسرال کی وجہ سے نکاح حرام ہو جاتا ہے، مثلاً بیوی کی ماں یعنی ساس اور بیوی کی دادی اور نانی کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ اس طرح جس بیوی سے مباشرت کی گئی ہو اس کی بیٹیوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اس کی حرمت نصِ صریح سے ثابت ہے:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ.(۲)

اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر

---

(۱) النساء، ۴:۲۳

(۲) النساء، ۴:۲۳

(ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا نَكَحَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ ابْنَتَهَا، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّهَا.[1]

جب مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور پھر مباشرت سے قبل ہی اسے طلاق دے دے تو اس کے لیے اس عورت کی بیٹی سے نکاح کرنا تو جائز ہوگا، لیکن اس عورت کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

سوال 85: حرمتِ رضاعت کسے کہتے ہیں؟

جواب: حرمتِ رضاعت سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دودھ کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاُمَّهٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ.[2]

اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ.[3]

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۷:۱۶۰، رقم:۱۳۶۸۸

(۲) النساء، ۴: ۲۳

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الشهادات، باب الشهادة علی الانساب ......، ۲: ۹۳۵، رقم: ۲۵۰۲

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

سوال 86: حرمتِ اِجتماع کسے کہتے ہیں؟

جواب: حرمتِ اجتماع سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ جیسا کہ دو بہنوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. (۱)

اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔

یہ وہ عورتیں ہیں کہ جن عورتوں کا باہمی رشتہ ایسا ہو کہ اگر ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری کے ساتھ اس کا نکاح حرام ہے۔ جیسے دو بہنوں میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری سے اس کا بہن بھائی کا رشتہ ہو یا جیسے پھوپھی بھتیجی کہ پھوپھی کو مرد فرض کریں تو چچا بھتیجی کا رشتہ ہو اور بھتیجی کو مرد فرض کریں تو پھوپھی بھتیجے کا رشتہ ہو۔ یا خالہ بھانجی کہ اگر خالہ کو مرد فرض کریں تو ماموں بھانجی کا رشتہ ہو اور بھانجی کو مرد فرض کریں تو خالہ بھانجے کا رشتہ ہو۔ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر طلاق دے دی تو جب تک عدت نہ گزرے دوسری سے نکاح نہیں کرسکتا۔

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا. (۲)

(۱) النساء، ۴: ۲۳

(۲) بخاری، الصحيح، کتاب النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، ۵: ۱۹۶۵، رقم: ۴۸۲۰

کوئی شخص پھوپھی اور بھتیجی کو اور نہ ہی خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرے۔

حضرت شعبی بیان فرماتے ہیں:

لاَ ينبغي لِرَجل أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امرأَتَيْنَ لَو كَانَتْ أَحَدهُمَا رجلاً لم يحل له نكاحها. (۱)

کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ ایسی دو عورتیں اپنے نکاح میں جمع کرے کہ جن میں سے ایک مرد ہو تو اس کا دوسری کے ساتھ نکاح حلال نہ ہوتا۔

سوال 87: چار عورتوں سے زائد کی حرمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: وہ عورتیں جو مقرر گنتی سے زائد ہونے کی وجہ سے حرام ہیں مثلاً ایک آزاد مرد کو ایک وقت میں چار عورتوں سے زائد کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں اور غلام کو دو سے زیادہ سے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

سوال 88: حرمتِ ملک کسے کہتے ہیں؟

جواب: حرمتِ ملک سے مراد وہ خواتین ہیں جو اپنی مِلک میں ہونے کے باوجود بوجوہ حرام ہیں۔ مثلاً آزاد عورت نکاح میں ہو تو اس کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ **الفتاوی الهندية** میں ہے:

لا يجوز نكاح الأمة على الحرّة. (۲)

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۶:۲۶۳، رقم:۱۰۷۶۸

(۲) الفتاویٰ الهندية، ۱:۲۷۹

آزاد کے اوپر باندی کو نکاح میں لانا جائز نہیں۔

یہ اَمر قابلِ ذکر ہے کہ یہ صورت اب معدوم ہو چکی ہے کیونکہ اسلام نے بتدریج غلامی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

سوال 89: حرمتِ شرک کسے کہتے ہیں؟

جواب: حرمتِ شرک سے مراد وہ عورتیں ہیں۔ جن سے نکاح شرک کی وجہ سے حرام ہے مثلاً مسلمان کا نکاح مجوسیہ، بت پرست، آفتاب پرست، ستارہ پرست عورت وغیرہ سے نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلاَ تَنكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ج وَلاَ تُنكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ط اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ج وَاللهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ج وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○[1]

اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بے شک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور یقیناً مشرک مرد سے مومن غلام بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے، وہ (کافر اور مشرک) دوزخ

---

(۱) البقرة، ۲:۲۲۱

کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○

اس آیت مبارکہ میں بڑے واضح الفاظ میں مسلمانوں کو مشرک خواتین کے ساتھ نکاح سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں سے بھی نکاح کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔ ایمان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا کہ حسین و جمیل، صاحب حیثیت اور اعلیٰ حسب و نسب والی عورت اگر مشرکہ ہے تو اس کے مقابلے میں ایک عام صورت والی غریب مسلم باندی سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

سوال ۹۰: حرمتِ غیر منکوحہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: ایسی عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں ان سے بھی نکاح جائز نہیں ہے جب تک ان کے شوہر زندہ ہوں یا وہ طلاق نہ دے دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ.[1]

اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

(۱) النساء، ۴: ۲۴

3

نکاح سے متعلقہ مسائل
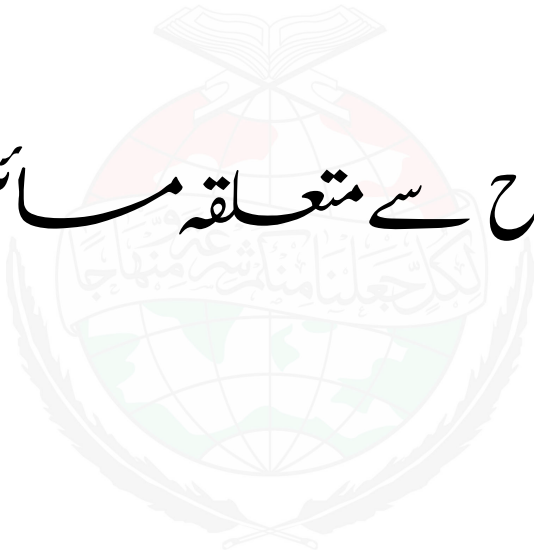
سوال ۹۱: کیا اِسلام میں پسند کی شادی (love marriage) کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! اسلام میں پسند کی شادی (love marriage) کرنا جائز ہے کیونکہ شریعت میں رشتہ پسند کرنے اور ناپسند کرنے کا اختیار مرد اور عورت دونوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شادی کا مقصد بیان فرمایا ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً۔[1]

اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

زوجین کا ایک دوسرے کی طرف سکون پانا اور ان کے درمیان محبت و رحمت کا پیدا ہونا اسی صورت ممکن ہے جب میاں بیوی ایک دوسرے کو پسند کریں۔ اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) الروم، ۳۰: ۲۱

لَمْ نَرَ (یَرٰی) لِلْمُتَحَابِّیْنِ مِثْلَ النِّکَاحِ.(1)

محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے اچھی کوئی شے نہیں۔

لٰہذا والدین کو چاہیے کہ رشتہ طے کرتے وقت اولاد کی پسند اور ناپسند کا خصوصی خیال رکھیں کیونکہ ہمارے معاشرے میں اکثر والدین گائے، بھینس، بکری، مکان، گاڑی، کپڑے اور دیگر اشیاء خریدتے وقت تو سو بار پسند و ناپسند کا خیال رکھتے ہیں لیکن اولاد کی شادی کرتے وقت اپنی مرضی کے رشتے ان پر مسلط کرتے ہیں جنھوں نے ساری زندگی اکٹھی گزارنی ہوتی ہے۔ لٰہذا شادی پسند کی ہی کرنا بہتر ہے تاکہ میاں بیوی اپنی زندگی احسن انداز میں گزار سکیں۔

اِس کی دوسری اِنتہاء یہ ہے کہ بعض اوقات لڑکا یا لڑکی اپنے والدین کے علم میں لائے بغیر نکاح کر لیتے ہیں حالانکہ ہوسکتا تھا کہ وہ اگر اپنے والدین کو consult کرتے اور convince کرتے تو باوقار طریقے سے شادی سرانجام پاتی مگر اس طرح اُن کو بتائے بغیر نکاح کرنے سے نہ صرف اِسلامی روایات اور والدین کی عزت وتکریم پامال ہوئی بلکہ یہ مستقبل میں بے شمار مسائل سے بھی دو چار ہونگے۔ لیکن اگر والدین بالغ اولاد کی پسند و نا پسند کونظرانداز کریں تو پھر ان کے پاس حق ہے کہ وہ اَپنی پسند کو ترجیح دیں۔

سوال 92: کیا کورٹ میرج (court marriage) کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! کورٹ میرج کرنا جائز ہے۔ کورٹ میرج کے دوران گواہوں کی

---

(1) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، ۲:۴۱۵-۴۱۶، رقم:۱۸۴۷

موجودگی میں ایجاب و قبول سے شرعی طور پر نکاح ہو جاتا ہے مگر یہ طرزِ عمل ہماری معاشرتی اقدار اور آداب و اخلاق کے خلاف ہے۔ لہٰذا بہتر طریقہ کار یہی ہے کہ شادی میں والدین کو بھی شریک کیا جائے تاکہ بعد میں خدانخواستہ حالات بگڑ جائیں تو والدین بھی معاملات طے کرنے میں مددگار بن سکیں، خاص طور پر لڑکیوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے والدین کو شامل کیے بغیر شادی نہ کریں کیونکہ معاملات میں خرابی کی وجہ سے لڑکیاں بہت بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔

سوال 93: پیپر میرج (paper marriage) کے بارے میں فقہی حکم کیا ہے؟ یعنی اگر کوئی شخص کسی ملک کی شہریت (nationality) حاصل کرنے کے لیے کسی عورت سے نکاح نامہ پر نکاح کرے لیکن عملاً نکاح کا اِرادہ نہ رکھتا ہو؟

جواب: پیپر میرج چونکہ کاغذی کارروائی کی حد تک ہوتی ہے اس میں شرعی نکاح کے ارکان اور شرائط نہیں پائے جاتے لہٰذا ایسی میرج جھوٹ، دھوکہ، فراڈ اور ناجائز ہے۔

سوال 94: کیا والدین کی رضا کے خلاف شادی کرنا جائز ہے؟

جواب: ہمارے معاشرے میں خاندانی سطح پر بہت سی عائلی پریشانیوں کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اپنے فرائض و واجبات اور دوسروں کے حقوق و جذبات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اگر ایک دوسرے کے حقوق معلوم بھی ہوں تو ان کی ادائیگی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ والدین کے حقوق اپنی جگہ واجب ہیں مگر ان کے ساتھ ساتھ شوہر

پر اس کی بیوی اور بچوں کے حقوق بھی واجب ہیں۔ شریعت اس بات کی کبھی اجازت نہیں دیتی کہ ایک فریق کا حق ادا ہو اور دوسرے کی حق تلفی ہو جائے۔ والدین کی نافرمانی صرف اُس صورت میں ہوتی ہے جب اُن کے وہ حقوق ادا نہ کیے جائیں جنہیں شریعت نے ان کے حق میں مقرر کیا ہے یا اُن کی بے ادبی اور گستاخی کی جائے یا اُن کی خدمت میں کوتاہی کی جائے۔ یہی ان کا حق اور اولاد کا فرض ہے۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں بہت خوبصورت توازن قائم کیا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک کے حق کی ادائیگی میں دوسرے کا حق تلف ہو جائے۔

بیٹے، بہو اور اولاد کا یہ فرض ہے کہ وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے شرعی حقوق کا خیال رکھیں جبکہ والدین کی بھی ذمّہ داری ہے کہ وہ اولاد کی جائز خواہشات، ضروریات اور معاملات میں معاونت اور سرپرستی میں وسعت ظرفی کا مظاہرہ کریں۔

پسند کی شادی کا حق

اپنی پسند کی شادی کرنا بالغ لڑکی اور لڑکے کا حق ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ہاں دُہرے معیار قائم ہیں اور معاملہ افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے۔ بعض علاقوں میں والدین کی شدید انانیت سامنے آتی ہے اور اسے غیرت کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ انانیت اور غیرت اولاد کے جائز حقوق کا گلا دبا دیتی ہے، اس ’غیرت‘ کا نشانہ زیادہ تر بیٹیاں بنتی ہیں کیونکہ بیٹے کو پھر بھی اس کی پسند و ناپسند کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف اس ناجائز پابندی اور ہٹ دھرمی کے ردِعمل میں بعض بچوں میں بغاوت سر اٹھا لیتی ہے۔ وہ عدالت میں جا کر رشتۂ اِزدواج استوار

کر لیتے ہیں۔ پھر بعض اوقات لڑکی کے گھر والے اسے جان سے مار دینے ہی میں اپنی غیرت کی تسکین تلاش کرتے ہیں۔ یہ تلخ واقعات روز مرہ کا معمول ہیں اور اس بات کی شہادت ہیں کہ ہم شریعت سے قطع نظر اولاد پر اپنی ذاتی رائے کو حد سے تجاوز کرتے ہوئے مسلط کرتے ہیں۔ ہمیں شرعی مسائل اور تعلیمات کا علم ہوتا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مقابلے میں اپنی انا کو ہرگز مسئلہ نہ بننے دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ شادی کے معاملے میں والدین کو اپنی بیٹی یا بیٹے پر ان کی مرضی کے خلاف دباؤ کا حق حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ ان پر دباؤ ڈالیں اور وہ انکار کر دیں تو اس سے ان کی نافرمانی نہیں ہوگی بلکہ والدین زبردستی اپنی بچی یا بچے کا نکاح ان کی رضا مندی کے خلاف کر دیں تو یہ عمل خلافِ شریعت ہوگا۔ جس شریعت نے پسند کی شادی کا اختیار دیا ہے، اس نے ناپسندیدہ شادیوں کو رد کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ لہٰذا اُس بچی یا بچے کو یہ نکاح رَد کرنے کا اختیار اللہ اور رسول ﷺ نے دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (۱)

ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی

(۱) النساء، ۴:۳

ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو○

اس آیت کریمہ میں 'پسند کے مطابق' شادی کا حق لڑکے اور لڑکی کو دیا گیا ہے نہ کہ والدین اور دیگر اعزاء و اقارب کو، اسی طرح بچے یا بچی کی مرضی کے خلاف شادی کر دی جائے تو اسے فسخ کرنے کا حق بھی شریعت ہی نے مقرر کر رکھا ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل، امام نسائی اور امام ابنِ ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيْهِ يَرْفَعُ بِي خَسِيْسَتَهُ. فَجَعَلَ الْأَمْرَ إِلَيْهَا، قَالَتْ: فَإِنِّي قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ لِلْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ.[1]

ایک لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تا کہ میرے ذریعہ سے (بھتیجے کی مالی معاونت حاصل کرے اور) اپنی مفلسی دور کرے۔ آپ ﷺ نے معاملہ اُس کے اختیار میں دے دیا (چاہے نکاح

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۳۶، رقم:۲۵۰۸۷

۲۔ نسائی، السنن، کتاب النکاح، باب البکر یزوجها أبوها وهي كارهة، ۶:۸۶، رقم:۳۲۶۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة، ۱:۶۰۲، رقم:۱۸۷۴

۴۔ دارقطني، السنن، کتاب النکاح، ۳:۲۳۲، رقم:۴۵

برقرار رکھے اور چاہے تو اس سے علیحدگی کر لے)۔ اس نے عرض کیا: میں اپنے والد کے نکاح کو برقرار رکھتی ہوں لیکن میں نے یہ اس لیے کیا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اولاد کے نکاح کے معاملے میں والدین کا (اولاد کی مرضی کے خلاف زبردستی کی صورت میں) کوئی حق لازم نہیں ہے۔

اِس حدیث مبارک سے ہمیں ایک اور رہنمائی ملتی ہے کہ جبری شادیوں (forced marriages) کی ایک اہم وجہ قریبی رشتہ داروں میں شادیاں (cousins marriages) بھی ہیں۔ بسا اوقات والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بیٹا/ بیٹی ان کے بھتیجی/، بھتیجے بھانجی/ بھانجے سے شادی کرلے تاکہ گھر کی دولت بھی گھر میں رہے اور بیرون ملک مقیم ہونے کی صورت میں اس کا ویزا وغیرہ بھی لگ جائے۔ یہ خیر خواہی، ہمدردی اور قرابت داری کا لحاظ اپنی جگہ اچھی سوچ ہے، مگر اس معاملے میں بھی بعض والدین بچوں پر دباؤ ڈالتے ہیں جس کے نتیجے میں مغربی ممالک میں اس طرح کی شادیاں اکثر و بیشتر ناکام ہو جاتی ہیں اور پھر اس کے سماجی اثرات بڑے منفی ثابت ہوتے ہیں، خاص طور پر اگر علیحدگی بچوں کی پیدائش کے بعد عمل میں آئے تو اس کے اثرات مزید خطرناک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اِسلام نے cousins marriages کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

لَا تَنكِحُوا الْقَرَابَةَ الْقَرِيبَةَ، فَإِنَّ الْوَلَدَ يُخْلَقُ ضَاوِيًا.[1]

---

(۱) ۱۔ ابن الأثير، النهاية في غريب الأثر، ۳:۱۰۶

اپنے قریبی رشتہ داروں میں نکاح مت کرو، کیونکہ اس طرح (بسا اوقات) تمہارے بچے ناقابلِ علاج بیماریوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ شرعی ممانعت نہیں ہے اور عہد نبوی اور دورِ صحابہ میں بہت سی شادیاں قریبی رشتہ داروں میں ہوئیں جس پر کثیر مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ تاہم بعض اوقات صرف medical reasons کی بناء پر ایسی شادیوں کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بنو سائب کے لوگوں سے فرمایا:

قَدْ أَضْوَأْتُمْ فَانْكِحُوا فِي النَّزَائِعِ.(1)

تمہارے بچے ناقابلِ علاج بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں، لہٰذا تم (ان اَمراض سے بچنے کے لیے) اپنے خاندان سے باہر کی عورتوں سے شادی کیا کرو۔

۲۔ امام احمد بن حنبل، ابو داود اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

.... ۲۔ ابن حجر عسقلانی، تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر، ۳:۱۴۶

۳۔ غزالی، إحیاء علوم الدین ومعه تخریج الحافظ العراقی، ۲:۴۱

۴۔ سبکی، طبقات الشافعیة الکبری، ۶:۳۱۰

(۱) ۱۔ دینوری، المجالسة وجواهر العلم:۲۴۹، رقم:۱۴۳۷

۲۔ ہندی، کنز العمال، ۱۶:۲۰۸، رقم:۴۵۶۲۶

۳۔ ابن حجر عسقلانی، تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر، ۳:۱۴۶

إِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ ﷺ. (۱)

ایک کنواری لڑکی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی اور عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح (کسی شخص کے ساتھ) زبردستی کر دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (چاہے تو نکاح برقرار رکھے اور چاہے تو اسے فسخ کر دے)۔

۳۔ امام دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَدَّ نِكَاحَ بِكْرٍ وَثَيِّبٍ أَنْكَحَهُمَا أَبُوهُمَا، وَهُمَا كَارِهَتَانِ، فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ نِكَاحَهُمَا. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے بالغہ (کنواری) اور بیوہ (یا طلاق یافتہ) عورتوں کے نکاح اس وجہ سے فاسد فرما دیے کہ اُن کے والدین نے اُن کے نکاح ان کی مرضی کے خلاف کر دیئے تھے، لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے اُن دونوں کے

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۷۳، رقم: ۲۴۶۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب النکاح، باب في البکر یزوجها أبوها ولا یستأمرها، ۲: ۲۳۲، رقم: ۲۰۹۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة، ۱: ۶۰۳، رقم: ۱۸۷۵

(۲) ۱۔ دارقطنی، السنن، کتاب النکاح، ۳: ۲۳۳، رقم: ۵۳

۲۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۱۱۴

نکاح کو رَد کر دیا۔

۴۔ حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی سے (مرسلًا) مروی ہے:

فَرَّقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَزَوْجِهَا وَهِيَ بِكْرٌ، أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بالغہ عورت اور اس کے خاوند کے مابین تفریق کروا دی کیونکہ اس کے باپ نے (اپنی مرضی سے) اس کا نکاح کیا تھا اور وہ اس خاوند کو ناپسند کرتی تھی۔

اِسلام وہ دین ہے جس میں جبری شادی کا کوئی تصور نہیں کیونکہ شادی عورت کا حق ہے، والدین کو اس پر جبر کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ سو والدین بھی یہ حکمِ شریعت اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر وہ اولاد کو ایسا حکم دیں گے جس کا انہیں شرعاً کوئی حق حاصل نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ حق شریعت نے اولاد کو دیا ہے تو اس کی عدمِ تکمیل والدین کی نافرمانی تصور نہیں ہوگی۔ اسی طرح والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک، اپنے شادی شدہ بیٹے کو ایسا حکم دے جس سے اس کی بیوی (یعنی والدین کی بہو) کے شرعی حق کی خلاف ورزی ہوتی ہو، یا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ حق سے محروم ہوتی ہو، یا اس کے ساتھ ظلم اور ناانصافی ہوتی ہو، سو اس صورت میں لڑکا اگر والدین کا ایسا حکم بجا نہ لائے تو یہ شرعاً ان کی نافرمانی تصور نہیں ہوگی۔

(۱) دارقطنی، السنن، کتاب النکاح، ۳: ۲۳۴، رقم: ۵۲

کیونکہ والدین یا والدہ بیٹے کو ایسا کام کرنے کا کہہ رہی ہے جو نہ تو اس کا شرعی حق ہے نہ بیٹے پر شرعاً واجب ہے، بلکہ دوسری طرف، اس کام کے بجا لانے سے بیوی پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب ہوتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے لہٰذا ایسا کام نہ کرنا والدین کی نافرمانی قرار نہیں پائے گا۔ اولاد کو چاہیے کہ اس صورت میں وہ والدین کے ساتھ بھی گستاخی سے پیش نہ آئیں۔ اُف تک بھی نہ کریں اور بیوی کے ساتھ بھی عدل و انصاف اور حسنِ سلوک کا شرعی حکم بجا لاتے رہیں اور ہرگز زیادتی نہ کریں۔ یوں دونوں طرف ممکنہ حد تک توازن برقرار رکھیں۔ اگر یہ توازن اکٹھے رہنے میں ممکن نہ ہو، تو شوہر بیوی کو الگ رہائش مہیا کرے، یہ اس کا حق ہے۔ اندریں حالات والدین کا ناجائز حکم نہ ماننا شرعاً گناہ نہیں ہے۔

کیونکہ حکم شریعت یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی اطاعت کسی ایسے کام میں نہیں ہے جس سے گناہ واقع ہوتا ہو یا خدا و رسول ﷺ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:

لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ.[1]

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (کے قول و فعل) میں کسی شخص کی اطاعت کرنا لازم یا

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب التمني، باب ما جاء في إجازة خير الواحد الصدوق في الأذان الصلاة والصوم والفرائض والأحكام، ۲۶۴۹:۶، رقم:۶۸۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية، ۱۴۶۹:۳، رقم:۱۸۴۰

جائز نہیں ہے۔ اطاعت صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے۔

سوال 95: کیا ٹیلی فون یا انٹرنیٹ کے ذریعے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! ٹیلی فون یا انٹرنیٹ وغیرہ پر رابطہ کے ذریعے نکاح کرنا شرعا جائز ہے۔ بعض لوگ جواز اور عدم جواز کے قائل ہیں۔ اصل مسئلہ نکاح کی شرائط کا ہے اگر ان میں سے کوئی ایک یا اس سے زائد شرائط پوری نہ ہوسکیں تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اگر شرائط پوری ہو رہی ہوں تو نکاح جائز ہوگا۔

سوال 96: ٹیلی فون/ انٹرنیٹ پر نکاح کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: ٹیلی فون/ انٹرنیٹ پر نکاح کرنے کا طریقہ درج ذیل ہے:

ا۔ سب سے پہلے نکاح فارم لیں اور ان کو مکمل فل کریں۔ جو فریق دوسرے ملک میں ہے اس کا نام و پتہ اور دستخط کروانے کے لیے وہ کاغذات اس کے پاس بھیجیں۔ مثلاً لڑکا دوسرے ملک میں ہے تو دلہا، اس کا وکیل اور اس کے وکیل کے دو گواہ کم سے کم ان تینوں کے نام، مکمل پتے اور ان کے مخصوص جگہ پر دستخط کرنے کے لیے مکمل نکاح فارمز باہر بھیجیں۔ لڑکے اور ان تینوں کو لڑکی کی تمام ضروری معلومات اور حق مہر کی تفصیل بتا دیں۔ وہ اسے پُر کر کے واپس بھیج دیں گے۔

۲۔ لڑکی یہاں ہے تو اس کا نام و پتہ، اس کے وکیل کا نام پتہ اور وکیل بنانے کے دو گواہوں کے نام و پتہ لکھیں اور ان سب کے دستخط کروائیں۔ پھر شادی کے دو گواہ بنالیں ان کا نام و پتہ اور دستخط کروائیں۔

۳۔ جب فریقین کو تمام حقیقت معلوم ہوگئی تو ٹیلی فون سیٹ نکاح خوان کے

سامنے رکھیں۔ تمام متعلقہ لوگ دونوں فریقین میں سے جن کے نام فارم پر لکھے ہیں، ایک جگہ بیٹھ جائیں اور دوسرے ملک کے وہاں بیٹھ جائیں۔ اب نکاح خواں فارم ہاتھ میں لے اور ٹیلی فون پر لڑکے کا نام اسی سے پوچھے۔ والد کا نام اور یہ بھی معلوم کرے کہ کیا اس کا آج نکاح ہو رہا ہے؟ کس لڑکی سے ہے اور وہ کس جگہ سے ہے؟ لڑکی کے والد کا نام، حق مہر اور اگر دیگر شرائط ہوں تو وہ بھی نکاح خواں اس سے پوچھے۔

۴۔ جب لڑکا یہ تمام باتیں کر لے اور نکاح کی اجازت بھی دے دے تو اس سے کہا جائے کہ اس کا یہاں وکیل کون ہے، اس کا والد کون ہے وغیرہ۔ اب لڑکی سے اجازت لے کر اس لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح کریں۔ ٹیلی فون پر لڑکے سے اس کے گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کروائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ لڑکے کا جو وکیل آپ کے پاس موجود ہے اُس سے بھی نکاح کا ایجاب و قبول کروایا جائے۔ یعنی لڑکے کا وکیل کہے کہ میں نے فلاں لڑکی اتنے حق مہر کے عوض ان شرائط کے تحت ان گواہوں کے روبرو اپنے فلاں موکل کے نکاح کے لیے قبول کی۔ اگر ٹیلی فون پر پورا بندوبست ہو اور فریقین ایک دوسرے کو پہچان لیں تو نکاح ہو جائے گا۔ اس نکاح میں تین پہلو نمایاں ہوں گے:

(۱) چونکہ دونوں نے اپنا اپنا وکیل بنایا ہوا ہے اور نکاح فارم میں ہر ایک کا وکیل اور اس کے دستخط موجود ہیں۔ وکیل بنانے کے دو گواہ اور ان کے دستخط بھی موجود ہیں، لہٰذا یہ نکاح وکالتاً صحیح ہوا۔

(۲) ٹیلی فون پر جب نکاح فارمز کے مطابق ولدیت، پتہ اور دوسرے فریق

سے ان کا تعلق، ہونے والے نکاح کے بارے میں اجازت و رضا مندی، لکھی گئی شرائط کی تائید و توثیق وغیرہ صراحتاً موجود ہے اور دوسری طرف سے پوری احتیاط کے ساتھ تمام مراحل طے کرا لیے گئے اور گواہوں کی موجودگی میں یہ نکاح پڑھا گیا تو نکاح درست رہا۔

(۳) بالفرض ٹیلی فون پر گفتگو میں کوئی غلط بیانی ہوگئی تو ایسا امکان لڑکے، لڑکی کی موجودگی میں بھی ممکن ہے۔ مثلاً یہاں ہم آئے دن نکاح پڑھتے ہیں۔ نکاح خواں کو کیا معلوم کہ یہی لڑکی ہے، یہی لڑکا ہے اور یہی ان کی پہلی شادی ہے وغیرہ۔ محض اعتماد و اعتبار کی بات ہے۔ ٹیلی فون پر کاروبار، لین دین، ٹھیکے، درآمدات و برآمدات، موت و حیات کے بہت سے دوسرے امور انجام پاتے ہیں۔ لہٰذا جب ان معاملات میں ٹیلی فون وغیرہ سے استفادہ کرتے ہیں تو نکاح و شادی کے معاملات میں تو کئی گنا احتیاط برتی جاتی ہے، لہٰذا وہ بھی شرعاً جائز ہے۔

سوال 97: کیا نکاح سے پہلے اُس عورت کو دیکھنا جائز ہے جس سے نکاح کا ارادہ ہو؟

جواب: جی ہاں! جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو، اسے نکاح سے پہلے دیکھنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى مَا يَدْعُوهُ إِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ.[1]

---

(۱) أبو داؤد، السنن، كتاب النكاح، باب الرجل ينظر الى المرأة وهو يريد تزويجها، ۲:۱۹۲، رقم:۲۰۸۲

جب کوئی عورت تمہیں پیغامِ نکاح دے تو اگر اسے دیکھنا ممکن ہو تو دیکھ لو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا. [1]

جاؤ اسے دیکھ لو کیونکہ اس سے شاید اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دے۔

سوال 98: کیا حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! حالتِ احرام میں نکاح جکرنا ائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. [2]

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں عقدِ نکاح کیا تھا۔

سوال 99: خفیہ نکاح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح خفیہ نہیں بلکہ اعلانیہ ہونا چاہیے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب النظر إلى المرأة اذا أراد ان يتزوجها، ۲:۶۲۶، رقم:۱۸۶۵

(۲) بخاری، الصحيح، كتاب ابواب الإحصار و جزاء الصيد، باب تزويج المحرم، ۲:۶۵۲، رقم:۱۷۴۰

سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالْغِرْبَالِ. (۱)

نکاح کا اعلان کیا کرو اور اس پر ڈھول بجایا کرو۔

دوسری روایت میں محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ. (۲)

حلال و حرام میں فرق نکاح میں گانا اور دف بجانا ہے۔

اگر شرائطِ نکاح پوری ہوں تو نفسِ نکاح منعقد ہو جائے گا مگر معاشرتی سطح پر مستحسن نہیں ہے۔

سوال ۱۰۰: کیا مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب: جی نہیں! شریعت کی رُو سے مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے کسی بھی صورت نکاح نہیں ہوسکتا بلکہ ایسا عمل ہم جنس پرستی کہلائے گا جو سراسر خلافِ اِسلام اور صریح حرام ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ

---

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح، ۲: ۴۴۲-۴۴۳، رقم: ۱۸۹۵

(۲) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح، ۲: ۴۴۳، رقم: ۱۸۹۶

الْعٰلَمِيْنَo اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَo[1]

اور لوط (علیہ السلام) کو (بھی ہم نے اسی طرح بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم (ایسی) بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے اہلِ جہاں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا؟o بے شک تم نفسانی خواہش کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم حد سے گزر جانے والے ہوo

لہٰذا یہ اِنتہائی قبیح اور حرام فعل ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

سوال ۱۰۱: اگر مرد، مرد کے ساتھ اور عورت، عورت کے ساتھ مجامعت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مرد، مرد کے ساتھ مجامعت کرے تو اس عمل کو عمل قومِ لوط کہتے ہیں۔ اس کی سزا کے بارے میں وضاحت درج ذیل ہے:

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر حد نہیں تعزیر ہے، قید کر دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے یا مر جائے اور عادی ہو تو قتل کر دیا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

صاحبین کے نزدیک یہ جرم زنا کی طرح ہے۔ لہٰذا اس کا حکم ہے اگر کنوارا

---

(۱) الأعراف، ۷: ۸۰-۸۱

ہے تو سو کوڑے اور شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے۔

امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے خواہ کنوارے ہو یا شادی شدہ کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

فاعل اور مفعول کو قتل کر دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

اوپر اور نیچے والے کو سنگ سار کر دو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کو قوم لوط کا عمل کرتے دیکھو کرنے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دو۔

محمد بن اسحاق نے حضرت عمرو بن ابی عمرو سے روایت کی ہے کہ قوم لوط کا عمل کرنے والا لعنتی ہے۔[1]

عورت کا عورت سے مجامعت کرنے کے بارے میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ آج کل مغرب کی گندگی ہے۔ لہٰذا اس برائی کو روکنے کے لیے تعزیری سزا دی جائے گی، اس کا فیصلہ قاضی یا جج حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کرے گا۔ اگر یہ گندگی زیادہ پھیلتی ہوئی نظر آئے تو قاضی یا جج حد سے بھی بڑھ کر سزا دے سکتا ہے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنے اور معاشرہ اس برائی سے نجات پا سکے۔

(۱) ابن ہمام، فتح القدیر، ۵:۲۶۲

سوال 102: کیا سید زادی کا غیر سید سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! سید زادی کا نکاح غیر سید سے کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم نے سورۃ النساء کی آیت نمبر تئیس اور چوبیس میں جن عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے ان کی تعداد گنوا دی ہے اور ان محرمات میں سید زادی کہیں بھی مذکور نہیں ہے اور نہ ہی کسی حدیث مبارکہ میں ممانعت ہے۔ لہٰذا سید زادی سے نکاح جائز ہے اور اس کی مثال حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا جو کہ نہ سید تھے اور نہ ہاشمی تھے۔

سوال 103: کیا عصرِ حاضر میں اہل کتاب سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! عصرِ حاضر میں اہل کتاب سے نکاح کرنا جائز ہے۔ قرآن حکیم جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کے حتمی احکامات کا مجموعہ اور حلال وحرام کی بنیادی کسوٹی ہے، اس نے اہل کفر کے درمیان فرق کرتے ہوئے نکاح اور شادی جیسے اہم ترین سماجی بندھن کے معاملے کو اہل کتاب عورتوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (1)

(۱) المائدة، ۵:۵

اور (اسی طرح) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مَہر ادا کر دو، (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قید نکاح میں لانے والے (عفت شعار) بنو نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو شخص (احکامِ الٰہی پر) ایمان (لانے) سے انکار کرے تو اس کا سارا عمل برباد ہوگیا اور وہ آخرت میں (بھی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگاo

مذکورہ بالا آیت میں بالصراحت پاکدامن کتابیہ عورت سے مسلمان عورت کی طرح نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اہل کتاب خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی - قرآن نے خود ان کے شرکیہ عقائد کو بیان کیا ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی طرح کتابیہ سے نکاح کو جائز کیوں رکھا گیا؟ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں اور اہلِ کتاب میں کافی حد تک اعتقادی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اہل کتاب بعض عقائد کا محض دعوی کرتے ہیں مگر قرآن نے ان کے دعویٰ کو بھی قطعی رد نہیں کیا۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، وحی اور رسالت کو بھی مانتے ہیں، موت کے بعد برزخ اور بعد ازاں اُخروی زندگی کے بھی قائل ہیں، قیامت کے دن اور جزا وسزا کے تصور کو بھی مانتے ہیں۔ ان بڑے اور بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے کی وجہ سے قرآن نے ان کی تمام تر عداوتوں، نافرمانیوں اور بغاوتوں کے باوجود مسلمانوں کو ان سے معاملات میں نرمی برتنے کا حکم دیا۔ اسی

ضمن میں ان کی عورتوں سے شادی کا جواز بھی ہے۔ (مزید تفصیلات کے لیے شیخ الاسلام کی کتاب 'اِسلام اور اہل کتاب' ملاحظہ فرمائیں۔)

ایسی عورت جو اسلام چھوڑ کر عیسائی یا یہودی ہوئی ہو اس سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں ہے۔ مگر جو عورت نسلی اَہلِ کتاب یا پھر اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو چھوڑ کر اَہلِ کتاب بنی ہو تو اس سے نکاح جائز ہے۔

سوال 104: کیا غیر مسلموں کی شادی میں شرکت کرنا جائز ہے؟

جواب: کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے حربی کفار کی شادی یا خوشی وغیرہ میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جو غیر مسلم ہمارے ساتھ بر سر جنگ نہ ہوں ان کی شادیوں میں شرکت کر سکتے ہیں۔

سوال 105: نکاح پر نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن حکیم کی رُو سے نکاح پر نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ.[1]

اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

سوال 106: قصداً نکاح پر نکاح پڑھانے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اگر پہلا نکاح شرعی تقاضوں کے مطابق پڑھا گیا تو جب تک وہ خاوند طلاق نہ دے یا فوت نہ ہوجائے یا (العیاذ باللہ) دونوں میں سے کوئی ایک مرتد نہ ہو

---

(۱) النساء، ۴:۲۴

جائے تو نکاح برقرار رہے گا۔ پہلا نکاح ہوتے ہوئے دوسرے کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ دوسرا نکاح سرے سے نکاح ہی نہیں۔ جو لوگ دانستہ طور پر اس قبیح عمل میں شریک ہوئے انہوں نے قرآن کے قطعی حرام کو حلال کرنے کی ناپاک جسارت کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا صریح انکار و استہزاء کیا۔ وہ سب مرتد ہوگئے اور ان کے اپنے نکاح بھی ٹوٹ گئے کیونکہ ان کی عورتیں مسلمان ہیں اور یہ مرتد۔ لہٰذا انہیں فوراً اپنے گناہ کی معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے ساتھ تجدید ایمان اور شادی شدہ کو تجدید نکاح کرنا چاہیے۔ بصورتِ دیگر عدالت کے ذریعے حدودِ شرعی کے اجراء کا انتظام کیا جائے۔ تمام اہل اسلام کو ان گواہوں، شرکت کرنے والوں اور میاں بیوی بننے اور انہیں میاں بیوی بنانے والوں کا معاشی و سماجی مقاطعہ کرنا چاہیے۔

سوال 107: نکاح ٹوٹ جانے کی صورت میں حاملہ عورت کا نکاح وضع حمل کے بعد ہوگا یا پہلے بھی ہوسکتا ہے؟

جواب: نکاح پر نکاح کروانے کے عمل میں شرکت کی وجہ سے جن کا نکاح ٹوٹ گیا تھا، اگر وہ توبہ کرلیں تو جن کی بیویاں حاملہ ہیں اگر وہ خود ان سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت میں کریں۔ لیکن اگر کسی اور سے کرنا چاہیں تو وضع حمل شرط ہے۔

سوال 108: کیا منہ بولی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: منہ بولی بہن اگر محرمات میں سے نہیں ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ من پسند اجنبی عورت کو بہن کہہ دیا جاتا ہے اور پھر آزادنہ میل ملاپ شروع ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی اجنبیت نہ کوئی پردہ، باہمی میل جول

سے اعتماد پروان چڑھتا رہتا ہے۔ شرعاً ایسا کرنا حرام ہے۔ کوئی غیر محرم اس طرح بہن بھائی یا ماں بیٹا نہیں بن سکتا کہ شرعی حدود و قیود کی پاس داری نہ رہے۔ اس شیطانی چکر سے سیکڑوں گھر تباہ ہو رہے ہیں اور کئی لوگ لاعلمی و نادانی میں رسوا ہو رہے ہیں۔

سوال ١٠٩: کیا نکاح کے بعد مرد و عورت ایک دوسرے کی جائیداد کے مالک بن جائیں گے؟

جواب: نکاح کے بعد مرد و عورت ایک دوسرے کی جائیداد کے مالک نہیں بنتے۔ مرد پر عورت کا نان ونفقہ اور دیگر ضروریاتِ زندگی پورا کرنا فرض ہوتا ہے جبکہ عورت پر اس طرح کے کوئی اخراجات نہیں ہیں۔ میاں بیوی میں سے اگر کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کے ترکہ سے حصہ پائے گا۔ نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے کی جائیداد کا مکمل مالک نہیں بنے گا۔

سوال ١١٠: کیا ایک بیوی کے ذاتی کاروبار میں اس کا شوہر اور اس کی دوسری بیوی بھی حق دار ہوتے ہیں؟

جواب: جی نہیں! اگر بیوی اپنی رقم سے کاروبار کرے تو اس کاروبار میں اس کا شوہر یا اس شوہر کی دوسری بیوی قطعاً حق دار نہیں ہوں گے۔ اگر وہ بیوی فوت ہو جائے تو شوہر کو وراثت سے حصہ ملے گا لیکن دوسری بیوی کو کچھ نہیں ملے گا۔

سوال ۱۱۱: کیا مہندی کی رسم پر دف یا ڈھولک بجانا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! خوشی کے موقع پر دف یا ڈھولک بجا کر اس کا اظہار کرنا، اچھے کلام پڑھنا اور خواتین کا مہندی لگانا جائز ہے۔ حضرت محمد بن حاطب ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ.[1]

حلال اور حرام میں فرق یہ ہے کہ نکاح میں دف بجانا اور آواز سے اعلان واِظہار ہے۔

تاہم مہندی کی رسم پر غیر محرموں کے ساتھ اِختلاطِ مرد وزن، لغو ناچ گانا کرنا، بے پردگی اور فضول خرچی کرنا اسلام کی رو سے ناجائز اور حرام اُمور ہیں۔

سوال ۱۱۲: کیا شادی بیاہ کے موقع پر گانا بجانا اور ناچنا جائز ہے؟

جواب: شادی یا خوشی کے موقع پر خوشی کے گیت گانا اور سننا مستحب ہے تاکہ نکاح کا اعلان واِظہار ہو جائے۔ تاہم حدود سے تجاوز کرتے ہوئے لغو گانے گانا، سننا، اِختلاطِ مرد وزن اور لڑکے لڑکیوں کا مل کر ناچنا حرام ہے۔

سوال ۱۱۳: کیا اپنی شادی میں پہنا ہوا کپڑوں کا جوڑا فروخت کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! اپنی شادی میں پہنا ہوا کپڑوں کا جوڑا فروخت کر سکتے ہیں، اس

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح، ۲:۴۴۳، رقم:۱۸۹۶

میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سوال 114: کیا نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ کرنا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِزَيْنَبَ فَأَوْسَعَ الْمُسْلِمِينَ. (۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت زینب (بنت جحش) رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور اس میں مسلمانوں کو بہت وسعت کے ساتھ کھانا کھلایا۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح کی خبر حضور نبی اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا:

أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (۲)

تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے ہو۔

لہٰذا صاحبِ استطاعت کے لیے ضروری ہے کہ دعوتِ ولیمہ کرے اور اس میں غریبوں کا خاص خیال رکھے۔ اِستطاعت نہ رکھنے والے کے لیے قرض لے کر

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الصفرة للمتزوج، ۵:۱۹۷۹، رقم:۴۸۵۹

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الولیمة ولو بشاة، ۵:۱۹۸۳، رقم:۴۸۷۲

ولیمہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

سوال 115: اگر بچپن کے نکاح پر لڑکی بلوغت میں دوسرا نکاح کرلے تو کیا شرعاً دوسرا نکاح ہو جائے گا؟

جواب: بچپن میں نابالغ لڑکی کا نکاح کرنا بچی کے ساتھ ظلم ہے۔ چھوٹی عمر میں بچیوں کی شادی کر کے والدین کو اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہر چند کہ فقہی اعتبار سے نابالغ بچی کے لیے ولایت مجبرہ اور غیر مجبرہ کی تفریق ہے مگر بالغ ہونے کے بعد اس کے پاس حقِ خیارِ بلوغ بھی ہے کہ وہ بچپن میں کیے گئے نکاح کو ردّ کر کے دوسرا نکاح کر لے۔ جیسا کہ قرآن حکیم صحتِ نکاح کے لیے بلوغ شرط قرار دیتا ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ. (1)

اور یتیموں کی (تربیتاً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

احناف جن کے نزدیک نابالغ لڑکے لڑکیوں کا نکاح جائز ہے ان کے مطابق بھی اگر بعد میں باپ کی لاپرواہی، حماقت یا لالچ ثابت ہوجائے تو نکاح نہیں ہوگا بالغ ہونے پر لڑکی جہاں چاہے اپنی مرضی سے شادی کرسکتی ہے۔ علامہ شامی

---

(۱) النساء، ۴:۶

نے الدر المختار میں لکھا ہے:

لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقاً، وإن عرف لا يصح النكاح اتفاقاً. [1]

باپ دادا کے نکاح کرنے سے خیار بلوغ ختم اس وقت ہوگا جب ان سے غلط فیصلہ نہ ہو لاپرواہی یا فسق کی وجہ سے اور اگر غلط فیصلہ معلوم ہوجائے تو بالاتفاق نکاح غلط ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں مذکور ہے:

وإذا أدركت بالحيض لا بأس بأن تختار نفسها مع رؤية الدم. [2]

اگرلڑکی حیض کے ذریعے بالغ ہوئی تو خون دیکھتے ہی اسے اختیار حاصل ہوگا کہ بچپن کے نکاح کو برقرار رکھے یا رد کردے۔

بہر حال اگر نکاح کے وقت لڑکی، لڑکا نابالغ ہوں اور باپ دادا ان نابالغوں کا نکاح کر دیں تو نکاح ہوجاتا ہے لیکن بالغ ہونے پرلڑکے لڑکی کو اختیار ہوتا ہے کہ بچپن میں کیے ہوئے نکاح کو برقرار رکھیں یا اس کا انکار کردیں۔ لہٰذا لڑکی نے بالغ ہونے پر اگر پہلا نکاح قبول نہیں کیا تھا تو اب وہ آزاد ہے اپنی مرضی سے کہیں نکاح کرسکتی ہے۔

---

(۱) محمد بن علی علاء الدين الحصنی، الدر المختار، ۳: ۶۶، ۶۷

(۲) الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند، الفتاوى الهندية، ۱: ۲۸۶

سوال 116: اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کے لیے کسی شخص کو موزوں سمجھتا ہے تو وہ بیٹی پر کس حد تک دباؤ ڈال سکتا ہے یا اسے شادی کے لیے مجبور کر سکتا ہے؟

جواب: شریعتِ اسلامی نے ہر بالغ مسلمان مرد و عورت کو اپنی مرضی و پسند کی شادی کرنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ. (1)

تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى مَا يَدْعُوْهُ إِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ. (2)

جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اگر اس کی وہ خوبیاں جو اس شخص کو نکاح کی ترغیب دیں دیکھ سکتا ہے، تو ضرور دیکھے۔

قرآن و حدیث کے درج بالا حکم سے واضح ہوا کہ ہر بالغ مسلمان مرد و عورت کو اپنی مرضی سے شادی کا حق ہے۔ لیکن اگر والد یا سرپرست اپنی بیٹی کے لیے کسی شخص کو موزوں سمجھتے ہیں تو اسے پیار اور دلیل سے بہتر مشورہ دے سکتے ہیں

---

(1) النساء، ۴:۳

(2) ابوداؤد، السنن، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر إلی المرأة وهو یرید تزویجها، ۲:۱۹۲، رقم:۲۰۸۲

اور اسے سمجھا سکتے ہیں تا کہ دونوں کا متفقہ فیصلہ ہو سکے۔ نہ اولاد باغی ہو نہ والدین غلط دباؤ ڈالیں کہ نوبت بغاوت ، بے عزتی اور قتل و غارت تک پہنچ جائے کیونکہ مصالحت میں ہی خیر و برکت ہے۔ یہی شرعی تقاضا ہے اور اسی سے انجام بخیر ہوگا۔

سوال 117: کیا شرعاً بالغ لڑکی خود اپنا پیغامِ نکاح بھیج سکتی ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں نکاح کی نسبت جس طرح مرد کی طرف ہے اسی طرح عورت کی طرف بھی ہے۔ لہٰذا عاقل بالغ لڑکا، لڑکی اپنا پیغامِ نکاح شرعاً بھیج سکتے ہیں۔ والدین کو بھی ان کی رضا کے بغیر قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ اس پر تفصیلی بحث ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔

سوال 118: کیا ایک ہی شخص لڑکے، لڑکی دونوں کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ایک ہی شخص لڑکے، لڑکی دونوں کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے۔ وہ وکیل یا ولی لڑکے اور لڑکی دونوں کی جانب سے یہ کہہ دے کہ میں نے فلاں لڑکی کا فلاں لڑکے سے نکاح کر دیا تو نکاح ہو جاتا ہے۔ یعنی اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ ایک بار یوں کہے کہ میں فلاں لڑکی کا فلاں لڑکے سے نکاح کرتا ہوں اور دوسری بار یوں کہے کہ میں لڑکی کی طرف سے قبول کرتا ہوں اور تین بار دہرانے کی بھی ضرورت نہیں، صرف ایک بار گواہوں کے سامنے کہہ دینے سے نکاح ہو جائے گا۔

سوال 119: بہنوں کی وجہ سے بھائیوں کی شادی میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟

جواب: بہنوں کی وجہ سے بھائیوں کی شادی میں دیر کرنے کا شرعًا کوئی جواز نہیں۔ بہن اور بھائی دونوں اگر بالغ ہیں تو جس کا مناسب رشتہ ملے نکاح کر دینا چاہیے۔ تاہم بھائیوں کے شادی کی عمر تک پہنچنے کے ساتھ اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ وہ صاحبِ استطاعت ہوں۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ.(۱)

تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرے۔

سوال 120: دوسری شادی کے لیے مرد کو کن شرائط کا پابند ہونا چاہیے؟

جواب: دوسری شادی کے لیے قرآن حکیم میں عدل و انصاف کی شرط ہے۔ اگر عدل نہ کر سکے یا جسمانی و مالی لحاظ سے حقوقِ زوجیت ادا نہ کر سکے تو ایک پر ہی اکتفاء کرنا چاہیے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً.(۲)

تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه، ۲:۱۰۱۸، رقم:۱۴۰۰

(۲) النساء، ۴:۳

اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو)o

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ، ثُمَّ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ هٰذَا فِعْلِيْ فِيْمَا أَمْلِکُ، فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا لَا أَمْلِکُ. [1]

رسول اللہ ﷺ اپنی اَزواجِ مطہرات کے درمیان اوقات کی تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے: اے اللہ! یہ میرا فعل ہے جس کا مجھے اختیار ہے، تو میرے ان کاموں میں ملامت نہ کرنا جو میرے بس میں نہیں ہیں۔

سوال 121: پہلی بیوی کے حقوق پورے کیے بغیر دوسری شادی کے خواہش مند مرد کے لیے حکم کیا ہے؟

جواب: پہلی بیوی کے حقوق مثلاً نان و نفقہ اور اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری نہ کرنے کی صورت میں مرد دوسری شادی کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسلام تو ایک شادی کی بھی مشروط اجازت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَيْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا [2]

---

(۱) ابن حبان، الصحیح، ۱۰:۵، رقم:۴۲۰۵

(۲) النساء، ۴:۳

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو○

سوال 122: مسلم فیملی لاء آرڈیننس کی رُو سے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنے والے مرد کے لیے سزا کیا ہے؟

جواب: مرد پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ دوسری شادی کر لیتا ہے تو اس صورت میں مسلم فیملی لاء آرڈیننس 1965ء کی دفعہ 6[5(b)] کے مطابق اسے سات سال قید یا ایک لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں بھی ہوسکتی ہیں، تاہم اس کا دوسرا نکاح برقرار رہے گا۔

سوال 123: اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کے درمیان عدل نہ رکھ سکے تو اس کے لیے کیا وعید سنائی گئی ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کے درمیان عدل نہ رکھ سکے تو اس کے لیے سخت وعید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ کَانَتْ لَهُ إِمْرَأَتَانِ، فَمَالَ مَعَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى، جَاءَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ وَأَحَدُ شِقَّيْهِ سَاقِطٌ.[1]

جس آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ دوسری کے مقابلے میں ایک کو زیادہ ترجیح دے (یعنی معاملات میں عدل نہ کرے) تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط ہوگا۔

سوال 124: شوہر اگر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: شوہر اگر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو ایسی عورت کے لیے سخت وعید ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ، فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ.[2]

---

(۱) ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۷، رقم: ۴۲۰۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمين والملائكة في السماء، فوافقت إحداهما الأخرى غفر له ما تقدّم من ذنبه، ۳: ۱۱۸۲، رقم: ۳۰۶۵

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب النكاح، باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، ۵: ۱۹۹۳، رقم: ۴۸۹۷

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، ۲: ۱۰۶۰، رقم: ۱۴۳۶

جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو قربت کے لیے بلائے اور وہ (بغیر کسی صحیح عذر کے) اِنکار کر دے، اور وہ شخص اس سے ناراضگی کی حالت ہی میں رات بسر کر لے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں (کیونکہ یہ طرزِ عمل شوہر کے دِین اور ایمان کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهَا فَتَأْبٰى عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا.(۱)

اُس رب کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جس شخص نے اپنی بیوی کو (ازدواجی تعلق کے لیے) بلایا اور وہ (بغیر عذر کے) اِنکار کر دے تو اُس سے آسمانوں میں موجود رب (تعالیٰ) اُس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اُس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

سوال 125: اگر کوئی شخص اس نیت سے نکاح کرے کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا اور پھر نہ دے تو کیا اس کا نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟

جواب: معینہ مدت کے لیے نکاح کرنا متعہ ہے جو حرام ہے۔ پھر اگر طلاق نہ دے تو طلاق واقع نہیں ہو گی بلکہ نکاح برقرار رہے گا۔

---

(۱) ا۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، ۲: ۱۰۶۰، رقم: ۱۴۳۶

سوال 126 : کیا ایسا عمل جائز ہے جس کے ذریعے زوجین کو حقِ مجامعت یا اولاد پیدا کرنے سے روکا جائے؟

جواب: اسلام ایسے ہر طریقہ کے خلاف ہے جس میں مرد اور عورت کے درمیان حق زوجیت (عقد) کو کسی بھی طرح ضعف پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو یا زوجین کو حق مجامعت سے روکا جائے یا معاش اور تنگیِ رزق کے باعث ایسا عمل اختیار کیا جائے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۝[1]

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں (بھی) روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۝

سوال 127 : کیا شرع کی رو سے حمل ساقط کروانا جائز ہے؟

جواب: ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ گزرنے سے پہلے اگر کسی عذر کی وجہ سے حاملہ عورت اِسقاطِ حمل کروانا چاہے تو کرواسکتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَيُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ عَمَلَهُ، وَرِزْقَهُ، وَأَجَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ.[1]

تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے بطن میں (نطفہ کی صورت میں) چالیس دن گزارتا ہے، پھر اتنا عرصہ علقۃ اور اتنا ہی عرصہ مضغۃ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: رزق، عمر، نیک بخت یا بد بخت۔ پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے فقہاء کرام نے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر حاملہ چاہے تو ایک سو بیس دن گزرنے سے پہلے اِسقاط حمل کر سکتی ہے۔

جیسا کہ کتب فقہ میں ہے:

هل يباح الاسقاط بعد الحبل؟ يباح ما لم يتخلق شيء منه. ثم في غير موضع ولا يكون ذٰلک إلا بعد مائة وعشرين يومًا.[2]

کیا حمل ٹھہرنے کے بعد ساقط کرنا جائز ہے؟ (ہاں) جب تک اس کی تخلیق نہ ہو جائے، جائز ہے۔ پھر متعدد مقامات پر تصریح ہے کہ تخلیق کا عمل ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ بعد ہوتا ہے۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ۳:۱۱۷۴-۱۱۷۵، رقم:۳۰۳۶

(۲) ۱۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۳:۲۱۵

۲۔ ابن الهمام، شرح فتح القدیر، ۳:۴۰۱

سوال 128: کیا خاندانی منصوبہ بندی (family planning) جائز ہے؟

جواب: خاندانی منصوبہ بندی (family planning) پانچ صورتوں میں جائز ہے:

۱۔ میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو کہ کثرتِ تولد کی وجہ سے عورت کی جان کو خطرہ ہے۔

۲۔ میڈیکل رپورٹ سے ظاہر ہو کہ پیدا ہونے والے بچے کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔

۳۔ میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ظاہر ہو کہ کثرتِ تولد کی وجہ سے عورت کی صحت کو ایسا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے کہ اس کی صحت گر جائے گی، بیمار رہنے لگے گی اور شفایابی مشکل ہوگی۔

۴۔ میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو کہ پیدا ہونے والا بچہ صحت مند اور توانا نہیں ہوگا بلکہ مستقل بیمار رہے گا۔

۵۔ انسان یقین کی حد تک محسوس کرے کہ اُس کے وسائل اس قدر نہیں کہ زیادہ اولاد کی صورت میں حلال ذرائع سے بچوں کی کفالت کر سکے گا اور نتیجتاً اُسے حرام ذرائع اختیار کرنا پڑیں گے۔

ان پانچ صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے تاکہ ماں اور بچے کی زندگی اور صحت محفوظ رہے اور اس کا اپنا دین بھی محفوظ رہے۔ اگر اس کے معاشی

حالات اَبتر ہوں (رزق کی بنیاد پر نہیں کیونکہ رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے) لیکن اگر حالات ایسے ہوں کہ وہ یقین کی حد تک محسوس کرے کہ اولاد کی کثرت اور ذمہ داریوں کا بوجھ اتنا زیادہ ہو جانے کی وجہ سے جائز اور حلال وسائل کافی نہ ہوں گے اور اسے اپنے بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت کے لیے رشوت، غبن، چوری اور بددیانتی کرنا پڑے گی اور اس کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حرام رزق گھر میں آنے لگے گا تو ایسی صورت میں اولیت دین و ایمان کو حاصل ہے، اسے کثرت اولاد سے بچنا چاہیے۔ ائمہ کرام اور بہت سے علماء کا فتوی ہے کہ اگر یہ خدشہ ہو کہ کثرت اولاد سے وہ بچوں کو رزقِ حلال نہیں کھلا سکے گا تو اس صورت میں خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے۔

سوال 129: کیا دورانِ حمل لڑکی ہونے کی صورت میں اسقاطِ حمل جائز ہے؟

جواب: جی نہیں! دورانِ حمل ایکسرا یا الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے اگر معلوم ہو جائے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکی ہے تو اس صورت میں حمل گرا دینا سخت گناہ اور ناجائز عمل ہے۔ کیونکہ پیدائش سے قبل ماں کے پیٹ میں احادیث کے مطابق چار ماہ بعد بچہ میں روح پھونک دی جاتی ہے اور اس کے بعد اس پیدا ہونے والے بچے کے احکامات زندہ بچوں جیسے ہوتے ہیں۔ مکمل صورت بن جانے کے بعد حمل گرانا بچے کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ.[1]

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۳۱

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو۔

سوال 130: اگر چار ماہ کے حمل کے بعد ڈاکٹرز کے مطابق بچہ معذور ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حمل ساقط کروایا جائے یا نہیں؟

جواب: جی نہیں! چارہ ماہ یعنی ایک سو بیس دن گزرنے کے بعد کسی بھی صورت میں حمل ساقط کروانا جائز نہیں کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق ایک سو بیس دن کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا رزق، عمر اور قسمت لکھ دی جاتی ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ لہٰذا ڈاکٹرز کی رپورٹ کے مطابق اگر بچہ معذور بھی ہو تو ایسی صورت میں حمل ساقط نہیں کروایا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتمار رکھتے ہوئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور اس کی بارگاہ میں اچھی امید وابستہ کی جائے۔

سوال 131: کیا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کروانا جائز ہے؟

جواب: شرعاً ٹیسٹ ٹیوب بے بی جائز ہے کیونکہ بسا اوقات رحم مادر (uterus) کی ٹیوب بند ہوتی ہے یا رحم کی ٹیوبز تنگ ہوتی ہیں، یا کوئی ایسی خرابی ہوتی ہے کہ زوجین کے قدرتی ملاپ کے نتیجے میں سپرم (sperm) اندر نہیں جا سکتے اور استقرارِ حمل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورتوں میں ڈاکٹرز شوہر کا سپرم اور بیوی کا اووم (ovum) لے کر ایک ٹیوب میں ان کا ملاپ کر دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حمل ٹھہرنے کا مرحلہ ماں کے پیٹ میں ہونے کی بجائے لیبارٹری میں انجام پاتا ہے۔ جب ٹیوب میں یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے تو اسے احتیاط کے ساتھ ماں کے رحم میں منتقل کر دیا

جاتا ہے اور حمل کے اگلے مراحل بچہ ماں کے پیٹ میں ہی طے کرتا ہے۔

سوال 132: رضاعت کتنی عمر تک ثابت ہوتی ہے؟

جواب: بچہ ہو یا بچی، دونوں کو دو برس تک دودھ پلایا جائے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ج لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ م بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ج فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (1)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ

---

(۱) البقرة، ۲:۲۳۳

دونوں باہمی رضا مندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے○

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡلِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ○[1]

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) تاکیدی حکم فرمایا، جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے (اسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے○

علامہ ابوبکر علاؤ الدین الکاسانی فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة: ثلاثون شهراً ولا يحرم بعد ذٰلک سؤفطم اولم يفطم قال ابو يوسف و محمد حولان لا يحرم بعد ذلک فطم اولم يفطم وقول الشافعي.[2]

(۱) لقمان، ۱۴:۳۱

(۲) الکاسانی، بدائع اصنائع، ۶:۴، دار الکتاب العربی، بیروت

امام اعظم ابو حنیفہ ﷜ کے نزدیک مدتِ رضاعت تیس مہینے ہے، اس کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی چاہے بچے کا دودھ چھڑایا گیا ہو یا نہ چھڑایا گیا ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھما اللہ کے نزدیک یہ مدت دو سال ہے، اس کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی چاہے دودھ چھڑایا گیا ہو یا نہ چھڑایا گیا ہو۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ دو سے اڑھائی سال کے دوران کسی عورت کا دودھ بچے کے پیٹ میں جانے سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک مدت رضاعت دو سال، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اڑھائی سال ہے۔ امام اعظم کا موقف احتیاط کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔

سوال 133: اگر کسی شخص نے اپنی سالی سے نکاح کر لیا تو کیا اُس کا پہلا نکاح قائم رہے گا؟

جواب: اگر کسی شخص نے اپنی سالی سے نکاح پڑھا لیا تو اس کا پہلا نکاح بدستور قائم رہے گا، لیکن سالی سے اس کا نکاح ہوا ہی نہیں کیونکہ شرعاً بیوی کی بہن سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○[1]

اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو

(۱) النساء، ۴:۲۳

سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے○

سوال 134: کیا سوتیلی ماں اور بیٹی کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سوتیلی ماں اور بیٹی بیک وقت بھی اور الگ الگ بھی ایک شخص کے نکاح میں آ سکتی ہیں۔ فقہاے کرام نے قرآن و سنت کے اصولوں کی روشنی میں فرمایا ہے کہ دو ایسی عورتیں کسی شخص کے نکاح میں آ سکتی ہیں جن میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو ان کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے مگر دوسری کو مرد فرض کیا تو دونوں میں نکاح ہوسکتا ہو۔ ایسی عورتوں کو ایک وقت میں ایک ہی شخص اپنے نکاح میں جمع کر سکتا ہے اور یکے بعد دیگرے اپنے نکاح میں لا سکتا ہے۔ امام مرغینانی لکھتے ہیں:

ولا باس بأن يجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل. لأَن ابنة الزوج لو قدرتها ذكرا لا يجوز له التزوج بامرأة أبيه. امرأة الاب لو صورتها ذكرا جاز له التزوج بهذه. والشرط أن يصور ذلك من كل جانب.[1]

عورت اور اس کے خاوند کی پہلی بیوی سے بیٹی کو جمع کرنے میں حرج نہیں کیونکہ خاوند کی بیٹی کو مرد فرض کریں تو اس مرد پر باپ کی بیوی سے نکاح ناجائز تھا۔ لیکن اگر باپ کی بیوی کو مرد تصور کریں تو اس مرد کے ساتھ اس

(۱) مرغینانی، الهداية، ۱:۱۹۲

شخص کی بیٹی سے نکاح جائز تھا۔ شرط یہ ہے کہ حرمت دونوں طرف سے ہو۔

صورت مذکورہ میں سوتیلی ماں کو مذکر یعنی مرد فرض کریں تو اس لڑکی سے اس کا کوئی رشتہ نہیں اور لڑکی کو لڑکا فرض کریں تو اس لڑکے پر اس کی سوتیلی ماں حرام ہے کیونکہ اس کے باپ کے نکاح میں آ گئی ہے اور قرآن حکیم میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.[1]

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں۔

ایک نکاح میں دونوں کا جمع کرنا تب حرام تھا جب دونوں کو باری باری مرد فرض کریں تو ان کا آپس میں نکاح ناجائز ہوتا۔ یہاں ایک کو مرد فرض کریں تو نکاح دوسری سے ناجائز اور دوسری کو فرض کریں تو جائز ہے۔ لہٰذا حرمتِ جمع کی کوئی صورت نہ پائی گئی، اس لیے نکاح جائز ہے۔

سوال 135: اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرنے کے بعد توبہ کرلے تو کیا اس کے بعد اسی عورت کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: جی نہیں! اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرنے کے بعد توبہ کرلے تو اس کے بعد اسی عورت کی بیٹی سے نکاح نہیں کرسکتا کیونکہ شرع میں حرمتیں جس طرح نکاح سے ثابت ہوتی ہیں اسی طرح بدکاری سے بھی ثابت ہوجاتی ہیں۔ جیسے منکوحہ کی ماں، نانی اوپر تک دادی، بیٹی، پوتی، نواسی نیچے تک۔ نکاح کرنے والے پر

---

(۱) النساء، ۴:۲۲

حرام ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح بدکار پر مزنیہ کی ماں اور اوپر تک دادی اور تمام اولاد نیچے تک حرام ہو جاتی ہے۔ امام مرغینانی لکھتے ہیں:

مَنْ زَنَا بامرأة حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُمِّهَا وَبنتها. [1]

جس نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہیں۔

سوال 136: کیا بدکار مرد کا نکاح بدکار عورت سے نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! بدکار مرد کا نکاح بدکار عورت سے ہوسکتا ہے اور قرآن و سنت کا بھی یہی حکم ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ○ [2]

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے (مخصوص) ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے لیے ہیں، اور (اسی طرح) پاک و طیب عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے (مخصوص) ہیں اور پاک و طیب مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں ○

فقہاے کرام فرماتے ہیں:

إذا تزوج امرأة قد زنى هو بها وظهر بها حبل، فالنكاح جائز عند

---

(۱) مرغيناني، الهداية، ۱۹۲:۱

(۲) النور، ۲۶:۲۴

الكل، وله أن يطأها عند الكل. [۱]

جب کسی شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے اسی نے بدکاری کی تھی اور وہ حاملہ ہوگئی، تو یہ نکاح تمام علماء کے نزدیک جائز ہے۔ سب کے نزدیک وہ شخص اس عورت سے قربت کرسکتا ہے۔

سوال 137: بدکار مرد کا بدکار حاملہ سے نکاح کی صورت میں پیدا ہونے والی اولاد کا نسب کس کی طرف ہوگا؟

جواب: بدکار مرد کا بدکار حاملہ سے نکاح کے بعد اگر پورے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد اولاد پیدا ہوئی تو اس صورت میں پیدا ہونے والی اولاد کا نسب اسی مرد کی طرف ہوگا۔ اگر اولاد چھ ماہ سے پہلے پیدا ہوئی تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ وہ اولاد اس کی وارث ہوگی۔ کیونکہ بدکاری سے نسب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ. [۲]

بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگا اور بدکار کے لیے محرومی ہے۔

امام حصکفی 'الدر المختار' میں رقم طراز ہیں:

فيه زنا لا يثبت به النسب. [۳]

---

(۱) فتاوی عالمگیری، ۱:۲۸۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الفرائض، باب الولد للفراش، ۶:۲۴۸۱، رقم:۶۳۶۸

(۳) حصکفی، الدر المختار، ۱:۲۶۳

بدکاری سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن اس بچے کی دیکھ بھال انہی کے ذمہ ہوگی۔

سوال 138: چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے شادی کی تو اس سے ہونے والی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: مرد کے لیے شریعت نے بیویوں کی تعداد مقرر کی ہے، بیک وقت چار عورتوں سے مرد کا نکاح کرنا درست ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [1]

ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے)۔

مگر اس کی اجازت اس وقت ہے، جب ہر بیوی کے شرعی حقوق کی ادائیگی ممکن ہو۔ بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے کوئی مرد نکاح نہیں کرسکتا حتیٰ کہ اگر چار میں سے چوتھی کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت میں ہے پانچویں سے شادی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا چار کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح منعقد ہی نہ ہوا اور جب نکاح صحیح نہ ہوا تو اس سے ہونے والی اولاد کا نسب بھی ثابت نہیں ہوگا اور نہ وہ وراثت میں حصہ دار ہوگی۔

---

(۱) النساء، ۴:۳

سوال 139: اگر ساس کو شہوت کے ساتھ چھوا تو کیا اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟

جواب: جی ہاں! اگر ساس کو شہوت کے ساتھ چھوا تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی اور اس کا نکاح جو اس کی بیٹی سے تھا ٹوٹ جائے گا اور اس کی ساس کی بیٹی (یعنی اس کی بیوی) اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ ساس حرام ہوئی اپنی بیٹی کی وجہ سے یعنی مرد کی بیوی کی وجہ سے اور اب بیوی حرام ہوئی اپنی ماں یعنی ساس کی وجہ سے۔ بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا ہے اور اب عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

جیسا کہ فقہاء کا بھی موقف ہے:

ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه أمها وبنتها. [1]

اور جس نے کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا تو اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہیں۔

فقہاے اَحناف کے نزدیک شہوت سے چھونے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

سوال 140: اگر سسر نے اپنی بہو کے ساتھ زیادتی کی تو کیا اس لڑکی کا نکاح اس کے بیٹے کے ساتھ قائم رہا یا نہیں؟

جواب: جی نہیں! اگر سسر نے اپنی بہو کے ساتھ زیادتی کی تو اب وہ بہو اس بدکار

(۱) مرغینانی، الهداية، ۱:۱۹۲

کی اولاد اور باپ یعنی اصول وفروع پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ اس کے بیٹے کے ساتھ اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ یہ حرمتِ مؤکدہ ہے۔ یعنی اب کبھی کسی صورت اس کے بیٹے سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ چونکہ پہلے بیٹے سے نکاح ہوا تھا، لہٰذا اس شخص یعنی سسر پر حرام تھی، اب سسر کی بدکاری سے بیٹے پر بھی حرام ہوگئی۔

4

مہر کے اَحکام
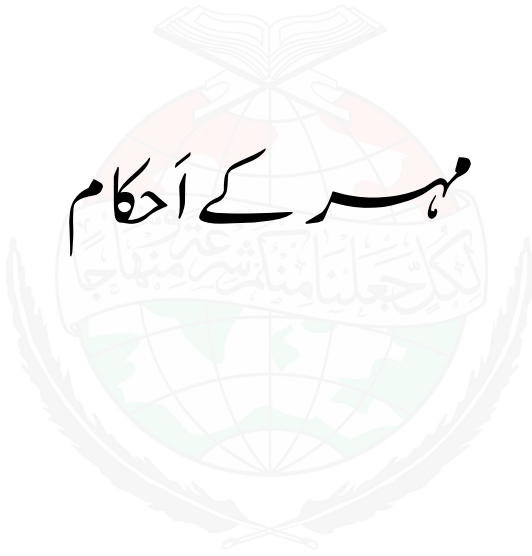
سوال 141: مہر کسے کہتے ہیں؟

جواب: مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جس کے عوض شرعاً مرد کو عورت پر حقِ زوجیت حاصل ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ. [1]

اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں تاکہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلبِ نکاح کرو پاک دامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔

عربی زبان میں مہر کے لیے **النحلة، الصداق، العقر، الأجرة، الصدقة، العطية، العلائق، الحباء** کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ نکاح کے موقع پر مہر کا تقرر ضروری ہے۔ [2]

سوال 142: مہر کے صحیح ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: مہر کے صحیح ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

---

(۱) النساء، ۴:۲۴

(۲) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۵:۱۸۴

۲۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ۳:۱۵۲

۱۔ مہر مالِ متقوم ہو یعنی جس کی قیمت لگائی جا سکے۔ ایسی معمولی شے جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے گندم کا ایک دانہ وغیرہ مہر نہیں ہوسکتا۔

۲۔ مہر پاک شے (حلال) ہو جسے استعمال میں لانا درست ہو۔ لہٰذا مہر میں شراب، سور، خون یا مردار دینا جائز نہیں کیونکہ شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں ان اشیاء کی کوئی مالیت نہیں۔

۳۔ مغصوب نہ ہو یعنی غصب کردہ مال نہ ہو۔ اگر غصب شدہ مال کو مہر قرار دیا تو یہ درست نہ ہوگا، تاہم عقد نکاح درست ہوگا اور حقیقی مالک کی اجازت سے عورت اس کی حق دار ٹھہرے گی ورنہ متعین مال کی قیمت کے برابر مال مہر کی حق دار ہوگی۔

۴۔ صحتِ مہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مہر واضح ہو کہ کتنا مہر مقرر ہوا ہے۔

سوال 143: شرعاً مہر کی اقسام کیا ہیں؟

جواب: شرعاً مہر کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔ مہر مسمّٰی

۲۔ مہر معجّل

۳۔ مہر مؤجل

۴۔ مہر مطلق

۵۔ مہر منجم

۶۔ مہر مثل

سوال 144: مہر مسمی کسے کہتے ہیں؟

جواب: مہر مسمی اس مہر کو کہتے ہیں جس کی مقدار زوجین کے درمیان متعین و مقرر ہو۔ اس کی حسب ذیل دو اقسام ہیں:

۱۔ مہر معجّل

۲۔ مہر مؤجل

سوال 145: مہر معجّل کسے کہتے ہیں؟

جواب: معجّل کا لفظ 'عجل' سے ہے، جس کا معنی 'جلدی کرنا' اور 'سبقت کرنا' کے ہیں۔ اِصطلاحی طور پر معجّل سے مراد ایسا مہر ہے جو بوقتِ نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا بیوی کے مطالبہ پر ادا کرنا لازم ہو۔[۱]

سوال 146: مہر مؤجل کسے کہتے ہیں؟

جواب: مؤجل کا مادہ 'اجل' ہے اوراَجّلَ الشیٔ سے مراد کسی چیز کی مدت مقرر کرنا یامہلت دینا ہے۔ اس طرح مہرِ مؤجل سے مراد ایسا مہر ہے جس کی ادائیگی کے لیے فریقین کے مابین میعاد مقرر کی گئی ہو، مثلاً سال یا دو سال وغیرہ اور اگر کوئی مدت معین نہ کی جائے تو پھر یہ طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابلِ ادائیگی ہوتا ہے۔[۲]

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱:۱۱

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱:۱۱

سوال 147: مہر مطلق کسے کہتے ہیں؟

جواب: مہر مطلق وہ ہے جو نہ معجّل ہو نہ موجل یعنی زوجین کی باہمی رضامندی سے اس کی ادائیگی شوہر جب چاہے کر سکتا ہے۔ اس قسم کے مہر کی وصولی کے لیے بیوی شرعی طور پر مُجاز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو شوہر سے روکے رکھے۔

سوال 148: مہر منجم کسے کہتے ہیں؟

جواب: منجم کا مادہ **نَجَمَ** ہے جس کا معنی قرض کو قسطوں میں ادا کرنا ہے۔ مہر **مُنجِم** سے مراد ایسا مہر جس کے متعلق زوجین میں یہ طے پایا جائے کہ اس کی ادائیگی یک مشت نہیں بلکہ قسط وار ہوگی۔

سوال 149: مہر مثل کسے کہتے ہیں؟

جواب: مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو عورت کے باپ کی رشتہ دار عورتوں مثلاً پھوپھیوں، سگی بہنوں اور چچا زاد بہنوں کو دیا گیا ہو۔ مہر مثل کے تعین کے لیے جہاں عورتوں کی عمر، حسن و جمال، علم و عقل، دین داری اور کردار کا لحاظ کیا جائے گا، وہیں ان عورتوں کے شوہروں کے حسب اور مال کو بھی دیکھا جائے گا۔ علاوہ ازیں مندرجہ بالا چیزوں کے اختلاف سے مہر میں بھی اختلاف ہوگا۔

سوال 150: مہر مثل کب واجب ہوتا ہے؟

جواب: مہر مثل اس وقت واجب ہوتا ہے جب نکاح میں مہر کا قطعاً ذکر نہ کیا گیا ہو یا ذکر ہو لیکن وہ مبہم (نامعلوم) ہو یا مہر میں ایسی چیز رکھی گئی ہو جو شرعاً حلال نہ ہو۔

علاوہ ازیں نکاح فاسد میں اگر مباشرت ہو جائے تو مہر مثل کا حکم ہے، خواہ مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ اگر مہر مقرر ہو تو چاہیے کہ مہر مثل کی مقدار اس طے شدہ مہر سے زیادہ نہ ہو، ورنہ مہر طے شدہ ہی واجب الادا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے شادی کی لیکن نہ تو مہر مقرر کیا اور نہ ہی مباشرت کی اور پھر وہ فوت ہوگیا (تو اس کا کیا حکم ہے؟) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کے برابر اس کا مہر ہوگا (یعنی مہر مثل)، نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ۔ اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے ترکہ بھی ہے۔ معقل بن سنان اشجعی نے اٹھ کر کہا ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔[۱]

سوال 151: کم از کم مہر کتنا ہونا چاہیے؟

جواب: احادیث مبارکہ کی روشنی میں کم اَز کم مہر یعنی ابتدائی مہر دس درہم ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا مَهْرَ دُوْنَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.[۲]

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرض لها، ۲: ۴۵۰، رقم: ۱۱۴۵

(۲) ۱۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۲۱۵، رقم: ۱۳۷۶۰

۲۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۲۴۴، ۲۴۵، رقم: ۱۱

دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا صَدَاقَ دُوْنَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ. (۱)

دس درہم سے کم کچھ مہر نہیں ہے۔

عورت کا حق مہر کم از کم دس درہم رکھا جائے۔

نوٹ: دس درہم سے مُراد موجودہ کاغذی کرنسی نہیں بلکہ وہ جنس یا مالیت (Value) ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے میں فرمائی تھی۔

سوال 152: زیادہ سے زیادہ مہر کتنا ہونا چاہیے؟

جواب: زیادتی کی جانب شریعت اسلامی میں کوئی مقدار معین نہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق دس ہزار، بیس ہزار، پچاس ہزار اور اس سے بھی زیادہ مہر مقرر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس کے لیے مہر کی انتہائی حد مقرر کرنی چاہی لیکن ایک عورت نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ درج ذیل آیت کی رو سے آپ کو ایسا کرنے کا حق حاصل نہیں:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ط اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ○ (۲)

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۲۴۰، رقم: ۱۴۳۸۴

۲۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۲۴۵، رقم: ۱۲

(۲) النساء، ۴: ۲۰

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔ کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس) لوگے ○

اس پر حضرت عمر ﷺ نے اپنی تجویز واپس لیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ امْرَأَةً خَاصَمَتْ عُمَرَ، فَخَصَمَتْهُ.[1]

ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور وہ اُس پر غالب آ گئی۔

یہ روایت ابو عبد الرحمان السلمی سے مروی ہے، جب کہ عبد اللہ بن مصعب سے مروی روایت کے مطابق حضرت عمر بن خطاب ﷺ نے فرمایا:

إِمْرَأَةٌ أَصَابَتْ، وَرَجُلٌ أَخْطَأَ.[2]

عورت نے صحیح بات کی اور مرد نے خطا کی۔

لہٰذا زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۶:۱۸۰، رقم:۱۰۴۲۰
۲۔ أبو اسحاق فیروز آبادی، التبصرة:۳۹۳
۳۔ آمدی، الإحکام، ۱:۳۱۵
۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۴۶۷
۵۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۲۰۴

(۲) ۱۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضله، ۱:۱۳۱
۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱:۲۸۶-۲۸۷
۳۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵:۹۹
۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۴۶۷
۵۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹:۲۰۴

سوال 153: ازواجِ مطہرات کا حق مہر کتنا تھا؟

جواب: حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کا حق مہر کتنا رکھتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ اثْنَتِيْ عَشْرَةَ أُوْقِيَّةً وَنَشًّا. قَالَتْ. أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا. قَالَتْ: نِصْفُ أُوْقِيَّةٍ. فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ. فَهٰذَا صَدَاقُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لِأَزْوَاجِهِ.[1]

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کا حق مہر بارہ اوقیہ اور ایک نَش رکھتے تھے۔ پھر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ نَش کتنی مقدار کو کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: نصف اوقیہ اور یہ (کل مقدار) پانچ سو درہم ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی اَزواج کا مہر ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر ان کا آزاد کرنا مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔[2]

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب الصداق، ۲:۱۰۴۲، رقم:۱۴۲۶

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاقهِ أمة ثم یتزوجها، ۲:۱۰۴۵، رقم: ۱۳۶۵

۲۔ ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب فی الرجل یعتق أمته ثم یتزوجها، ۲: ۱۸۱، رقم: ۲۰۵۴

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

وہ حضرت عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں تو ان کا سرزمین حبشہ میں انتقال ہوگیا۔ تو نجاشی بادشاہ نے ان کا نکاح حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کر دیا اور انہیں چار ہزار درہم مہر ادا کیے اور حضرت شرجیل بن حسنہ کے ساتھ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ امام ابو داؤد نے فرمایا کہ ان کی والدہ کا نام حسنہ ہے۔ (۱)

گویا اسلام نے دیگر معاملات کی طرح مہر کے مسئلے میں بھی کسی کو کمی بیشی پر مجبور نہیں کیا بلکہ مختلف مثالیں پیش کر دی ہیں تا کہ ہر شخص اپنی استطاعت اور صواب دید کے مطابق مہر کا انتخاب کر سکے اور عورتوں کو اس میں اپنی حق تلفی بھی محسوس نہ ہو۔

سوال 154: سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا حق مہر کتنا تھا؟

جواب: سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو درہم تھا جو بارہ اوقیہ سے کسی قدر کم تھا۔ (۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لَا تُغَالُوا صَدَاقَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ كَانَ أَوْلَاكُمْ وَأَحَقَّكُمْ بِهَا مُحَمَّدٌ مَا أَصْدَقَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ

(۱) ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب الصداق، ۲: ۲۰۰، رقم: ۲۱۰۷

(۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اشعة اللمعات، ۳: ۱۳۷

وَلَا أُصْدِقَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَكْثَرَ مِنِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً.[1]

مہر زیادہ نہ باندھا کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت اور خدا کے ہاں تقویٰ کی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے سب سے زیادہ حقدار محمد ﷺ تھے۔ لیکن آپ نے اپنی کسی زوجہ یا دختر کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ باندھا۔

سوال 155: حق مہر کب ادا کرنا چاہیے؟

جواب: حق مہر نکاح کے وقت ہی ادا کرنا چاہیے۔ اگر نقد روپیہ نہ ہو تو زیورات کی صورت میں لڑکی کو حق مہر دے دیا جائے اور اسے مالک بنا دیا جائے۔ مہر کی رقم دراصل بیوی کا حق ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ لازمی ہے۔ جو لوگ اسے ساری عمر ادا نہیں کرتے، وہ مقروض مرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے سبک دوش ہونے کے لیے مرد کے پاس سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ عورت اسے مہلت دے دے یا اس پر احسان کر کے برضا و رغبت اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور اس کی ناداری کا لحاظ کرتے ہوئے بخوشی معاف کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا ○[2]

اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر)

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب صداق النساء، ۲: ۴۳۸، رقم: ۱۸۸۷

(۲) النساء، ۴:۴

میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) سازگار اور خوش گوار سمجھ کر کھاؤ○

سوال 156: جنسِ مہر کا تعین وقتِ نکاح ہو گا یا وصولی مہر کے وقت؟

جواب: جنسِ مہر کا تعین نکاح کے وقت سے ہوگا، وصولیِ مہر کے وقت نہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص ایسی چیز کو حق مہر قرار دیتا ہے جو ماپنے یا تولنے والی یا گنتی میں آنے والی ہے اور عقد کے وقت اس کی مالیت دس درہم یا اس سے زائد تھی لیکن ابھی ادائیگی مہر نہ ہوئی تھی کہ اس کی مالیت دس درہم سے کم ہوگئی تو اب عورت کو یہ حق نہیں کہ پورے دس درہم کی مالیت کا مطالبہ کرے کیونکہ اس صورت میں عقد کے وقت جو مالیت تھی اُسی کا اعتبار ہوگا۔ اس کے برعکس اگر مہر ایسی چیز کا ہو جس کی مالیت عقد کے وقت آٹھ درہم تھی تو مہر وصول کرنے کے وقت تک دو درہم کا اضافہ ہوگیا تو اب یہ مزید دو درہم کا مطالبہ کر سکتی ہے اگرچہ اس چیز کی قیمت اب دس درہم ہی ہوگئی ہو۔

سوال 157: مہر میں کون کون سی اشیاء دینا جائز ہیں؟

جواب: مہر میں ایسی اشیاء دینا جائز ہیں جن سے مستفید ہونا شرعاً درست ہو اور جو اپنے اندر مالیت رکھتی ہو۔ چنانچہ نقدی، مالِ تجارت، جائیداد، کمپنی کے حصص (shares) یا منافع (dividend)، بیمہ پالیسی وغیرہ مہر میں دینا جائز ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس شے پر قبضہ اور تصرف ہو۔ جبکہ خنزیر کا گوشت یا شراب کسی عورت کا مہر نہیں ہوسکتی۔

سوال 158: کیا مہر میں جنس کی تعداد یا قسم بتانا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! مہر میں جنس کی تعداد یا قسم بتانا ضروری ہے کیونکہ جنس وہ لفظ ہے جس کے مفہوم میں متعدد اشیاء آتی ہیں جن کے متعلق اَحکامِ شرعیہ بھی مختلف ہوں۔ مثلاً کپڑا کہ وہ سوتی، ریشمی اور دیگر کئی قسموں کا ہوتا ہے اور ان سب کے شرعی احکام مختلف ہیں۔ اسی طرح لفظ انسان مرد اور عورت دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور ان دونوں کے احکامِ شرعیہ مختلف ہیں۔ لہٰذا اگر مہر میں کپڑا کہا گیا اور اس کی قسم نہ بتائی گئی کہ وہ سوتی ہوگا یا ریشمی ہوگا تو یہ مہر درست نہیں ہوگا کیونکہ اس میں جنس بتائی گئی ہے، قسم نہیں بتائی گئی۔

اس لیے اصول یہ ہے کہ جس شے کا مہر مقرر کرنا درست نہیں ہے اگر اس کا نام لیا جائے تو وہ مہر مثل قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اگر مہر میں کوئی جانور بتایا گیا اور یہ نہ کہا کہ وہ گھوڑا ہوگا یا اونٹ یا گدھا تو یہ لغو بات ہوگی اور عورت کا مہر، مہر مثل قرار پائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جس میں مہر کی جنس بتائی جائے اور اس کی نوع (قسم) نہ بیان کی جائے لیکن اگر قسم تو بتا دی لیکن اس کی خصوصیات نہ بتائی گئیں تو جو چیز مہر مقرر کی گئی وہ اوسط درجہ کی شمار ہوگی۔

5

مہر سے متعلقہ مسائل

سوال 159: کیا حق مہر کے بغیر بھی نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! حق مہر کے بغیر بھی نکاح ہوسکتا ہے۔ لیکن شرعاً مہر لازم تصور کیا جائے گا اور مرد پر مہرِ مثل واجب ہوگا۔ اگر نکاح اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تو شرط ساقط ہو جائے گی اور مہرِ مثل واجب ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے شادی کی لیکن نہ تو مہر مقرر کیا اور نہ ہی مباشرت کی اور پھر وہ فوت ہوگیا (تو اس کا کیا حکم ہے؟) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کے برابر اس کا مہر ہوگا (یعنی مہرِ مثل)، نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ۔ اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لیے ترکہ بھی ہے۔ معقل بن سنان اشجعی نے اٹھ کر کہا ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔[1]

سوال 160: شرعاً سوا بتیس روپے مہر کا حکم کیا ہے؟

جواب: شرعاً سوا بتیس روپے مہر کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، مہر کی کم از کم مقدار میں

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب النکاح باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت منها قبل ان یفرض لها، ۲:۴۳۲-۴۳۳، رقم:۱۱۴۵

اصل اعتبار وزن کا ہے اور وہ دس درہم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عہد میں مہر کی کم سے کم حد دس درہم مقرر فرمائی۔ بعد ازاں کسی زمانے میں یہ دس درہم سوا بتیس روپے بنتے ہوں گے۔ درحقیقت دس درہم کی چاندی ہمارے مروّجہ وزن کے مطابق دو تولے ساڑھے سات ماشے بنتی ہے۔ اتنی مقدار میں چاندی یا اس کے برابر کوئی بھی مالیت مہر شرعی کی کم از کم مقدار ہے۔ اس سے کم کرنا درست نہیں۔

شرعی مہر یہ ہے کہ مرد کے پاس جتنے وسائل اور مالی استعداد ہو، وہ اس کے مطابق مہر مقرر کرے۔ کسی کے لیے ہزار روپے مہر ہوسکتا ہے اور کسی کے لیے دو ہزار روپے مہر ہوسکتا ہے تو کسی کے لیے دس ہزار روپے مہر بھی ہوسکتا ہے اور شادی کے بعد کسی وقت اگر عورت اپنا مہر طلب کرے اور کہے کہ یکمشت مہر دو تو مرد یکمشت مہر ادا کر سکے۔

دس درہم آج بھی پاکستان کے حساب کے چار سو روپے سے کم نہیں ہو گا تو کم سے کم حق مہر پانچ سو ہونا چاہیے۔ زیادہ جتنی اللہ پاک طاقت دے۔ مہر والدین کا حق نہیں ہے، بیوی کا حق ہے۔ اتنا مہر مقرر کیا جائے جتنا ادا کیا جا سکے۔ مہر کا ادا کرنا لازم ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اب طلاق ہی نہیں دینی تو اس کا ادا کیا کرنا۔

مہر کا تعلق طلاق سے نہیں بلکہ نکاح سے ہے۔ اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ تاوقتیکہ عورت خود معاف کر دے۔ بعض لوگ اپنی بیٹیوں کے لیے لاکھوں روپے کا مہر اس نیت سے مقرر کروا لیتے ہیں کہ لڑکا لڑکی کو طلاق نہ دے۔ ایسا کرنا ناجائز ہے۔

سوال 161: کن صورتوں میں مہر مکمل دینا لازم ہے؟

جواب: عقد صحیح کی صورت میں مکمل مہر دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر مہر مقرر کیا گیا ہو اور خلوتِ صحیحہ بھی ہو چکی ہو تو مقرر شدہ مہر پورے کا پورا دینا ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَکُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا○[1]

اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر) میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) سازگار اور خوش گوار سمجھ کر کھاؤ○

سوال 162: بلوغت سے قبل نکاح کی صورت میں حق مہر شوہر ادا کرے گا یا اس کا ولی؟

جواب: اگر بلوغت سے قبل نکاح ہوا تو اس صورت میں مہر کی ذمہ داری ولی پر ہوگی، لیکن شوہر کے بالغ ہو جانے کے بعد نکاح کو قائم رکھنے کی صورت میں مہر کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی اور ولی بری الذمہ ہوجائے گا کیونکہ مہر کی ادائیگی کی ذمہ داری براہِ راست شوہر پر عائد ہوتی ہے۔

---

(۱) النساء، ۴:۴

سوال 163: وہ کون سا اَمر ہے جس سے تمام مہر ساقط ہو جاتا ہے اور وہ کون سا اَمر ہے جس سے مہر نصف رہ جاتا ہے؟

جواب: عورت سے ایسا فعل سرزد ہو جس سے دونوں میں علیحدگی واجب ہو جائے۔ مثلاً وہ عورت کسی ایسے کام کا ارادہ کرے یا اس کی مرتکب ہو جس سے حرمتِ مصاہرت (ازدواجی رشتہ والی حرمت) عائد ہو جائے تو مہر بالکل ساقط ہو جائے گا۔ اگر نکاح کرتے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو مگر خلوتِ صحیحہ کی نوبت نہ آئے تو ایسی صورت میں عورت کو نصف حق مہر ملے گا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ط وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○[1]

اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی درآنحالیکہ تم ان کا مَہر مقرر کر چکے تھے تو اس مَہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ (اپنا حق) خود معاف کر دیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کردے (یعنی بجائے نصف کے زیادہ یا پورا ادا کر دے)، اور (اے مردو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے، اور (کشیدگی کے ان لمحات میں بھی) آپس میں احسان کرنا نہ بھولا کرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے○

(۱) البقرة، ۲:۲۳۷

سوال 164: اِستطاعت سے بڑھ کر حق مہر مقرر کرنے والے کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: مہر نہ دینے کی نیت سے زیادہ مہر بتانا اور اسی نیت پر نکاح کر لینا ناپسندیدہ عمل ہے۔ ہمارے ملک میں آج کل یہ رواج عام ہو گیا ہے کہ نکاح کے وقت لاکھوں روپے کی دستاویز بطور مہر یہ سمجھ کر لکھ دی جاتی ہیں کہ کون لیتا اور کون دیتا ہے۔ گویا ابتداء ہی سے ادا کرنے کی نیت نہیں ہوتی۔ اس بابت حضور نبی اکرم ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے:

مَنْ تَزَوَّجَ إِمْرَاةً بِصَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لَّا يُؤَدِّيَهِ إِلَيْهَا فَهُوَ زَانٍ.[1]

جس نے مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ اس مہر کو اُسے ادا نہ کرے گا، وہ دراصل بدکار ہے۔

اس قسم کے مہر باندھنے کا حقیقی مقصد یہ ہوتا ہے کہ شوہر پر ہمیشہ دباؤ رہے اور وہ طلاق نہ دے سکے۔ لیکن جیسا کہ تجربہ شاہد ہے اس کا نتیجہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر میاں بیوی میں عدم موافقت ہو جائے اور وہ دونوں مل کر نہ رہ سکیں تو یہی زیادتیِ مہر عورت کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ شوہر محض مہر کی ادائیگی کے خوف سے اس کو طلاق نہیں دیتا اور سالہا سال بلکہ بعض اوقات ساری عمر کے لیے وہ بیچاری معلق پڑی رہتی ہے۔ حق مہر کے تقرر کا معاملہ مرد اور عورت کے معاشی و معاشرتی مقام سے منسلک ہے۔ لہٰذا مہر کی رقم کا تعین کرتے وقت انتہائی احتیاط

---

(۱) دولابی، الکنی والأسماء، ۱: ۳۰۷، رقم: ۵۴۰

سے کام لینا ضروری ہے۔ ہر شخص کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق یہ رقم مقرر کرنی چاہیے کیونکہ نکاح کے وقت عورت اور مرد کے درمیان مہر جب ایک دفعہ مقرر ہو جائے تو اس کا پورا کرنا مرد پر لازم ہو جاتا ہے۔

لیکن ہمارے معاشرے میں عموماً یہ رواج بن چکا ہے کہ بیوی حق مہر معاف کر دیتی ہے یا اس سے معاف کروا لیا جاتا ہے اور خواتین کا مہر لینا بالعموم معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ بعض لوگ حق مہر کا تعین محض ظاہری دکھلاوے کے لیے کرتے ہوئے بڑھا چڑھا کر لکھواتے ہیں کہ ہمیں کون سا دینا پڑے گا۔ اس قسم کی صورتِ حال میں شریعت کا یہ اصول ذہن نشین رہنا چاہیے کہ مہر کی رقم دراصل بیوی کا قرضہ ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے۔ جو لوگ اسے ساری عمر ادا نہیں کرتے وہ مقروض مرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے سبک دوش نہیں ہوا جاسکتا سوائے اس کے کہ عورت یا تو اسے مہلت دے دے یا اس پر احسان کر کے برضا و رغبت اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور یا اس کی ناداری کا لحاظ کرتے ہوئے بخوشی معاف کر دے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ.[1]

اور تم پر اس مال کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مَہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضا مند ہو جاؤ۔

بصورتِ دیگر مرد پر مہر کی بروقت ادائیگی لازم ہے۔ لہٰذا حق مہر کے تعین کے وقت مرد و عورت کی مالی حیثیت کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ مرد اپنی ذمہ

(۱) النساء، ۴:۲۴

داری ادا کر سکے اور عورت کو اس کا حق مل سکے۔

سوال 165: اصل مہر کو چھپانے اور شادی کے موقع پر مہر کو بڑھا کر بیان کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: شادی کے موقع پر اصل مہر چھپا کر بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے اجتناب برتنا چاہیے۔ اتنا مہر ہی بتایا جائے جتنا کرنا ہے کیونکہ اس طرح معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اصل مہر کو چھپا کر مہر بڑھا کر بیان کرنا پڑ جائے تو اس صورت میں فقہاء کے نزدیک اصل مہر کو مخفی رکھنے اور اس کا اعلان کرنے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ فریقین مخفی مہر کی مقدار کے بارے میں عقدِ نکاح کیے بغیر متفق ہو جائیں اور پھر عقدِ نکاح کے وقت اس سے زیادہ مہر کا اعلان کیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مخفی طور پر کسی مہر پر عقدِ نکاح ہو جائے پھر ایک اور مہر پر اعلانیہ عقد کیا جائے۔ مثلاً مخفی طور پر تو دو ہزار پر عقد ہوا، پھر اعلانیہ دس ہزار پر عقد کیا جائے۔ یا اعلانیہ عقد نہیں ہوا لیکن بتایا یہ گیا کہ عقد دس ہزار پر ہوا ہے۔ ایسی حالت میں اگر دونوں فریق متفق ہیں یا جتنے پر نکاح ہوا ہے اس کے گواہ موجود ہیں تو وہی مہر قابلِ اعتبار ہو گا جو مخفی طور پر طے پایا گیا ہے۔

سوال 166: اگر خاوند بروقت مہر ادا کرنے سے قاصر ہے تو کیا بیوی تنسیخِ نکاح کا حق رکھتی ہے؟

جواب: اگر خاوند بروقت مہر ادا کرنے اور ہر طرح کا خرچ پورا کرنے سے عاجز ہے تو اس صورت میں بیوی کو تنسیخ نکاح حق حاصل ہے۔ البتہ میاں بیوی کو چاہیے کہ باہمی مودت و محبت سے رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق پورے کریں تاکہ معاشرے کی اکائی مجتمع رہے اور اس کا شیرازہ نہ بکھرے۔

سوال 167: کیا عورت کو حق مہر معاف کرنے کے لیے مجبور کرنا جائز ہے؟

جواب: بیوی کا مہر شوہر کے ذمہ قرض ہوتا ہے۔ جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں، اُسی طرح مہر کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ عورت کو حق مہر معاف کرنے کے لیے مجبور کرنا کسی صورت بھی جائز نہیں اور اگر عورت نے ڈر اور خوف سے معاف کر بھی دیا تو معاف نہ ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَزَوَّجَ إِمْرَاةً بِصَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ لَّا يُؤَدِّيَهِ إِلَيْهَا فَهُوَ زَانٍ. [1]

جس نے مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ اس مہر کو اُسے ادا نہ کرے گا، وہ دراصل بدکار ہے۔

---

(۱) دولابی، الکنی والأسماء، ۱:۳۰۷، رقم:۵۴۰

سوال 168: خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں عورت کتنے مالِ مہر کی حق دار ہوگی؟

جواب: نکاح کرتے وقت اگر مہر مقرر کیا گیا ہے یا وقتِ نکاح مہر بیوی کو دے دیا اور خلوتِ صحیحہ کی نوبت نہ آئی کہ طلاق واقع ہوگئی تو اس صورت میں عورت کو نصف حق مہر ملے گا۔ البتہ عورت اپنی رضامندی سے نصف حق مہر سے دست بردار ہوسکتی ہے یا خاوند اگر نصف کی بجائے پورا حق مہر ادا کرتا ہے تو ایسا کرنا بھی درست ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○[1]

اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی درآنحالیکہ تم ان کا مَہر مقرر کر چکے تھے تو اس مَہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ (اپنا حق) خود معاف کر دیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کردے (یعنی بجائے نصف کے زیادہ یا پورا ادا کر دے)، اور (اے مردو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے، اور (کشیدگی کے ان لمحات میں بھی) آپس میں احسان کرنا نہ بھولا کرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے○

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۳۷

سوال 169: خلوتِ صحیحہ سے قبل خلع کی صورت میں بیوی اپنے شوہر سے کتنا مالِ مہر لینے کی حق دار ہوگی؟

جواب: خلوتِ صحیحہ سے قبل خلع کی ذمہ دار عورت ہے۔ مثلاً عورت سے کوئی ایسا فعل صادر ہوا جس سے حرمتِ مصاہرت واقع ہو جائے یا یہ کہ وہ مرتد ہو جائے یا خلع کی صورت میں علیحدگی اختیار کی ہو تو ان صورتوں میں عورت مالِ مہر کی حق دار نہ ہوگی۔ بلکہ خاوند نے مہر میں بیوی کو جتنا مال دیا ہے وہ اسے واپس لوٹائے گی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهِ.[1]

پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے۔

دیئے گئے مہر سے زیادہ مال بیوی سے لینا ناجائز ہے۔

سوال 170: اگر بیوی نے اپنا مالِ مہر جو مالِ تجارت کی صورت میں ہے۔ شوہر کو فروخت کردیا اور بعد ازاں مباشرت سے قبل طلاق ہوگئی تو اس صورت میں شوہر کو کتنا مالِ مہر واپس کرے گی؟

جواب: اگر بیوی نے اپنا مالِ مہر جو مالِ تجارت وغیرہ کی شکل میں ہے خاوند کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر مباشرت سے قبل اسے طلاق ہوگئی تو خاوند اُس شے کی

(۱) البقرة، ۲:۲۲۹

نصف مالیت کا جو قبضہ والے دن تھی، بیوی سے مطالبہ کرے گا۔ اُس دام کے نصف کا مطالبہ نہیں کرسکتا جو اس نے ادا کیا ہے۔

سوال ۱۷۱: اگر عورت نے اپنا مالِ مہر خاوند کو ہبہ کر دیا اور مباشرت سے قبل طلاق ہوگئی تو کیا خاوند بیوی سے نصف مہر کا مطالبہ کرے گا؟

جواب: اگر بیوی نے اپنا مالِ مہر خاوند کو ہبہ کر دیا ہے تو دیکھنا ہوگا کہ پورا مالِ مہر ہبہ کیا ہے یا کچھ حصہ۔ وہ مالِ مہر یا تو نقدی ہوگا یا جنسی اور یہ کہ ہبہ قبضہ لینے سے پہلے یا کرنے کے بعد کیا۔ اگر وہ مال نقدی ہے اور کل مال قبضہ لینے کے بعد ہبہ کیا ہے تو وہ ہبہ لاگو ہو جائے گا اور اب اسے کسی طرح خاوند سے واپسی کے مطالبہ کا حق نہ ہو گا۔ کیونکہ بیوی خاوند کو جو کچھ بھی ہبہ کرے وہ اسی طرح لاگو ہوتا ہے جس طرح خاوند کا بیوی کو کچھ ہبہ کرنا۔ لہٰذا اس کی واپسی ناممکن ہے۔

اس لیے خلوتِ صحیحہ سے قبل اگر طلاق ہو گئی اور وہ اپنا تمام مالِ مہر خاوند کو ہبہ کر چکی ہے تو اب اس ہبہ کی واپسی درست نہیں ہے اور مالِ مہر اس ہبہ کی وجہ سے خاوند کا حق ہو جائے گا۔ اب خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں بیوی نصف مالِ مہر خاوند کو واپس کرے گی۔ جو اس ہبہ کیے گئے مال کے علاوہ ہوگا۔

لیکن اگر بیوی نے مالِ مہر وصول کرنے سے پہلے خاوند کو ہبہ کر دیا اور خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق ہوگئی تو دونوں میں سے کسی کا کوئی مطالبہ دوسرے پر نہیں ہو گا۔ کیونکہ مہر جو خاوند کے ذمہ مقرر ہوا اسے بیوی نے ہبہ کر دیا تواب اس کے بعد کوئی مہر باقی نہ رہا۔

سوال 172: کیا عورت اپنا مالِ مہر خاوند کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کر سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! عورت اپنا مالِ مہر خاوند کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کر سکتی ہے۔ اس پر اس کے ولی یا کسی اور کو اعتراض کا حق نہیں۔ لیکن اگر ہبہ کرنے کے بعد وہ شخص اس مال پر قابض ہوگیا اور عورت کو خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق ہوگئی تو خاوند نصف مہر کا مطالبہ بیوی سے کرے گا۔ اس صورت میں عورت کو حق ہوگا کہ وہ اس اجنبی شخص سے ہبہ شدہ شے کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

سوال 173: اگر زوجین کے درمیان مہر کے تعین کے بارے میں اختلاف پایا جائے تو اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا؟

جواب: زوجین کے درمیان مہر کے تعین کے بارے میں اختلاف پیدا ہونے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ اختلاف دونوں کی زوجیت بحال رہنے کے دوران پیدا ہوا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اختلاف خلوتِ صحیحہ اور طلاق کے بعد ہوا ہو۔ ان دونوں صورتوں کا حکم ایک ہے۔ اگر رقم مہر کی مقدار میں اختلاف ہے مثلاً خاوند کہے کہ میں نے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا تھا اور بیوی کہے کہ مہر کی مقدار دو ہزار تھی تو اب اس کی تین شکلیں ہیں:

۱۔ بیوی جس قدر مہر بتاتی ہے وہ مہر مثل کے مطابق ہو۔

۲۔ مہر مثل خاوند کے قول کے مطابق ہو۔

۳۔ ان میں سے کسی کے قول کے مطابق نہ ہو مثلا مہر مثل ڈیڑھ ہزار روپے ہو۔

اب جبکہ بیوی دو ہزار مہر بتاتی ہے اور خاوند ایک ہزار کہتا ہے تو پہلی شکل کا حکم یعنی جبکہ اس عورت کے دعوے کے مطابق ہو تو اس کی بات کو قسم کھا کر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر عورت قسم کھائے کہ ایک ہزار مہر پر شادی نہیں ہوئی جیسا کہ خاوند کہتا ہے تو وہ دو ہزار کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو وہ ایک ہزار کی مستحق ہوگی جس کا خاوند نے دعوی کیا تھا۔ تاہم عورت اگر اپنے دعوی کے ثبوت میں شہادت پیش کر دے تو اسے تسلیم کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اگر خاوند اپنے دعوے کا ثبوت پیش کر دے تو اس کی بات بھی قابلِ تسلیم ہوگی کیونکہ بیوی کا مطالبہ تو ظاہر کے مطابق ہی ہے یعنی اس کا مہر مثل دعوے کے مطابق ہے لیکن خاوند یہ چاہتا ہے کہ ظاہر کے خلاف ثبوت پیش کرے۔ وہ بیوی ایک ہزار پر راضی ہے جو اس کے مہر مثل سے کم ہو ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی کو مقدم رکھا جائے گا۔[1]

سوال 174: کیا حقِ مہر نہ ملنے کی صورت میں بیوی شوہر کے پاس جانے سے انکار کر سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ حق مہر نہ ملنے کی صورت میں خاوند کو اپنے سے باز رکھے کیونکہ خاوند پر واجب ہوگا کہ جس قدر مہر معجّل طے ہوا ہے وہ پورا ادا کرے۔ اگر اس نے ادا نہ کیا تو عقد نکاح سے جو حقوق اسے حاصل ہوئے وہ سب جاتے رہیں گے۔

(۱) حصکفی، الدرالمختار، ۱:۲۰۲

سوال 175: اگر کسی شخص نے غصب کردہ مال بطور مہر دیا اور بعد میں حقیقی مالک نے اس میں تصرف کا حق نہ دیا تو اس صورت میں کیا عورت مہرِ مثل کی حق دار ہوگی؟

جواب: جی نہیں! اگر ایک شخص نے مہر میں غصب کردہ مال دیا مثلاً یوں کہا کہ یہ پراپرٹی یا زیورات مہر ہوں گے حالانکہ وہ شخص اس کا مالک نہیں ہے تو عقد صحیح ہوگا اور اس مال کو مہر قرار دینا بھی درست ہوگا، خواہ اس بات کو وہ دونوں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اب اگر عقد کے بعد مال کے حقیقی مالک نے اس میں تصرف کی اجازت دے دی تو عورت اس شے کی حق دار ہو جائے گی جس کا نام لیا گیا اور اگر مالک نے اجازت نہ دی تو وہ اس متعین مال کی قیمت کی حق دار ہوگی جو اس نے غصب کردہ مال بطورِ مہر دیا۔ مہر مثل کی حق دار نہیں ہوگی۔

سوال 176: اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل شوہر فوت ہو جائے تو کیا بیوی شوہر کے ترکہ میں سے حق مہر کی حق دار ہوگی؟

جواب: جی ہاں! خلوتِ صحیحہ سے قبل شوہر کے فوت ہو جانے کی صورت میں بیوی شوہر کے ترکہ میں سے مکمل حق مہر کی حق دار ہوگی، اس صورت میں کہ اگر مہر کا تعین کیا گیا تھا لیکن اگر مہر مقرر نہیں تھا تو پھر عورت شوہر کے ترکہ میں سے مہر مثل کی حق دار ہوگی۔

سوال 177: شوہر اگر فوت ہو جائے تو کیا اس کی بیوی کا مہر اس کے ورثا کے ذمہ ادا کرنا لازم ہو گا؟

جواب: عورت کا مہر شوہر کے ذمہ قرض ہوتا ہے۔ پس اگر وہ کوئی ترکہ (گھر، سامان، کپڑے، نقدی وغیرہ) چھوڑ کر فوت ہوا تو اس سے یہ مہر ادا کیا جائے گا اور اگر وہ چھوڑ کر نہیں فوت ہوا تو اس کے ورثا کے ذمہ اس کا مہر ادا کرنا لازم نہیں۔

سوال 178: کیا بیوہ اپنے مہر کی وصولی کے لیے مرحوم شوہر کے ترکہ پر قبضہ کرسکتی ہے؟

جواب: مہر درحقیقت ایک قرض کی نوعیت رکھتا ہے۔ عدمِ ادائیگی کی صورت میں شوہر کی وفات سے ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا بیوہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا مہر متوفی کی جائیداد یا ترکہ سے وصول کرے۔ ادائیگی مہر کو تمام حقوقِ وصیت اور وراثت پر فوقیت حاصل ہے۔

سوال 179: اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے میکے چلی جاتی ہے اور اکثر لڑتی بھی رہتی ہے تو کیا اس صورت میں شوہر اس کا حق مہر روک سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ایسی بیوی جو شوہر کی اجازت کے بغیر کسی ایسے عمل کو بار بار کرتی ہے جو شوہر کو ناپسند ہے اور شوہر کی نافرمانی بھی کرتی ہے تو وہ خطا کار ہے مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہیں ہوگا بلکہ شوہر حق مہر دینے کا پابند ہوگا۔ اس لیے کہ مہر کی رقم

دراصل بیوی کا قرض ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ واجب ہے۔ بیوی کو عقد میں رکھنے یا نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے۔ لیکن اگر نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے دے۔ مگر یہ جائز نہیں کہ گھر سے نکال دے اور طلاق بھی نہ دے اور خبر گیری بھی نہ کرے۔

6

طلاق کے اَحکام

سوال ۱۸۰: طلاق کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاق کا مادہ 'طلق' ہے جس سے لفظ طلاق ماخوذ ہے۔ جس کا معنی 'رہائی' ہے۔ الفاظِ مخصوصہ کے ساتھ میاں بیوی کے درمیان نکاح کی بندش کھول دینا اور نکاح کی قید کو اٹھا دینا طلاق کہلاتا ہے۔ مخصوص الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحتاً یا کنایتاً مشتمل ہوں۔ اس میں خلع بھی شامل ہے۔ نامردی اور لعان وغیرہ سے قاضی کی تفریق بھی شامل ہے۔

طلاق کا لغوی معنی ہے:

نکاح کی گرہ کو کھول دینا، ترک کر دینا، چھوڑ دینا، مفارقت۔

امام سرخسی نے طلاق کے لغوی معنی 'اِزالۃ القید' کے لکھے ہیں:

اَلطَّلَاقُ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنْ إِزَالَةِ الْقَيْدِ. [1]

لغوی طور پر طلاق کا معنی قید سے رہائی اور چھٹکارا پانا ہے۔

سوال ۱۸۱: طلاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اسلام نے طلاق کا قانون علیحدگی کے لیے نہیں بلکہ زوجین کے درمیان پیدا ہونے والی نفرت کو عدت کے دوران رجوع کے لیے کوشاں ہونے اور

---

(۱) سرخسی، المبسوط، ۶:۲

زوجیت میں نفرت کی بجائے محبت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے سوچ بچار کا وقت مہیا کرنے کے لیے دیا ہے۔ اسلام میں طلاق ایک رجعت اور ضرورت کے تحت مکروہ فعل کے طور پر جائز قرار دی گئی ہے مگر شریعت اسے پسند نہیں کرتی ہے۔ حضرت محارب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا أَحَلَّ اللهُ شَيْئاً أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ. (1)

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان میں اُس کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔

طلاق پر عمل درآمد کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ انسان ان تمام عوامل پر غور کرے جو اس کا نتیجہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس میں زوجین کو ذاتی زندگی کے علاوہ ان کے بچوں کے معاملات، آئندہ کی زوجیت کے معاملات، معاشرت اور معاش کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نیز یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ان کی آئندہ زندگی کا شریکِ حیات سابقہ زوجیت کے معیار پر پورا اتر سکے گا یا نہیں! لہٰذا ان نتائج تک پہنچنے سے پہلے اپنی اصلاح کرے تو یقیناً طلاق تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

اسلام میں طلاق کے اصلاحی احکامات بھی درحقیقت تاریخی روایتوں سے جڑی برائیوں کے خاتمے کے لیے نافذ ہوئے ہیں۔ ان تاریخی واقعات کے پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے جو بھی اصلاحات کیں، وہ درحقیقت عورتوں پر کیے جانے والے بے جا مظالم، تشدد، نفرت اور منفی رواجوں کے تدارک کے لیے

---

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فی کراهية الطلاق، ۲:۲۲۵، رقم:۲۱۷۷

تھیں۔ ان میں نفرت کے باوجود عورت کو نکاح میں جبراً باندھے رکھنے، طلاق کے حق سے محروم رکھنے یا خاوندوں کی طرف سے علیحدہ قسمیں کھالینے اور پھر قسموں کی آڑ میں عورتوں کو زوجیت کے حقوق سے محروم رکھنا ان لوگوں کی زندگی کا معمول تھا۔ اس طرح آزاد عورت منکوحہ ہونے کے باوجود ذہنی اور جسمانی طور پر غلامی کے ایسے بندھنوں میں بندھی ہوئی تھی جن سے اسلام نے انہیں عملاً آزاد کرا دیا اور خاوند کے ہاتھ میں اس کو شرعی جواز سے باندھ دیا۔

قرآنی تعلیمات تو یہ ہیں کہ اگر شوہر کو بیوی ناپسند ہو تب بھی وہ اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○[1]

اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو، پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔

یہ آیت مبارکہ بتلاتی ہے کہ اختلاف اور نزاع کی صورت میں حتی الامکان طلاق سے گریز کیا جانا چاہیے اور اگر طلاق ناگزیر ہو تو صرف ایک طلاق رجعی دی جائے کیونکہ اس کے بعد عدت پوری ہونے تک اس معاملہ پر نظر ثانی کا موقع رہے گا اور عدت کے دوران زوجین میں رجوع کا حق موجود رہتا ہے ورنہ عدت کے بعد عورت علیحدہ ہو جائے گی۔

---

(۱) النساء، ۴:۱۹

سوال 182: طلاق دینے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب: طلاق دینے کا شرعی طریقہ کچھ یوں ہے:

إذا أراد الرجل أن يطلق امرأته للسنَّةِ تركها حتى تحيضَ و تطهرَ من حيضتها. ثم يطلقُها تطليقةً من غير جماعٍ، ثم يتركها حتى تنقضيي عدتُها، وإن شاءَ طلقها ثلاثاً عند كلِّ طهرٍ تطليقةٌ حتى يطلقها ثلاثاً. (1)

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اسے حیض آنے تک چھوڑ دے جب حیض سے پاک ہوتو (اس طہر میں) جماع کیے بغیر اسے ایک طلاق دے پھر اسے (اسی حالت میں) چھوڑے حتی کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور اگر تین طلاقیں دینا چاہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے حتی کہ تین طلاقیں دے دے۔

اسلام میں طلاق انتہائی ناگزیر وجوہات کی بنا پر جائز قرار دی گئی ہے۔ اگر زوجین میں کسی صورت نباہ ممکن نہ رہے اور دونوں میں علیحدگی ضروری ہوجائے تو اندریں حالات طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کو جس سے خلوتِ صحیحہ کی ہو ایسے طہر (حیض سے پاک ہوجانے کے بعد کا زمانہ) میں صرف ایک طلاق رجعی دے جس طہر میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور پھر اس کو چھوڑ دے اور مزید کوئی طلاق نہ دے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دورانِ عدت مرد کو رجوع کا حق

(۱) شیبانی، کتاب الآثار، ۱:۴۲۶، رقم:۴۵۹

رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ.(۱)

جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کے طُہر کے زمانہ میں انہیں طلاق دو۔

معلوم ہوا کہ اگر میاں بیوی کا اکٹھے رہنا ناگزیر ہو جائے تو طُہر (پاکیزگی) کی حالت میں ایک طلاق دینے سے بھی علیحدگی ہوجاتی ہے۔ تین طلاقیں دینا ضروری نہیں ہے۔

سوال 183: شریعت میں حکمِ طلاق کی حکمت کیا ہے؟

جواب: اسلام کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ رشتہ نکاح میں منسلک ہو جائیں ان کے نکاح کو قائم اور برقرار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ اگر کبھی ان کے درمیان اختلاف یا کسی قسم کا جھگڑا پیدا ہو تو رشتہ دار اور مسلم سوسائٹی کے وہ افراد جو اس کو حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں وہ اس اختلاف کو ختم کر کے ان میں صلح کرائیں۔ اگر ان کی پوری کوشش کے باوجود زوجین میں صلح نہ ہو سکے اور یہ خطرہ ہو کہ اگر یہ بدستور رشتہ نکاح میں بندھے رہے تو یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے مقاصد فوت ہو جائیں گے تو اس صورت میں اسلامی تعلیمات اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کی عدم موافقت اور باہمی نفرت کے باوجود ان کو نکاح میں رہنے پر مجبور

---

(۱) الطلاق، ۶۵:۱

نہ کیا جائے بلکہ ان حالات میں زوجین کی، ان کے رشتہ داروں اور معاشرہ کے دیگر افراد کی بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کو توڑنے کے لیے شوہر بیوی کو طلاق دے دے اور ایسی صورت حال میں اسے طلاق دینے سے روکا نہ جائے۔

سوال 184: طلاق دینا کن حالات میں ضروری ہو جاتا ہے؟

جواب: اسلام میں طلاق کو ناپسندیدہ فعل قرار دینے کے باوجود ناگزیر ضرورت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ طلاق دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ طلاق کی نوبت آنے میں عورت اور مرد دونوں کا انفرادی اور اجتماعی کردار اہمیت رکھتا ہے۔ درج ذیل چند وجوہات ایسی ہے جن کی وجہ سے طلاق کی نوبت آتی ہے:

۱۔ طلاق کی عمومی وجہ مرد اور عورت کے درمیان ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث پیدا ہونے والی طبعی یا عارضی نفرت ہوتی ہے جس کے بعد عورت اور مرد میں درگزر اور ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے زندگی بسر کرنے میں مشکلات پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس میں عورت یا مرد کے انفرادی کردار کے علاوہ ان کے رشتہ داروں کی نازیبا مداخلت سمیت بے شمار معاشرتی، نفسیاتی اور نفسانی معاملات کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔

۲۔ میاں بیوی کے مزاج میں مناسبت کا نہ ہونا اور ان کے دل سے ایک دوسرے کو قبول نہ کرنا۔

۳۔ ان کے درمیان معاشی و معاشرتی حیثیت کا فرق پایا جانا۔

۴۔ دونوں کی ذہنی و علمی استطاعت میں تضاد پایا جانا، جس کی وجہ سے قربت کے ہوتے ہوئے بھی دوری کا احساس رہے۔

۵۔ زوجین کے درمیان جنسی و اخلاقی کمزوریوں کا حائل ہو جانا۔

مذکورہ بالا وجوہات طلاق کا باعث بنتی ہیں اور ایسے حالات کے پیش نظر عقلی تقاضا یہی ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے کیونکہ اگر مذکورہ متضاد رویوں اور حالات کے باوجود میاں بیوی کو ساتھ رہنے پر مجبور کیا جائے گا تو مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے بوجھ بن جائیں گے۔ طلاق نہ دینے کی صورت میں دونوں کا گھریلو سکون غارت ہو جائے گا جس سے بچے اور خاندان بری طرح متاثر ہوں گے۔ طلاق دینے کی صورت میں عورت سے مہر، تمام زیورات، ملبوسات یا تحائف وغیرہ کوئی شے بھی واپس لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بصورتِ خلع بھی عورت کا مرد سے بلاوجہ و بلا جواز طلاق کا مطالبہ کرنے کو اسلام میں سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

سوال 185: بلحاظِ کیفیت طلاق کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: بلحاظِ کیفیت طلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ طلاقِ اَحسن

۲۔ طلاقِ حسن

۳۔ طلاقِ بدعی

سوال 186: طلاقِ اَحسن کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاقِ اَحسن وہ طلاق ہے جس کے مطابق شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر میں ایک رجعی طلاق دے جس میں اس سے مباشرت نہ کی ہو۔ پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اس میں دورانِ عدت مرد کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح بھی ہوسکتا ہے۔

سوال 187: طلاقِ حسن کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاقِ حسن وہ طلاق ہے جس کے ذریعے شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر میں ایک رجعی طلاق دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو۔ اس حساب سے تین طہر میں تین طلاقیں مکمل ہوں گی اور اب شرعی حلالہ کے بغیر دوبارہ عقد نہیں ہوسکتا۔

طلاقِ حسن کو طلاق سنت بھی کہتے ہیں۔ طلاقِ حسن کے طلاقِ سنت ہونے میں اختلاف ہے مگر احناف اپنے قول کی بنیاد قرآن حکیم کی آیت ﴿**فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ**﴾[1] 'تو اُن کے طُہر کے زمانہ میں انہیں طلاق دو' پر رکھتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق عدت کے واسطے ہے یعنی تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔

اَحناف اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ بطورِ استدلال پیش کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض

---

(۱) الطلاق، ۶۵:۱

میں طلاق دی۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا جس پر آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ عبد اللہ نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ اسْتِقْبَالًا فَتُطَلِّقَهَا لِكُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيقَةً.[1]

بے شک مسنون طلاق اس طرح ہوتی ہے کہ تم ہر طہر میں ایک طلاق دو۔

سوال 188: طلاقِ بدعی کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاقِ بدعی کو غیر مسنون طلاق کہتے ہیں جو کہ موجبِ گناہ ہے۔ طلاقِ بدعی یا غیر مسنون طلاق یہ ہے کہ شوہر عورت کو تین طلاقیں بیک لفظ یا ایک ہی ایسے طہر میں دے جس میں مباشرت کر چکا ہو، یا حیض کی حالت میں طلاق دے یا حالت حمل میں طلاق دے۔ طلاق دینے کا یہ طریقہ ناجائز ہے۔ طلاق بدعی کسی بھی صورت میں دی ہو واقع ہو جاتی ہے لیکن اس کا دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔

سوال 189: طلاقِ بدعی کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: طلاق بدعی کی دو اقسام ہیں:

۱۔ باعتبارِ وقت

۲۔ باعتبارِ تعداد

---

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۳:۸۹

۱۔ باعتبارِ وقت

اگر ایسے وقت میں رجعی طلاق دی جائے جس وقت کہ عورت کو حیض آ رہا ہو تو یہ طلاقِ بدعی کہلائے گی۔ ایسی صورت میں مرد کو چاہیے کہ وہ رجوع کرے۔ حالتِ حیض میں طلاق دینے کی صورت میں رجوع کا وجوب اس روایت سے ثابت ہے:

جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی اور اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ رجوع کرے۔[1]

امام مرغینانی حنفی نے 'الهداية' میں لکھا ہے کہ جو طلاق حیض کی حالت میں دی جائے اس میں رجوع واجب ہے تاکہ امر حقیقی معنی یعنی وجوب پر عمل ہو جائے اور حتی الامکان گناہ سے بچا جا سکے اور عورت کو بھی طویل عدت سے ضرر نہ پہنچے۔

حیض کی حالت میں طلاق دینا اس مصلحت کی بناء پر غیر مسنون ہے کہ اس وقت مرد کو عورت کی جانب طبعًا رغبت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں ایسا کرنے سے عدت کا زمانہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق دی جاتی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوتا اور عورت کو بے جا زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب: اذا طلقت الحائض یعتد بذلك الطلاق، ۵: ۲۰۱۱، رقم: ۴۹۵۳

اس طرح وقت کے اعتبار سے وہ طلاق بھی غیر مسنون کہلائے گی کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ اپنی بیوی سے صحبت کر چکا ہو۔ ایسی طلاق اس بناء پر خلافِ سنت ہے کہ ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو جس کے سبب عورت کو زیادہ عرصہ (وضع حمل تک) عدت میں بیٹھنا پڑے۔ اگرچہ یہ طلاق خلافِ سنت ہے مگر واقع ہو جاتی ہے۔

۲۔ باعتبارِ عدد

ایک طہر میں ایک طلاق دینے کی بجائے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا بدعی طلاق کی تعریف میں داخل ہے خواہ طلاق ایک ہی حکم سے ہو یا متفرق کلمات سے مثلاً شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہہ کر طلاق دینا کہ 'تجھے تین طلاق' یا یہ کہے کہ 'تجھے طلاق، طلاق، طلاق'۔

جمہور فقہاء کے نزدیک بلفظ واحد یا بوقتِ واحد تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ البتہ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ یک بارگی طلاق دینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے منشاء قرآن ﴿اَلطَّلاَقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾[1] 'طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے' کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

(۱) البقرة، ۲:۲۲۹

سوال ۱۹۰: بلحاظِ تاثیر طلاق کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: بلحاظِ تاثیر طلاق کی تین اقسام ہیں۔ اس سے مراد وہ اقسام ہیں جو طلاق کے وقوع کے بعد طلاق کے اثرات اور اس کے نتائج کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کی اقسام درج ذیل ہیں:

۱۔ طلاقِ رجعی

۲۔ طلاقِ بائن

۳۔ طلاقِ مغلّظہ

سوال ۱۹۱: طلاقِ رجعی کسے کہتے ہیں؟

جواب: رجعی کا لفظ 'رجعت' سے ہے اور رجعت کے معانی آگے بڑھانا، رجوع کرنا، پہل کرنا، تیزی کرنا وغیرہ کے ہیں۔ شرعی اعتبار سے طلاقِ رجعی وہ طلاق ہے جس کے بعد دورانِ عدت مرد کا اپنی زوجہ کو دی گئی طلاق کو واپس لوٹا کر دوبارہ بیوی بنا لینے اور تجدید نکاح کے بغیر رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو صریح طلاقیں دے مگر طلاق کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال نہ کرے مثلاً یوں کہے کہ 'میں نے تجھے طلاق دی' یا طلاق کے ساتھ ایک یا دو کا لفظ بھی استعمال کرے تو یہ طلاقِ رجعی ہوگی اور مرد عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے؛ خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔

سوال 192: طلاقِ بائن کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاقِ بائن سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں اگر مرد نے عورت کو ایک یا دو طلاقِ رجعی دے کر اس سے رجوع نہیں کیا تو عدت گزرنے کے بعد وہ عورت 'بائن' ہوجاتی ہے یعنی مرد اور عورت کے مابین رشتہ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔ عدت کے بعد اگر فریقین باہم رضا مند ہوں تو ازسرِنو نئے حق مہر کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے اور اس کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال کرے مثلاً یوں کہے کہ 'میں تجھے ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن دیتا ہوں' تو اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی یا طلاق کی نیت سے ایسے کنایہ الفاظ بولے جن سے میاں بیوی کا تعلق ختم ہونا ثابت ہو پھر بھی نکاح ختم ہو جائے گا اور مرد عدت کے زمانہ میں بھی اپنی بیوی سے بغیر تجدید نکاح رجوع نہیں کرسکتا۔ البتہ عدت میں یا عدت گزارنے کے بعد فریقین باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

سوال 193: طلاقِ مغلّظہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: طلاق مغلّظہ کو طلاقِ بائن کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایسی طلاق ہے جس میں تین طلاقیں تین طہروں میں متواتر دی جائیں یا ایک ہی طہر میں تین یا ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دے دی جائیں۔ اس کے بعد مرد اُس عورت سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا یہاں تک کہ اس کی مطلقہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے مباشرت کے بعد طلاق حاصل نہ کرے یا وہ مرد فوت نہ ہو جائے۔

سوال 194: کیا طلاقِ رجعی کے دوران زوجین اکٹھے رہ سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! طلاقِ رجعی کے دوران زوجین اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ.[1]

انہیں اُن کے گھروں سے باہر مت نکالو۔

یعنی طلاق دینے کے بعد عورت کو گھر سے نہیں نکالنا چاہیے تاکہ وہ عدت اپنے شوہر کے گھر اس نیت سے گزارے کہ صلح کی کوئی صورت سامنے آجائے اور رجوع کے لیے زوجین ایک دوسرے کے مددگار ہونے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ رشتہ زوجیت دوبارہ قائم ہو کر خاندان اور معاشرہ محفوظ رہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ 'طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے' کے نظریہ طلاق میں بھی اصلاح کا راز پوشیدہ ہے کیونکہ اس سے زوجین کو اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کر کے اپنی اصلاح کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ اسلام کا وہ نظام ہے جس میں زوجین کو عدت کے دوران ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اصلاح کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس آیت میں ایسے سماجی ماحول کا بھی تقاضا کیا جا رہا ہے جس کے تحت ناراض زوجین عدت کے دوران ایک چھت یا گھر میں رہیں اور اگر ناراضگی کا خاتمہ کر کے رجوع کرنا چاہیں تو انہیں ایسا ماحول بھی میسر رہے۔

---

(۱) الطلاق، ۶۵: ۱

سوال 195: رجوع کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: طلاق رجعی کی صورت میں شوہر زبانی، تحریری یا عملی طور پر عدت کے اندر جس طریقہ سے بھی رجوع کر لے تو نکاح برقرار رہے گا اور بطور میاں بیوی رہنا درست ہوگا۔

سوال 196: بیک وقت طلاق ثلاثہ دینا کیسا ہے؟

جواب: طلاق ثلاثہ کو فقہی زبان میں طلاقِ فاسد، باطل اور بدعت قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں اس کے باطل یا فاسد قرار پانے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ قدیم روایات کی پیروی میں دی جاتی ہے اور اسلام نے شرعی طلاق کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس کے برعکس ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شرعی طلاق کے مقاصد کے خلاف ہے اور ایسی طلاق میں خرابی کی بنیاد یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ فوری مؤثر قرار پاتی ہے۔ اس طرح عدت کے دوران زوجین کو اصلاح کرنے کے مواقع میسر نہیں آتے جو عدت کے دوران زوجین کے رجوع کے حقوق کے منافی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دینا نصوصِ صریحہ کی بناء پر گناہ ہے۔ طلاقِ ثلاثہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَن رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا، فَقَامَ غَضْبَاناً ثُمَّ قَالَ: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ. (1)

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ۶: ۱۰۴-۱۰۵، رقم: ۳۴۰۱

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور غصہ کی حالت میں ارشاد فرمانے لگے: کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس کی صریح تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ میں تم میں موجود ہوں۔

مذکورہ حدیث کی رو سے حضور نبی اکرم ﷺ کا طلاقِ ثلاثہ دینے پر ناراضگی کا اظہار فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا انتہائی مکروہ عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی ہے۔

سوال 197: طلاقِ ثلاثہ کی عمومی صورتیں کیا کیا ہوسکتی ہیں؟

جواب: طلاقِ ثلاثہ کی اسلام میں کوئی بھی صورت قابل پذیرائی نہیں ہے اور ایسی طلاق کو رواج دینا اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ طلاق ثلاثہ کی ہر صورت حرام ہے۔ تاہم طلاقِ ثلاثہ کی عمومی طور پر درج ذیل چار صورتیں ہیں:

پہلی صورت

یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ ایک ہی لفظ سے یا ایک وقت میں دی جائے مثلاً کہا جائے کہ 'میں نے تمہیں تین طلاقیں دیں' یا کہا جائے کہ 'میں نے تمہیں طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی' یا ہاتھ کے اشارے سے (تین انگلیاں) دکھا کر طلاق دی یا تحریری طور پر تین طلاق لکھے یا طلاق بتا کر دے وغیرہ۔

دوسری صورت

یہ ہے کہ عدت کے دوران ہر طہر میں بلامباشرت ایک طلاق دی جائے اور تیسرے ماہ میں تیسری طلاق دی جائے۔ اس طرح مرد کا رجوع کا حق دو ماہ یا طہر کے دوران میں قائم رہنے کے باوجود تیسرے ماہ میں تیسری طلاق دینے کے فوراً بعد ختم ہو جائے گا اور اس طرح عورت تیسرے ماہ میں طلاق رجعی کے حکم سے طلاق مغلظہ کے حکم میں داخل ہو جائے گی۔

تیسری صورت

حالتِ حیض میں طلاق دینا ہے جس سے حضور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ حیض کے دوران طلاق سے عدت کی میعاد میں رد و بدل کا امکان رہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ واضح دلیل ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيْضَ ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَکَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ. فَتِلْکَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ. (۱)

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب: قول اللہ تعالیٰ: یا ایھا النبی إذا طلقتم النساء، ۵: ۲۰۱۱، رقم: ۴۹۵۳

اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے، پھر اس کو اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ پھر اسے دوبارہ حیض آئے اور پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے۔ پھر اگر وہ چاہے تو اس کے بعد اسے اپنے پاس رکھے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دے۔ سو یہ وہ وقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اِس وقت میں اپنی بیویوں کو طلاق دو۔

لہٰذا حالتِ حیض میں طلاق دینا اگرچہ قابلِ مذمت ہے، تاہم طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

چوتھی صورت

یہ ہے کہ طلاق دینے والا اپنے کسی قول یا فعل سے ایسا اظہار کرے جس سے کسی معنی میں صراحتاً یا اشارتاً تین طلاقیں دی گئی ہوں۔

سوال 198: وہ کون سے الفاظ ہیں جن میں نیت کے بغیر ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

جواب: واضح اور صاف الفاظ میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا اور ایسی طلاق کو طلاقِ صریح بھی کہتے ہیں۔ مثلاً شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے: 'تجھے طلاق ہے'، 'میں نے تجھے طلاق دی'، 'تو مطلقہ ہے' وغیرہ۔ اگر کوئی شخص لفظ 'طلاق' کے علاوہ کسی ایسے لفظ سے طلاق دے جو اس زبان میں طلاق کے لیے مخصوص ہو تو اس کا حکم صریح طلاق

ہوگا۔ اس قسم کے تین الفاظ ہیں، مثلاً 'اعتدی (تو عدت شمار کر)'، 'استبری رحمک (اپنے رحم کو پاک کر لے)' اور 'أنتِ واحدۃ (تو یکتا ہے)'۔

ان سب صورتوں میں طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ یہ الفاظ طلاق ہی کے لیے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے مفہوم پر دلالت نہیں کرتے۔ لہٰذا ان الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں۔

سوال ۱۹۹: کون سے الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

جواب: 'کنایہ' سے مراد غیر واضح لفظ ہے۔ یہاں پر اس سے مراد ایسے الفاظ استعمال کرنا ہے جو ایک سے زیادہ معنی پر دلالت کرنے والے ہوں۔ مثلاً کسی نے اپنی منکوحہ سے یوں کہا: 'تو جدا ہو چکی ہے'، یا 'تو حرام ہے'، یا 'تو اپنے میکے چلی جا'، وغیرہ تو اس سے طلاق مراد بھی ہوسکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی۔ لہٰذا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ محض ان الفاظ کے استعمال سے طلاق نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے نیت یا دلالتِ حال کا پایا جانا ضروری ہے۔

چند الفاظ کنایہ درج ذیل ہیں:

۱۔ تو بائن ہے۔

۲۔ تیری رسی تیرے کاندھے پر ہے یعنی تو مختار ہے۔

۳۔ تو حرام ہے۔

۴۔ تو اپنے میکے چلی جا۔

۵۔ تو نکاح سے خالی ہے۔

۶۔ تو نکاح سے بری ہے۔

۷۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

۸۔ میں تجھ سے جدا ہو گیا۔

۹۔ میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا۔

۱۰۔ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔

۱۱۔ تو آزاد ہے۔

۱۲۔ تو نکل جا، یا تو چلی جا۔

۱۳۔ تو اٹھ جا۔

۱۴۔ تو شوہروں کو ڈھونڈھ لے۔

سوال 200: کن اشخاص کی طلاق واقع نہیں ہوتی؟

جواب: درج ذیل اشخاص کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی:

۱۔ نابالغ

۲۔ پاگل یعنی (مجنون)

۳۔ مغلوب العقل (یعنی معتوہ)

۴۔ مغشی (یعنی جس شخص پر غشی طاری ہو)

۵۔ مدہوش یعنی وہ شخص جس کی عقل جاتی رہے۔

۶۔ خوابیدہ یعنی سوئے ہوئے شخص

۷۔ سرسام زدہ

۸۔ مغمیٰ علیہ (بے ہوش)

۱۔ نابالغ کی طلاق

طلاق دینے والے کا بالغ ہونا ضروری ہے۔ نابالغ کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ وہ قریب البلوغ ہو۔

۲۔ پاگل کی طلاق

پاگل یا مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ فقہاء کے نزدیک مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی قوت غیر جنون کے سبب مختل ہو جائے اچھے اور برے میں فرق نہ کر سکے اور اپنے افعال کے انجام کو سمجھنے کی قوت نہ رہے، خواہ پیدائشی طور پر یا کسی آفت یا عارضہ کی بناء پر ہو۔ ایسے شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳۔ مغلوب العقل (معتوہ) کی طلاق

معتوہ (مغلوب العقل) کا لفظ عتہ سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی اِختلالِ عقل کے ہیں۔ اِصطلاحاً معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو، بے ربط باتیں کرتا ہو اور جو منہ میں آئے بول جائے۔ سو ایسے شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

۴۔ مغشی (جس شخص پر غشی طاری ہو) کی طلاق

مغشی کا لفظ غشيٌ سے مشتق ہے جو محرک اور حسی قوتوں کے تعطل کا نام ہے۔ غشی ایک بے اختیار نیند کے مانند ہے جو بالعموم ضعفِ قلب کے سبب طاری ہوتی ہے۔ چونکہ ایسی حالت میں انسان کا دل و دماغ اپنے قابو میں نہیں ہوتا اس لیے اس شخص کو اَحکامِ شرع کا مکلّف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لیے **مغشی** کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی۔

۵۔ مدہوش کی طلاق

مدہوش کا لفظ **دھش** سے مشتق ہے اور اس کے معنی **ذهب العقل** کے ہیں یعنی وہ شخص جس کی عقل جاتی رہے۔ فقہی اصطلاح میں مدہوش وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی صدمہ، مصیبت یا اچانک حادثہ کے سبب عقل کھو بیٹھے۔

مدہوش کا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے اور قوتِ فکر زائل ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے وقتی طو پر محروم ہونے کے سبب اپنے قول و فعل پر اختیار نہیں رکھتا۔ مدہوش شخص کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی۔

۶۔ خوابیدہ (سوئے ہوئے شخص) کی طلاق

نائم یعنی سوئے ہوئے شخص کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کلام معتبر نہیں ہوتا۔

۷۔ سرسام زدہ کی طلاق

بعض اوقات کسی مرض کے سبب دیوانوں جیسی حالت ہو جاتی ہے مثلاً سرسام۔ لہٰذا سرسام زدہ شخص کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اسے صحیح العقل قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس وقت اس کی مثال ایک مجنون یا معتوہ غیر مسلسل کی سی ہے۔

۸۔ مغمی علیہ کی طلاق (بے ہوش)

جس شخص کو غشی کے دورے پڑتے ہوں تو ایسے شخص کو فقہی اصطلاح میں مغمیٰ علیہ کہا جاتا ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

7

طلاق سے متعلقہ مسائل

سوال ۲۰۱: میاں بیوی میں ہم آہنگی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: میاں بیوی میں ہم آہنگی نہ ہونے کی صورت میں خاندان کے چند معزز افراد کو مل کر ان کے مابین پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ رشتہ زوجین باہم استوار رہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝[1]

اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو تو تم ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کر لو، اگر وہ دونوں (منصف) صلح کرانے کا اِرادہ رکھیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا خبردار ہے۔

لیکن اگر تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ایسے حالات پیدا نہ ہو سکیں اور گھریلو نظام کی عمارت میں دراڑیں پڑنا شروع ہو جائیں اور میاں بیوی کی طبیعتوں میں کسی صورت ہم آہنگی پیدا نہ ہو تو اس صورت میں طلاق کو اختیار کیا جائے۔ اسلام بھی اسی مصلحت کے تحت طلاق کو ان ناگزیر حالات میں جائز قرار دیتا ہے

---

(۱) النساء، ۴: ۳۵

جب موافقت پیدا کرنے کی تمام صورتیں ناکام ہو جائیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ. (۱)

طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

لہٰذا جب فریقین میں بے حد نفرت پیدا ہوجائے اور ان کا بطور میاں بیوی رہنا خطرناک ہوجائے تو طلاقِ رجعی دینا بہتر عمل ہے۔

سوال 202: طلاق دینے کا اختیار کس کو ہے؟

جواب: طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہے کیونکہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں رکھی گئی جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ. (۲)

(شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق شوہر پر لازم ہے کہ اختلاف اور نزاع کی صورت میں حتی الامکان طلاق سے گریز کرے اور اگر طلاق دینا ناگزیر ہوتو صرف ایک طلاق رجعی دے۔ حضرت ابراہیم سے مروی ہے:

إذا أراد الرجل أن يطلق امرأته للسنَّةِ تركها حتى تحيضَ و تطهرَ

(۱) البقرة، ۲:۲۲۹

(۲) البقرة، ۲:۲۳۷

من حيضتها. ثم يطلقُها تطليقةً من غير جماعٍ، ثم يتركها حتى تنقضيى عدتُها، وإن شاءَ طلقها ثلاثاً عند كلِّ طهرٍ تطليقةٌ حتى يطلقها ثلاثاً.[۱]

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اسے حیض آنے تک چھوڑ دے جب حیض سے پاک ہوتو (اس طہر میں) جماع کیے بغیر اسے ایک طلاق دے پھر اسے (اسی حالت میں) چھوڑے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور اگر تین طلاقیں دینا چاہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے حتیٰ کہ تین طلاقیں دے دے۔

طلاق دینے کا اختیار فقط مرد کو ہے جب مرد نے طلاق دے دی تو طلاق ہو گئی۔ چاہے عورت منظور کرے یا نہ کرے ہر طرح سے طلاق ہو جاتی ہے۔

سوال 203: کیا طلاق کا حق شرعی طور پر بیوی کو بھی دیا جا سکتا ہے؟

جواب: طلاق اصالتاً اور بالذات تو شوہر کا حق ہے اور وہ جب چاہے اسے استعمال کرسکتا ہے لیکن یہ حق بیوی کو بھی تفویض کرسکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ.[۲]

(۱) شیبانی، کتاب الآثار، ۱:۴۲۶، رقم:۴۵۹

(۲) البقرة، ۲:۲۳۷

اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی درآنحالیکہ تم ان کا مَہر مقرر کر چکے تھے تو اس مَہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ (اپنا حق) خود معاف کر دیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

قرآن حکیم نے طلاق دینے کا اختیار صرف خاوند کو دیا ہے البتہ خاوند یہ اختیار چاہے تو بیوی کو مشروط یا غیر مشروط طور پر دے سکتا ہے خواہ نکاح کے وقت یا بعد میں کسی وقت، اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو جب چاہے یا جب کبھی چاہے یا جس وقت چاہے یا جس وقت بھی چاہے، اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو یہ حق تفویضِ طلاق دائمی ہو گا جب تک وہ اس شوہر کے نکاح میں ہے اس حق کو استعمال کر سکتی ہے لیکن اگر بیوی کسی خاص موقع پر باہمی تکرار کے دوران شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اور وہ جواباً کہے کہ: 'تم اپنے آپ کو طلاق دے دو' یا یہ کہے کہ 'تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے' یا یہ کہ 'تم اپنا فیصلہ خود کر لو' وغیرہ اور یہ کلمات طلاق کی نیت سے کہے تو اگر بیوی اسی مجلس میں یہ حق استعمال کرے، یعنی یوں کہے کہ 'میں نے اپنے آپ کو طلاق دی'، 'میں نے اپنے نفس کا خود فیصلہ کر لیا' وغیرہ تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس مجلس میں یہ حق استعمال نہ کیا تو بعد میں اسے یہ حق حاصل نہیں رہے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إذا خيَّر الرجلُ امرأته فقامت من مجلسها فلا خيارَ لها.[1]

(۱) شیبانی، کتاب الآثار، ۲: ۴۶۹، رقم: ۵۳۰

جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ مجلس سے اٹھ جائے تو اسے کوئی اختیار نہیں۔

سوال 204: طلاق دینے کا حق صرف مرد کو کیوں دیا گیا عورت کو کیوں نہیں۔ جبکہ نکاح مرد و عورت کی باہمی رضا مندی سے طے پاتا ہے؟

جواب: طلاق دینے کا حق صرف مرد کو تفویض کیا گیا ہے عورت کو نہیں۔ عورت کو طلاق کا اختیار نہ دینے اور مرد کو طلاق کا اختیار دینے کی چند وجوہات ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے اور اس کو جلدی غصہ آجاتا ہے اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے اختیار میں ہوتا تو وقوع طلاق کی شرح دو چند سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شوہر عورت کے مطالبہ اور اس کی ضد پر طلاق دیتا ہے۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت جذباتی ہونے کی وجہ سے قوت فیصلہ میں کمزور ہوتی ہے اس لیے مرد کو طلاق کا حق دیا گیا۔

☆ طلاق کا معاملہ مرد کے اختیار میں دینے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرد اپنا مال خرچ کر کے حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے اس لیے ان حقوق سے دستبردار ہونے کا اختیار بھی اسی کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنا روپیہ خرچ کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے وہ اس چیز کو آخری حد تک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اس وقت اس چیز کو چھوڑتا ہے جب اس کو چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ

باقی نہ رہے اس کے برخلاف حقوق زوجیت کو قائم کرنے میں عورت کو کوئی محنت کرنی پڑتی ہے نہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اگر طلاق کا اختیار عورت کو دے دیا جاتا تو عورت کو طلاق واقع کرنے میں اس قدر سوچ و بچار اور تامل کی ضرورت نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ اقدام عدل و انصاف کے بھی خلاف ہوتا۔

سوال 205: عورت طلاق کا مطالبہ کب کرسکتی ہے؟

جواب: اگر میاں بیوی کی آپس میں ناچاقی ہو اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو اور حقوقِ طرفین ادا نہ ہو سکتے ہوں تو اس صورت میں عورت طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے اور خلع لے سکتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولُ اللهِ، ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ، وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ. قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً. (1)

حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ محترمہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ! میں کسی بات کی بنا پر ثابت بن قیس سے ناخوش نہیں ہوں، نہ اُن کے اخلاق سے اور نہ اُن کے دین سے، لیکن میں مسلمان ہو کر احسان فراموش بننا ناپسند کرتی ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ان کا باغ واپس دینا چاہتی ہو وہ عرض گزار ہوئیں جی ہاں!

(1) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف طلاق فیہ، ۵:۲۰۲۱، رقم: ۴۹۷۱

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کا باغ دے دو اور اُن سے ایک طلاق لے لو۔

لیکن اس میں عورت کو خود اپنا اختیار حاصل نہیں۔ مرد ہی کو اختیار ہے کہ وہ طلاق دے یا نہ دے، خلع کرے یا نہ کرے۔ اگر شوہر حقوق بھی پورے نہ کرے اور طلاق بھی نہ دے تو پھر عورت بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کرواسکتی ہے۔

سوال 206: تین طلاقیں اکٹھی دینے کی بجائے دو طلاقیں مختلف اوقات میں دینے میں حکمت کیا ہے؟

جواب: تین طلاقیں اکٹھی دینے کی بجائے دو طلاقیں مختلف اوقات میں دینے میں حکمت یہ ہے کہ رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ جب کوئی شخص قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق صحیح طریقہ سے عورت کی پاکیزگی کے ان ایام میں جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے گا اور دوسری طلاق کے لیے اگلی پاکیزگی کے ایام تک رکا رہے گا جو تقریباً ایک ماہ کے برابر ہیں تو اس عرصہ میں وہ اس معاملہ پر سو دفعہ غور کرے گا اور غالب گمان ہے کہ اس کی رائے بدل جائے گی۔

اگر بیوی کے مطالبہ یا اس کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے یہ اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو ایک ماہ میں اس کے طرز عمل میں تبدیلی یا مطالبہ طلاق ترک کر دینے کا غالب امکان ہے اس طرح دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے گا اور تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئے گی۔ جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ دورانِ طہر جماع کیے بغیر صرف ایک طلاق دی جائے اور عدت کی پوری مدت میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے اور عدت کے ان تین ماہ میں طلاق سے رجوع

کرنے کا زیادہ موقع رہے گا اور بالفرض رجوع نہیں کیا اورعدت گذر گئی اورعورت بائنہ ہوگئی اور بعد میں حالات سازگار ہوئے تو اب دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش باقی رہے گی اور حلالہ کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی جبکہ تین طلاقیں دینے کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی۔

سوال 207: عدت کے لحاظ سے مطلقہ عورتوں کی اقسام اور رجوع کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: عدت کے لحاظ سے قرآن حکیم میں مطلقہ عورتوں کی تین اقسام ہیں، جو درج ذیل ہیں:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰـثَةَ قُرُوْٓءٍ.[1]

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

وَالّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰـثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۝[2]

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوچکی ہوں اگر تمہیں شک ہو (کہ اُن کی عدّت کیا ہوگی) تو اُن کی عدّت تین مہینے ہے اور وہ عورتیں جنہیں (ابھی) حیض نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدّت ہے)، اور حاملہ

---

(۱) البقرة، ۲:۲۲۸

(۲) الطلاق، ۶۵:۴

عورتیں (تو) اُن کی عدّت اُن کا وَضعِ حمل ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (تو) وہ اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہےo

۱۔ وہ عورت جس کو 'ایام' آتے ہوں اس کی عدت تین حیض ہے، طلاق کے بعد جب تیسری مرتبہ وہ پاک ہو جائے گی تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

۲۔ وہ عورت جو نہ حاملہ ہو نہ اسے ایام آتے ہوں اس کی عدت تین ماہ ہے۔

۳۔ حاملہ عورت کی عدت 'وضع حمل' پر ہوتی ہے یعنی بچے کی پیدائش پر اس کی عدت ختم ہو جائے گی، خواہ بچے کی پیدائش جلدی ہو یا دیر سے۔

رجوع کا طریقہ

رجوع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

۱۔ رجعی طلاق میں اگر مرد اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہے تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کر لیا تو رجوع ہو جائے گا۔

۲۔ اگر زبان سے کچھ نہ کہا مگر میاں بیوی کا تعلق قائم کر لیا یا خواہش و رغبت سے اس کو ہاتھ لگا دیا تب بھی رجوع ہو جائے گا۔

۳۔ اگر تحریر کر دے کہ میں رجوع کرتا ہوں تو پھر بھی رجوع ہو جائے گا۔

سوال 208: عدالتی اور شرعی طلاق میں کیا فرق ہے؟

جواب: عدالتی اور شرعی طلاق میں فرق درج ذیل ہے:

عدالتی طلاق: جب شوہر فَاِمۡسَاکٌ بِمَعۡرُوۡفٍ کے مطابق بیوی بنا کر رکھے نہ اَوۡ

تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ کے تحت چھوڑے تو ایسی صورت میں عورت کو حق ہے کہ بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کروا لے۔ اس صورت میں قاضی یا جج کو حق ہوتا ہے کہ ظلم کی اندھیر نگری کو ختم کرنے کے لیے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے۔ یہ طریقہ کار عین شرعی ہے اس کو ہم غیر شرعی نہیں کہیں گے۔

شرعی طلاق: شرعی طلاق سے مراد جب میاں بیوی کا آپس میں اکٹھے رہنا ناگزیر ہو جائے تو اس صورت میں شوہر شرعی طریقہ کار کے مطابق خود طلاق دے یا خلع کے ذریعے علیحدہ ہو جائیں۔

سوال 209: طلاق رجعی کے بعد رجوع کے لیے نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے نکاح کی ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں عورت کی رضا شرط نہیں۔ عورت راضی ہو یا نہ ہو رجوع کیا جا سکتا ہے۔ امام مرغینانی لکھتے ہیں:

> **والرجعه أن يقول راجعتک أو راجعت امرأتي وهذا صريح في الرجعة، ولا خلاف فيه بين الأئمة.** (1)

> اور رجعت یہ ہے کہ عورت کو خطاب کر کے کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا گواہوں کو مخاطب کر کے کہہ دے کہ میں نے اپنی عورت سے رجعت کر لی خواہ عورت حاضر ہو یا آگاہ کر دے اور یہ رجعت میں

---

(۱) مرغيناني، الهداية، ٢:٦

صریح لفظ ہے اور چاروں ائمہ میں کچھ اختلاف نہیں۔

سوال ۲۱۰: حالتِ حیض میں دی گئی طلاق بائن ہو یا رجعی اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: حالتِ حیض میں اگر طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا منع ہے۔ اب اگر طلاق رجعی دی ہے تو رجوع کرے اور پھر چاہے تو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔

اگر حالت حیض میں تین طلاقیں دیں تو اس صورت میں عورت کو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعی کے وہ اس کے لیے حلال نہیں اور عدت طلاق دینے کے وقت سے شمار ہوگی، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَأَمَرَهُ أَنْ يَرْجِعَهَا ثُمَّ يُمْهِلَهَا حَتّٰى تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرٰى، ثُمَّ يُمْهِلَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ يُطَلِّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ. قَالَ: فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ يَقُولُ: أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَمَرَهُ أَنْ يَرْجِعَهَا ثُمَّ يُمْهِلَهَا حَتّٰى تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرٰى ثُمَّ يُمْهِلَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ يُطَلِّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا. وَأَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ

امْرَأَتِکَ وَبَانَتْ مِنْکَ.[1]

حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلہ میں مسئلہ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ اس کو ایک اور حیض گزرنے کی مہلت دیں، پھر اس دوسرے حیض سے پاک ہونے کی مہلت دیں۔ پھر (اگر چاہے تو) مقاربت سے پہلے اسے طلاق دیں اور یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ پھر جب حضرت (عبد اللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا جاتا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی ہے تو وہ فرماتے اگر تو نے ایک طلاق دی ہے یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، پھر اس کو مہلت دو حتیٰ کہ اس کا ایک اور حیض گزر جائے اور وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو۔ لیکن اگر تم نے اسے تین طلاقیں (ہی حالتِ حیض میں) دی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا جس طریقہ سے حکم دیا ہے تو نے اس کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی تجھ سے علیحدہ ہوگئی ہے۔

لہٰذا حالت حیض میں دی گئی طلاق، بائن ہو یا رجعی اگرچہ یہ گناہ ہے مگر

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض، ۲:۱۰۹۴، رقم:۱۴۷۱

طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

سوال 211: کیا ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا شوہر پر لازم ہو جاتا ہے؟

جواب: جی نہیں! ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں ہوتا۔ اگر بلا وجہ طلاق دے گا تو سخت گناہگار ہوگا۔

سوال 212: اگر کوئی شخص ٹیلی فون پر اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص ٹیلی فون پر اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دے تو وہ واقع ہو جائیں گی۔ اب وہ عورت اس خاوند پر قطعاً حرام ہوگی اور بغیر حلالہ کے تعلقات بحال نہیں ہو سکتے۔ وہ عورت آزاد ہے، عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

سوال 213: زبردستی طلاق دلوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر زبردستی طلاق لینے والے جان سے مار دینے پر قادر ہوں یا جو دھمکیاں دے رہے ہوں ان پر عمل بھی کر سکتے ہوں تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ تحریری ہو یا زبانی حدیث مبارکہ میں ایسی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

قرآن حکیم میں ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ.[1]

---

(۱) البقرة، ۲:۲۵۶

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا طلاق ولا عتاق فی إغلاق. (1)

جبر و اکراہ سے نہ طلاق ہوتی ہے اور نہ غلام آزاد

فقہاے کرام فرماتے ہیں:

رجل أکره بالضرب والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق. (2)

کسی شخص کو مار پیٹ اور حبس (قید) کے ذریعہ، اپنی بیوی کو تحریری طلاق پر مجبور کیا گیا، کہ فلاں دختر فلاں ابن فلاں کو طلاق اس نے لکھ دیا کہ فلاں عورت فلاں بن فلاں کی بیوی کو طلاق اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔

کتاب الفقہ میں مذکور ہے:

---

(1) ۱۔ ابن ماجه، السنن، ۱: ۶۶۰، رقم: ۲۰۴۶
۲۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۲۱۷، رقم: ۲۸۰۳
۳۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۴: ۸۳، رقم: ۱۸۰۳۸
۴۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۳۵۷، رقم: ۱۴۸۷۴،
۵۔ دارقطنی، السنن، ۴: ۳۶، رقم: ۹۹،

(2) ۱۔ فتاوی قاضی خان علی هامش عالمگیری، ۱: ۴۷۲
۲۔ ابن نجیم الحنفی، غمز عیون البصائر، ۳: ۴۴۷

ویشترط أَن یکون الإِکراہ علی التلفظ بالطلاق فاذا أَکرھہ علیٰ کتابۃ الطلاق فکتبہ فإِنہ لا یقع بہ الطلاق.[1]

جبر کرنے کی شرط یہ ہے کہ اسے منہ سے الفاظِ طلاق ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ پس اگر تحریری طلاق دینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق لکھ دی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

میاں بیوی اکٹھے رہنا چاہیں مگر کوئی تیسرا فریق زبردستی طلاق دلوائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر بیوی شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے اور وہ جبراً طلاق لے لے تو طلاق واقع ہوجائے گی کیوں کہ جب بیوی کسی صورت رہنا ہی نہ چاہے تو وہ طلاق کی حق دار ہوتی ہے۔

سوال 214: گونگے کی طلاق کیسے ہوگی؟

جواب: گونگے شخص کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ اشارہ معلوم اور واضح ہو۔ ایسی صورت میں اشارہ قول کا قائم مقام تصور کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

کَانَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ جَارٌ فَارِسِيٌّ طَیِّبُ الْمَرَقَةِ فَأَتَی رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ وَعِنْدَهُ عَائِشَةُ فَأَوْمَأَ إِلَیْهِ بِیَدِهِ أَنْ تَعَالَ وَأَوْمَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلٰی عَائِشَةَ أَيْ وَهٰذِهِ، فَأَوْمَأَ إِلَیْهِ الْآخَرُ هٰکَذَا بِیَدِهِ أَنْ لَا مَرَّتَیْنِ أَوْ ثَلَاثًا.[2]

---

(۱) الجزیری، کتاب الفقه علی المذاہب الأربعة، ۴:۲۸۴

(۲) نسائی، السنن، کتاب الطلاق، باب الطلاق بالإشارة المفهومة، ۶:۱۱۵-۱۱۶، رقم:۳۴۳۶

رسول اللہ ﷺ کا ایک فارسی پڑوسی تھا جو شوربہ بہت عمدہ پکاتا تھا، ایک مرتبہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے پاس اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں تو اس نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تشریف لائیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ فرمایا یعنی انہیں بھی لاؤں۔ اس نے ہاتھ سے دو تین دفعہ اشارہ کیا۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص گفتگو نہ کر سکے اس کا سمجھ میں آنے والا اشارہ بولنے والے شخص کی طرح ہے۔ اگر اشارے سے طلاق دے اور معلوم ہو جائے کہ طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر گونگا شخص پڑھا لکھا ہے تو صرف تحریر کا اعتبار کیا جائے گا، اس کی طلاق بذریعہ اشارہ نہ ہوگی اور بغیر طلاق کے دوسرا نکاح اس لڑکی کا درست نہیں۔

گونگے شخص کی طلاق کے بارے میں فقہاء کا موقف یہ ہے:

كانت له إشارة مفهومة يعرف بها طلاقه، ونكاحه، وبيعه وشراؤه، فإنها تعتبر. وإن لم تكن له إشارة مفهومة فلا يعتبر له طلاق. وإذا كان يعرف الكتابة فإن طلاقه بالاشارة لا يصح إذ فى إمكانه أن يكتب ما يريد، فكتابة الأخرس كاللفظ من السليم على المعتمد.[1]

اس (گونگے شخص) کا اشارہ ایسا ہو جس سے طلاق، نکاح اور خرید و

(۱) الجزیری، کتاب الفقہ، ۴: ۲۸۹

فروخت سب کچھ سمجھ میں آ جاتا ہو تو اس کا اشارۂ (طلاق) بھی مانا جائے گا۔ اگر اس کا اشارہ سمجھ میں نہ آتا ہو تو اشارۂ طلاق کا بھی اعتبار نہ ہوگا لیکن اگر وہ لکھنا جانتا ہے تو اس کے اشارے سے طلاق دینا درست نہ ہوگا کیونکہ اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا ارادہ لکھ کر بتا سکے۔ لہٰذا بقولِ معتمد گونگے شخص کا لکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ صحیح الحال شخص کا منہ سے بولنا۔

سوال 215: جو شخص گونگا نہ ہو تو کیا وہ بھی اشارہ سے طلاق دے سکتا ہے؟

جواب: جی نہیں! جو شخص گونگا نہ ہو وہ اشارہ سے طلاق نہیں دے سکتا۔ جب تک وہ الفاظ زبان سے نہ کہے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، اگرچہ شوہر کی نیت بھی اس اشارے سے تین طلاق کی ہو۔

فقہاء کرام کا موقف ہے:

الإشارة بالطلاق لا تقوم مقام اللفظ من السليم الذى يمكنه أز ينطق، فلا يقع الطلاق إلا باللفظ المسموع، بخلاف حديث النفس أو الهمس، فانه لا يعتبر.[1]

ایسا صحیح المزاج شخص جو بول سکتا ہے اشارہ میں طلاق دے تو وہ اشارہ لفظ کی بجائے کام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ایسے شخص سے جب تک ایسے الفاظ نہ سنے جائیں تو طلاق نہ ہوگی۔ دل میں کہنے یا بڑ بڑانے کے بر خلاف جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

---

(۱) الجزیری، کتاب الفقه، ۴: ۲۸۹

سوال 216 : پاگل، مجنون کی طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب: پاگل، مجنون کی ذہنی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ پاگل پن اور جنون کا اس کے اعصاب پر غلبہ ہوتا ہے اور اس کو کوئی بات سمجھائی نہیں دے رہی ہوتی، لہٰذا اس صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں:

أَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنْ ثَـلَاثَةٍ: عَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يُدْرِکَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ. (۱)

قدرت کا قلم تین آدمیوں سے اٹھا لیا گیا ہے دیوانہ جب تک اسے افاقہ نہ ہو جائے، بچہ جب تک بلوغ کی عمر کو نہ پہنچے اور سونے والا جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔''

فقہائے کرام فرماتے ہیں:

لا يقع طلاق الصبی والمجنون والنائم. (۲)

بچے، پاگل اور سوتے ہوئے کی طلاق نہیں ہوتی۔

الغرض حالتِ جنون میں دی گئی طلاق یعنی پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ اِفاقہ کے دوران دی گئی ہو۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره والسّكرانِ والمجنون، ۵:۲۰۱۹

(۲) مرغینانی، ہدایہ، ۱: ۲۲۹

سوال 217: کیا بیماری کی حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! بیماری کی حالت میں بیمار کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر حالت مرض میں دی گئی طلاق کی عدت کے دوران اس کا خاوند فوت ہو جائے تو عورت وارثت کی بھی مستحق ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ وَهُوَ مَرِيضٌ. فَوَرَّثَهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنْهُ، بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا. (1)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت مرض میں طلاق دی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کو اس کی عدت ختم ہونے کے بعد ان کی وراثت میں سے مقررہ حصہ دیا۔

حالتِ مرض میں اگر ہوش وحواس قائم ہوں تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

سوال 218: کیا نشہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں ! نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

طلاق السکران جائز. (2)

نشے والے کی طلاق صحیح ہے۔

---

(1) مالك، الموطا، ۲: ۵۷۱، رقم: ۴۰

(2) ابنِ ابی شیبه، المصنف، ۴: ۷۸، رقم: ۱۷۹۵۵

حالت نشہ میں طلاق ہو جانے پر احناف کی دلیل یہ ہے کہ اس کی عقل گناہ کی وجہ سے زائل ہوئی ہے۔ لہٰذا زجراً اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ یوں ہی ایسی حالت میں قتل کر دے تو قصاص واجب ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب نشہ آور چیز (جو نشہ کے لیے استعمال ہوتی ہے) سے کوئی خود نشہ کرے یا وہ نشے کا عادی ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے۔ اگر کسی کو کوئی دھوکہ سے نشہ آور چیز دے دے یا پھر ایسی چیز سے نشہ آ جائے کہ وہ چیز اس مقصد کے لیے نہ ہو تو ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص خود کشی کی خاطر نیند کی گولیاں کھائے لیکن وہ حالتِ نشہ میں آ جائے اور اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

سوال 219: کیا مذاق میں طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! مذاق میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثَـلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرِّجْعَةُ.[1]

تین چیزیں ایسی ہیں کہ ارادہ کریں تو صحیح مراد ہوں گی اور اگر مذاق کریں تو پھر بھی صحیح مراد ہیں: (۱) نکاح، (۲) طلاق، (۳) رجوع۔

---

(۱) ابوداود، السنن، كتاب الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، ۲:۲۳۲، رقم:۲۱۹۴

لہٰذا ہوش و حواس میں اپنی مرضی سے دی گئی طلاق نافذ ہوجاتی ہے خواہ مذاق میں دی جائے۔

سوال 220 : کیا مدہوشی میں طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: جی نہیں! مدہوشی میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ مدہوش شخص کا ذہنی توازن مکمل طور پر درہم برہم ہو چکا ہوتا ہے اور عقل و حواس پر کنٹرول نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسا شخص طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

الثانی: أن يبلغ النهاية فلا يعلم ما يقول ولا يريده، فهذا لا ريب أنه لا ينفذ شئی من أقواله.[1]

دوسری قسم غصہ کی ہے کہ غصہ آخری حد تک پہنچ جائے اور پتہ نہ چلے کہ کیا کہتا ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس حال میں بلا شبہ اس کی بات نافذ نہ ہوگی۔

سوال 221: نابالغ کی بیوی طلاق کیسے حاصل کر سکتی ہے؟

جواب: نابالغ کی طلاق کسی طرح صحیح نہیں ہے، نہ وہ خود طلاق دے سکتا ہے اور نہ اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے۔ حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ نابالغ طلاق دینے کا اہل نہیں جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ابن عابدین، رد المحتار، ۲:۴۶۳

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبَرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ.[1]

تین آدمیوں سے باز پرس نہیں ہے: سونے والے سے جب تک وہ جاگ نہ جائے، بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، اور دیوانے سے جب تک اسے عقل نہ آ جائے۔

فقہاء نے چند وجوہات کی بناء پر نابالغ کی بیوی سے تفریق کی قاضی کے لیے اجازت دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یا تو شوہر مجنوں ہو یا مقطوع الذکر ہو یا شوہر مرتد ہو جائے یا کافر کی بیوی اسلام لے آئے تو ان جگہوں میں نابالغ کی بیوی کو قاضی اس سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ یہاں بھی درحقیقت طلاق واقع ہونا نابالغ کی طرف سے نہیں ہے اور جہاں فقہاء نے تفریق کی تصریح کی ہے ان جگہوں کے سوا نابالغ کی طلاق کے عدمِ وقوع کی تصریح فرماتے ہیں کہ ماسوا ان مسائلِ اربعہ کے صبی (بچہ) میں طلاق دینے کی اہلیت نہیں ہے۔

سوال 222: اگر کوئی شخص بیوی کی خودکشی کی دھمکی کے ڈر سے اس کو طلاق دے دے تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب: جی ہاں! اگر کوئی شخص بیوی کی خودکشی کی دھمکی کے ڈر سے اس کو طلاق دے دے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی بیوی کو

---

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب الطلاق، باب طلاق المعتوه و الصغير و النائم، ۱:۲۵۱۶، رقم: ۲۰۴۱

طلاقِ رجعی دے دی جائے۔ اگر عدت کے اندر درست ہوجائے تو رجوع کرے ورنہ عدت کے بعد خود ہی آزاد ہوجائے گی، کیوں کہ عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو وہ طلاق کی حق دار ہوتی ہے۔

سوال 223: رخصتی سے پہلے تین مرتبہ طلاق دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: رخصتی سے پہلے شوہر بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر تینوں طلاقیں ایک ہی لفظ میں دے دے تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اگر تینوں علیحدہ علیحدہ دے تو پہلی کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری واقع نہ ہوگی۔ جس عورت کے ساتھ بالکل دخول نہیں ہوا اس کو طلاق رجعی واقع نہیں ہوگی اس کی طلاق بائن یا مغلظہ ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> **فِيْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، لَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.**[1]
>
> جو شخص دخول سے قبل اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دے دے تو وہ عورت اس شخص کے لیے تب تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> **إِذَا طَلَّقَ الْبِكْرَ وَاحِدَةً فَقَدْ بَتَّهَا، وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى**

---

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۶۶، رقم: ۱۷۸۵۲

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.[1]

اگر کسی آدمی نے باکرہ کو ایک طلاق دی تو وہ بائنہ ہو جائے گی۔ اگر اسے دخول سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔

غیر مدخولہ کی طلاق کے بارے فقہاے اَحناف کا موقف ہے:

فَإِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْأُولٰى وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ. وَذٰلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ: أَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ إِيقَاعٌ عَلٰى حِدَةٍ إِذَا لَمْ يَذْكُرْ فِي آخِرِ كَلَامِهِ مَا يُغَيِّرُ صَدْرَهُ حَتّٰى يَتَوَقَّفَ عَلَيْهِ، فَتَقَعُ الْأُولٰى فِي الْحَالِ فَتُصَادِفُهَا الثَّانِيَةُ وَهِيَ مُبَانَةٌ.[2]

اگر شوہر نے غیر مدخولہ بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دیں تو پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی، دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوں گی۔ مثلاً شوہر یوں کہے: ''تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔'' ان میں سے ہر ایک الگ الگ طلاق واقع کر رہا ہے بشرطیکہ شوہر نے اپنے آخری کلام میں کوئی ایسی چیز نہ ذکر کی ہو جو صدرِ کلام کو بدل دے حتیٰ کہ وقوع اسی پر موقوف ہو جائے۔ چنانچہ پہلی طلاق فوراً واقع ہوجائے گی، اب دوسری

---

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۶۶، رقم:۱۷۸۵۳

(۲) ۱۔ مرغيناني، الهداية، ۱: ۲۴۰

۲۔ ابن همام، فتح القدير، ۴: ۵۵

۳۔ الفتاوى الهندية، ۱: ۳۷۳

طلاق اس حال میں دی کہ نکاح ٹوٹ چکا تھا۔

لہٰذا رخصتی سے قبل دی گئی الگ الگ طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہوگی جب کہ ایک ہی لفظ میں دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

سوال 224: کیا حاملہ، حائضہ، نفساء کو بھی طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر حاملہ، حائضہ، نفساء کو طلاق دی جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی واقع ہو جائیں گی لیکن ان حالات میں عورت کو طلاق دینا بدعت اور گناہ ہے۔

سوال 225: کیا تین بار طلاق دینے کا کوئی کفارہ ہے؟

جواب: تین بار طلاق دینے کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ بیک وقت ایک لفظ سے یا الگ الگ الفاظ میں تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں اور اسی پر صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور چاروں فقہی مسالک کا اتفاق ہے۔ لہٰذا تین طلاق دینے کے بعد بیوی کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے۔

سوال 226: کیا تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع ہو سکتا ہے؟

جواب: جی نہیں! جب نارمل حالت میں تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خاوند کو نہ رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور نہ تجدیدِ نکاح کا۔ مگر عدت کے بعد عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرے، پھر دوسرا شوہر فوت ہو جائے یا اَز خود طلاق دے دے تو عورت عدت گزارنے کے بعد پہلے

شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؛ اس کے بغیر نہیں۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ، فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا، حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ.(۱)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس عورت نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ بعد ازاں اس نے بھی طلاق دے دی۔ سو حضور نبی اکرم ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ کیا وہ عورت اب پہلے خاوند کے لیے حلال ہے؟ فرمایا: حلال نہیں ہے یہاں تک کہ دوسرا خاوند اس کا ذائقہ نہ چکھ لے جیسا پہلے نے چکھا تھا۔

ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ انہوں نے جواب دیا:

أثم بربه وحرمت عليه امرأته.(۲)

اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، ۵:۲۰۱۴، رقم:۴۹۶۱

(۲) ابن أبی شیبة، المصنف،، ۴:۶۲، رقم:۱۷۷۸۲

كان عمر إذا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثاً فِي مَجْلِسٍ، أَوْجَعَهُ ضَرْبًا، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا.(1)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اگر کسی ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کرا دیتے تھے۔

سوال 227: کیا تین بار طلاق لکھ کر پھاڑ دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! تین بار طلاق لکھ کر پھاڑ دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ تین طلاقیں جب تحریری صورت میں بھی دی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں، چاہے لکھے ہوئے کو بعد میں پھاڑ ہی کیوں نہ دیا جائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں رجوع کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اس عورت کا دوسری جگہ نکاح ہو، وہاں آباد ہو اور پھر طلاق لے لے یا بیوہ ہو جائے۔

سوال 228: تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جانے پر ائمہ کا موقف کیا ہے؟

جواب: ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ أنت طالق ثلاثا (تجھے تین طلاقیں ہیں)

---

(1) ابن أبی شیبة، المصنف، 4: 62، رقم: 17784

تو اس کے بارے میں علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور قدیم و جدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔[1]

جمہور اپنے موقف کو قرآن حکیم کے اس ارشاد سے دلالت کرتے ہیں جس میں ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے یعنی دو طلاقوں کے بعد خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِنْ م بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.[2]

پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ نکاح کر لے۔

قرآن حکیم نے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَان فرمایا یعنی دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد فوراً اگر تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس سے واضح ہوگیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا کہ 'میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی' تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

---

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۰: ۷۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۳۰

أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَـلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ، فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا، حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ. [1]

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس عورت نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ بعد ازاں اس نے بھی طلاق دے دی۔ سو حضور نبی اکرم ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ کیا وہ عورت اب پہلے خاوند کے لیے حلال ہے؟ فرمایا: حلال نہیں ہے یہاں تک کہ دوسرا خاوند اس کا ذائقہ نہ چکھ لے جیسا پہلے نے چکھا تھا۔

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو خلافت مبارک ہو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

اذهبي. فانتِ طالق يعني ثلاثا.

جاؤ تم کو تین طلاقیں دیں۔

اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوگئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا جب اس کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو اس نے کہا مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے، جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، ۵: ۲۰۱۴، رقم: ۴۹۶۱

آب دیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے:

أَيما رجل طلق امرأته ثلاثًا عند الإقراء أو ثلاثًا مبهمة، لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره، لراجعتها.[1]

جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

آثارِ صحابہ اور اقوال تابعین سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حضرت سالم ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ نے فرمایا:

من طلَّق امرأَته ثلاثًا، طلَّقت، وعصى ربه.[2]

جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی مگر اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے۔

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں:

كان عمر إذا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَأَتُهُ ثَـلاثاً فِي مَجْلِسٍ، أَوْجَعَهُ

---

(۱) بيهقي، السنن الكبرى، ۷:۵۵۰، رقم: ۱۴۹۷۱

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۶:۳۹۵، رقم: ۱۱۳۴۴

ضَرْبًا، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا.[1]

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اگر کسی ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کرا دیتے تھے۔

سوال 229: تیسری طلاق دینا شوہر کو یاد نہ ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر شوہر کو یاد نہ ہو کہ اس نے دو طلاقیں دی ہیں یا تین دی ہیں تو اس صورت میں طلاق تو واقع ہو جائے گی لیکن اگر تیسری طلاق میں شک ہو تو دو سمجھی جائیں گی اور دو طلاق صریح میں عدت کے اندر تجدید نکاح کے بغیر رجوع صحیح ہے۔ حلالہ وغیرہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:

ولو شک اطلق واحدة أو أكثر بنى على الأقل.[2]

اور اگر شک ہو کہ آیا ایک طلاق دی ہے یا زیادہ تو کم تر کو قائم رکھے (یعنی اگر ایک اور دو میں شک ہے تو ایک کو قائم رکھے اور اگر دو میں اور تین میں شک ہے تو دو کو قائم رکھے)۔

سوال 230: عورت خود تین طلاقیں سنے مگر مرد کو یاد نہیں کیا حکم ہے؟

جواب: عورت نے خود تین طلاقیں سُنی ہوں مگر مرد کو یاد نہیں تو ایسی صورت میں

---

(۱) ابن أبی شيبة، المصنف، ۴:۶۲، رقم:۱۷۷۸۴

(۲) حصكفی، در مختار، ۱:۲۲۲

یقیناً طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اگر تعداد میں اختلاف ہے اور مرد کو تعداد یاد نہیں، وہ دو کا اقراری اور تین کا انکاری ہے، جبکہ عورت تین کی مدعی ہے لیکن اس کے پاس کوئی گواہ یا شرعی ثبوت نہیں۔ لہٰذا خاوند کو قسم دی جائے گی جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَعَتِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ زَوْجِهَا، فَجَاءَتْ عَلٰى ذٰلِکَ بِشَاهِدٍ عَدْلٍ، اسْتُحْلِفَ زَوْجُهَا. فَإِنْ حَلَفَ بَطَلَتْ شَهَادَةُ الشَّاهِدِ وَإِنْ نَكَلَ فَنُكُولُهُ بِمَنْزِلَةِ شَاهِدٍ آخَرَ وَجَازَ طَلَاقُهُ. (۱)

اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دی ہے اور اس پر ایک عادل گواہ بھی لے آئے تو خاوند سے قسم لی جائے گی۔ اگر اس نے طلاق نہ دینے کی قسم کھا لی تو گواہی باطل ہوگی اور اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو یہ انکار دوسرے گواہ کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس پر طلاق ہو جائے گی۔

لہٰذا خاوند قسم اٹھائے کہ 'میں نے دو بار طلاق دی ہے'، اگر عدت نہیں گزری تو رجوع کر کے تعلقاتِ زن وشوہر بحال کر سکتے ہیں اور اگر عدت گزر چکی ہے تو بغیر حلالہ اَز سرِ نو تعلقات بحال کرنے کے لیے نکاح کر سکتے ہیں۔

---

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب الطلاق، باب الرجل یجحد الطلاق، ۲:۵۱۵، رقم:۲۰۳۸

سوال 231: شوہر نے دو طلاقیں دیں مگر بیان میں جھوٹ کہہ کر تین بنا لیں اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: اگر شوہر دو طلاقیں دے مگر بیان میں جھوٹ کہہ کر تین بنا لے تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ حلالہ کیے بغیر پہلے خاوند کے لیے بیوی حلال نہیں ہوگی۔

سوال 232: 'تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں یا اگر کر چکا ہوں تو تجھے تین طلاق' کہنے کا حکم کیا ہے؟

جواب: تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں یا اگر کر چکا ہوں تو تجھے تین طلاق کہنے کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی کی اجازت کے بغیر اگر نکاح کرے گا یا نکاح کر چکا ہے تو اسے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جیسا کہ درج ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے:

عَنِ الشَّعْبِيِّ، اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ قَالَ لامْرَاَتِهِ: كُلُّ امْرَاَةٍ أَتَزَوَّجُهَا عَلَيْکَ فَهِيَ طَالِقٌ، قَالَ: فَكُلُّ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا عَلَيْهَا، فَهِيَ طَالِقٌ.[1]

امام شعبی سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تیرے ہوتے ہوئے جس عورت سے بھی شادی کروں اُسے (نئی بیوی کو) طلاق ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ اس بیوی کے ہوتے ہوئے جس عورت سے بھی شادی کرے گا اُسے طلاق ہو جائے گی۔

---

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۶۵، رقم:۱۷۸۳۸

ایک اور روایت میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ، فِی رَجُلٍ قَالَ: إِنْ دَخَلْتِ دَارَ فُلاَنٍ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً. فَدَخَلَتْ وَهُوَ لاَ يَشْعُرُ. قَالَ: إِنْ كَانَ غَشِيَهَا فِی الْعِدَّةِ فَغِشْيَانُهُ لَهَا مُرَاجَعَةٌ، وَإِلاَّ فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ بِوَاحِدَةٍ.(۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں شخص کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق ہے۔ سو اگر وہ داخل ہوئی اور مرد کو علم نہیں تھا، اب اگر عدت میں آدمی نے اس سے جماع کیا تھا تو جماع کرنا رجوع ہے اور اگر نہیں کیا تھا تو عورت کو ایک طلاقِ بائنہ ہو جائے گی۔

اِسی طرح جب کوئی شخص تین طلاقوں کی شرط لگائے گا تو شرط پوری ہونے پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

وَإِذَا اَضَافَهُ إِلٰی شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ.(۲)

جب خاوند نے طلاق کو شرط سے مشروط کیا تو جب شرط پائی گئی، طلاق ہو جائے گی۔

سو معلوم ہوا کہ جب شوہر طلاق کو کسی اَمر کے ساتھ معلق کر دے تو وہ اَمر وقوع پذیر ہوتے ہی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

(۱) ابن أبی شیبة، المصنف، ۴:۶۰، رقم:۱۷۷۸۷

(۲) ۱۔ مرغینانی، الهدایة، ۱:۲۵۱

۲۔ الفتاوی الهندیة، ۱:۴۲۰

سوال 233: اگر کہا کہ 'اتنے دن خبر گیری نہ کروں تو تمہیں طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔' کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر شوہر بیوی سے کہے کہ 'اتنے دن خبر گیری نہ کروں تو تمہیں طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔' اس صورت میں تحقیق شرط کے بعد عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے۔ یہ شرط عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے برابر ہے۔

سوال 234: اگر کہا 'سب گھر والوں کو طلاق دی، کہا گیا کہ تیری بیوی کو بھی پڑ گئی تو کہا: پڑ جانے دو۔' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ وہ عورت نکاح سے نکل گئی کیونکہ صریح طلاق میں نیت کی ضرورت نہیں ہے اور پھر شوہر کا یہ کہنا کہ پڑ جانے دو؛ یہ بھی سببِ وقوعِ طلاق ہے۔

سوال 235: طلاق کے ساتھ اِن شاء اللہ کہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر طلاق کے ساتھ اِن شاء اللہ اس طرح کہا کہ اگر کوئی اس کی زبان سے سن لے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ لفظ اِن شاء اللہ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں مخاطب کرتے ہوے فرمایا:

ما خلق اللہ علی ظهر الْأَرض أَحبّ إِليه من عتاق، وما خلق اللہ

على وجه الأَرض أَبغض إِليه من الطلاق. فإذا قال الرجل لعبده: هو حرٌّ إِن شاءَ الله، فهو حرّ، ولا استثناءَ له، وإِذا قال لامرأته: أَنت طالق إِن شاءَ الله، فله استثناءُهُ، ولا طلاق عليه. [1]

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر آزادی سے محبوب کوئی شے پیدا نہیں کی اور روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ شے کوئی پیدا نہیں کی۔ تو جب کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ آزاد ہے اگر اللہ چاہے؛ تو وہ آزاد ہے اور اسے استثناء حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ تو اس کے لیے استثناء ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حضرت ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا:

أنتِ طالقٌ ثلاثًا إن شاءَ اللهُ، قَالَ: لَيس بشيءٍ، ولا يقعُ عليها الطلاقُ. [2]

تجھے تین طلاقیں ہیں اِن شاء اللہ (اگر اللہ چاہے) وہ فرماتے ہیں! یہ کوئی بات نہیں اور اس عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔

اگر محض دل میں کہا اور زبان سے اس طرح نہیں کہا کہ کوئی اس کی زبان سے ’’اِن شاء اللہ‘‘ نہ سن سکے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۶: ۳۹۰، رقم: ۱۱۳۳۱

(۲) شیبانی، کتاب الآثار، ۲: ۴۵۸، رقم: ۵۱۱

سوال 236: بیوی نے طلاق مانگی شوہر نے کہا 'سب سے کہہ دو کہ طلاق دے دی ہے۔' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیوی نے طلاق مانگی تو شوہر نے کہا: 'سب سے کہہ دو کہ طلاق دے دی ہے'۔ اس صورت میں شوہر کی نیت اور غرض کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی لیکن عورت سے کہہ دیا کہ سب سے کہہ دو کہ طلاق دے دی تو اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر مقصد اس لفظ سے طلاق دینا ہی تھا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

سوال 237: 'آج سے تم مجھ پر حرام ہو' کے الفاظ سے کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب: جی ہاں! جب شوہر طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو کہے کہ 'آج سے تم مجھ پر حرام ہو' تو ان الفاظ سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اگر شوہر اپنی بیوی کو کہے کہ 'تم مجھ پر حرام ہو' اور اس سے مراد بیوی سے قربت نہ کرنا ہو تو یہ قسم ہے اور اس کے بعد اس نے بیوی کو مقاربت کا موقع دیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا جیسا کہ حدیث مبارک میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

فِي الْحَرَامِ: يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا. (1)

---

(1) مسلم، الصحيح، كتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته ولم ينو الطلاق، 2: 1100، رقم: 1473

(اپنی بیوی کو) حرام کہنا قسم ہے جس کا کفارہ لازم ہے۔

سوال 238: 'میں تم کو حقِ زوجیت سے خارج کرتا ہوں' کا کیا حکم ہے؟

جواب: 'میں تم کو حقِ زوجیت سے خارج کرتا ہوں' کے الفاظ سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔

سوال 239: شوہر نے دو مرتبہ کہا 'تجھ کو آزاد کر دیا' کیا حکم ہے؟

جواب: شوہر نے دو مرتبہ کہا کہ 'تجھ کو آزاد کر دیا' تو اس صورت میں بیوی کو ایک بائن واقع ہوگی اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔ رجوع کے لیے تجدید نکاح ضروری ہوگا تجدید نکاح کے بعد زندگی میں دوبار طلاق کا حق باقی رہ جائے گا۔ تجدید نکاح نہ کرنے کی صورت میں عورت آزاد ہوگی عدت کے بعد جہاں چاہے اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے۔

سوال 240: کیا میں تمہیں آزاد کرتا ہوں کہنے سے طلاق صریح ہوگی؟

جواب: جی نہیں! 'میں آزاد کرتا ہوں' کے الفاظ سے طلاقِ بائن واقع ہوگی۔

سوال 241: شوہر طلاق دے کر مکر جائے تو عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اگر طلاق میں میاں بیوی کا اختلاف ہوجائے اور بیوی کہے کہ اس نے طلاق دے دی ہے اور شوہر انکار کرے تو گواہ نہ ہونے کی صورت میں عدالت شوہر کی بات کا اعتبار کرے گی۔ لیکن آج کل لوگوں میں دین و دیانت کی بہت کمی آ گئی ہے اور وہ طلاق دینے کے بعد مکر جاتے ہیں اس لیے اگر شوہر دین دار قسم کا آدمی

نہیں ہے اور عورت کو یقین ہے کہ اس نے تین بار طلاق دی ہے تو عورت کے لیے شوہر کے گھر آباد ہونا جائز نہیں ہے۔ شوہر کی قانونی کارروائی سے بچنے کے لیے اس کا حل یہ ہے کہ عدالت سے رجوع کیا جائے اور عورت کی طرف سے تنسیخ نکاح کا دعوی کیا جائے اور عدالت دونوں کے درمیان تفریق کرادے۔

حضرت ابراہیم نے اُس شخص کے بارے میں فرمایا کہ جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے اور پھر ان تینوں کا انکار کرے:

أَحب إلي أَن ترافعهُ إلى السلطان، فإن حلف فأحب إلي أن تفتدى منه إذا حلف.[1]

میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ بات ہے کہ اس معاملہ کو قاضی کی عدالت میں پیش کیا جائے۔ تو اگر (طلاق دینے والا جھوٹی) قسم اٹھا لے، پھر میرے نزدیک یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ عورت اپنی جان چھڑانے کے لیے اسے کچھ فدیہ دے دے جب وہ جھوٹی قسم اٹھائے۔

سوال 242: غصہ میں اگر ہوش وحواس قائم نہ رہیں تو ایسے میں طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کسی شخص کا غصہ اس درجہ کو پہنچ جائے کہ ہوش وحواس قائم نہ رہیں تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

إِن يبلغ النهاية فلا يعلم ما يقول ولا يريده، فهذا لاريب أَنه لا ينفذ

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۱۰۲، رقم:۱۸۲۱۷

شيء من أقواله.[1]

ایسی حالت جس میں وہ اس انتہا کو پہنچ جائے کہ اس کو اپنا کہا معلوم نہ ہو اور نہ وہ یہ الفاظ کہنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا اس حالت میں کہا گیا کوئی قول نافذ نہیں ہوگا۔

سوال 243: غصہ میں بغیر نیت کہا 'تمہیں سو طلاقیں ہیں' کیا حکم ہے؟

جواب: اگر تو شدید غصے کی کیفیت میں کہا پھر تو ایک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اگر نارمل غصہ تھا تو ایسی کیفیت میں طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ امام شعبی سے روایت ہے:

عن شريح قال رجل: إني طلقتها مائة. قال: بانت منك بثلاث وسائرهن إسراف ومعصية.[2]

شریح سے کسی نے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ماندہ طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔

سوال 244: غصہ میں طلاق ہونے یا نہ ہونے کی کیا صورت ہے؟

جواب: ابتدائی غصہ میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ یعنی غصے کی وہ کیفیت جس میں عقل زائل نہیں ہوتی اس کیفیت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ امام

---

(۱) ابن عابدین، رد المحتار، ۲:۴۶۳

(۲) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۶۴، رقم:۱۷۸۰۲

جزیری لکھتے ہیں:

إِن الغضب الذي لا يغير عقل الإِنسان ولا يجعله كالجنون، فإِن الطلاق فيه يقع بلا شبهة. [1]

ایسا غصہ جو انسان کی عقل کو مسخ نہ کر دے اور اسے پاگل کی طرح نہ بنا دے اس کی دی ہوئی طلاق بلاشبہ واقع ہو جاتی ہے۔

سوال 245: غصہ میں طلاق دی مگر یاد نہیں کہ دو ہیں یا تین، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: غصے کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن اگر دو یا تین میں شک ہو تو دو طلاق سمجھی جائیں گی اور دو طلاقِ صریح میں عدت کے اندر تجدید نکاح کے بغیر رجوع ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شک ہو کہ طلاق دو دیں یا زیادہ تو کم والے عدد پر عمل کیا جائے گا۔

سوال 246: کیا طلاق میں بیوی کا سامنے موجود ہونا یا اسے مخاطب کیا جانا ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! طلاق میں بیوی کا سامنے موجود ہونا یا اسے مخاطب کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ اگر غائبانہ طلاق دی جائے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أَرْسَلَ إِلَيَّ زَوْجِي بِطَلَاقِي فَشَدَدْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ

(۱) الجزیری، کتاب الفقه، ۴:۲۹۵

فَقَالَ: كَمْ طَلَّقَكِ؟ فَقُلْتُ: ثَلَاثًا. قَالَ: لَيْسَ لَكِ نَفَقَةٌ وَاعْتَدِّي فِي بَيْتِ ابْنِ عَمِّكِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَإِنَّهُ ضَرِيرُ الْبَصَرِ تُلْقِينَ ثِيَابَكِ عِنْدَهُ، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَآذِنِينِي. (1)

مجھے میرے خاوند نے طلاق کہلوا بھیجی اور بعد ازاں میں نے اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کتنی طلاقیں دی گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا: تین۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے عدت بیٹھنے کے لیے تیرے خاوند کی طرف سے خرچہ نہ ملے گا۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے چچا کے بیٹے کے گھر میں ایامِ عدت پورے کریں یعنی ابن ام مکتوم کے پاس کیونکہ وہ نابینا آدمی ہیں اور آپ ان کی موجودگی میں اپنے کپڑے بھی اتار سکتی ہیں اور ارشاد فرمایا: جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو اس وقت مجھے اطلاع کرنا۔

یعنی بیوی کا سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی زبانی اپنی بیوی کو طلاق کہلوا بھیجے تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عورت عدت گزار کر جہاں چاہے شادی کر سکتی ہے۔

سوال 247: کیا دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

جواب: جی نہیں! دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کی توضیح

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب الطلاق، باب ارسال الرجل الی زوجته بالطلاق، ۶:۱۱۰، رقم:۳۴۱۸

حدیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ نَتَكَلَّمْ.

قَالَ قَتَادَةُ: إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ.[1]

اللہ نے میری امت سے دلوں میں پیدا ہونے والی باتوں سے درگزر کر لیا ہے جب تک کہ لوگ ان کو عملاً بروئے کار نہ لائیں یا انہیں زبان سے ادا نہ کریں۔

نیز قتادہ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دل میں طلاق دے بیٹھے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

یعنی محض دل میں وسوسہ پیدا ہو جانے کے باعث یا محض دل میں ارادہ یا نیت کر لینے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ صراحتاً زبان سے الفاظِ طلاق ادا نہ کیے جائیں۔

سوال 248: جھوٹ موٹ طلاق کا اقرار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر واقعی کوئی جھوٹ موٹ بہکانے کی نیت سے طلاق کا اقرار کرے تو دیانتاً طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن قضاءً واقع ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں معاملہ عدالت میں جائے گا تو وہاں اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ حاکم کے لیے ضروری

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب الطلاق في الاغلاق والكره والسكران والمجنون، ۵: ۲۰۲۰، رقم: ۴۹۶۸

ہو گا کہ اس کو طلاق قرار دے اور جب حاکم اس کو طلاق دے کر تفریق کا حکم کرے گا تو پھر دیانتاً بھی عورت حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ کتاب الفقہ میں ہے:

فلو أَقر بدون إكراه كاذبا أَو هاز لا فانه لا يقع ديانة بينة وبين ربه، ولكنه يقع قضاء لأن القاضى له الظاهر ولا اطلاع له على ما في قلبه.[1]

پس اگر بغیر جبر کیے جھوٹ موٹ یا مذاق کے طور پر اقرار کر لیا تو شرعا وہ طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کا یہ معاملہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ لیکن عدالتی فیصلہ کی رو سے طلاق ہو جائے گی کیونکہ حاکم شرع ظاہر پر فیصلہ کرے گا، اسے دل کی بات کا علم نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر الفاظ مذکور ہی کہے گئے تھے تو عورت کو طلاق رجعی ہوئی ہے۔ اس لیے مرد کے لیے بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لے اور اگر عدت گزر گئی تو تجدید نکاح کرے تا کہ حرمت کے خطرے سے نکل جائے۔

یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کوئی کسی کو جھوٹی خبر دے کہ میں نے طلاق دی ہے اور جھوٹ بولنا ہی نیت ہو۔

سوال 249: کسی کو طلاق نامہ لکھنے کو کہا تو کیا طلاق واقع ہوگئ؟

جواب: جی ہاں! کسی کو طلاق نامہ لکھنے کو کہا جائے تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

---

(۱) جزیری، کتاب الفقه، ۴: ۲۸۴

کیونکہ طلاق کے صریح لفظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرِّجْعَةُ. (۱)

تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی: نکاح، طلاق اور رجعت۔

ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي. كان اقرارا بالطلاق وإن لم يكتب. (۲)

اگر کاتب کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق لکھ دے تو یہ کہنا بھی طلاق کا اقرار ہوگا۔ اگرچہ وہ نہ لکھے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔

سوال 250: کیا بیوی کو طلاق لکھنے یا لکھوانے اور طلاق نامہ بنوانے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! بیوی کو طلاق لکھنے یا لکھوانے اور طلاق نامہ بنوانے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چاہے خود لکھے، کسی سے لکھوائے، طلاق نامہ بنوائے یا طلاق نامہ بنوانے کا کہہ دے۔ سب صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ کاغذ بیوی کے ہاتھ

---

(۱) ابو داؤد، السنن، كتاب الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، ۲: ۲۳۲، رقم: ۲۱۹۴

(۲) ابن عابدين، رد المحتار، ۲: ۴۶۵

میں دے یا دیئے بغیر ہی ضائع کر دے۔ امام زہری سے مروی ہے:

إذا كتب إليها بطلاقها، فقد وقع الطلاق عليها، فإن جحدها استحلف.[1]

جب کوئی شخص اپنی بیوی کی طرف طلاق لکھے تو اس عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ پس اگر وہ (دی گئی طلاق کا) انکار کرے تو اس سے قسم لی جائے گی۔

حضرت ابراہیم سے مروی ہے:

إذا كتبَ إليها زوجها بطلاقها وهو ينوي الطلاقَ، فهي طلاق.[2]

جب کوئی شخص بیوی کی طرف طلاق لکھے اور طلاق دینے کی نیت کرتا ہو تو اسے اس وقت سے طلاق ہوجائے گی جب اس نے طلاق لکھی ہے۔

سوال 251: کاتب سے ایک طلاق لکھنے کو کہا اس نے تین لکھ دیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کاتب سے ایک طلاق لکھنے کو کہا مگر اس نے تین طلاقیں لکھ دیں تو ایسی صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور شوہر دورانِ عدت رجوع کر سکتا ہے اور عدت کے بعد بغیر حلالہ تجدیدِ نکاح کر سکتا ہے۔

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۶: ۴۱۳، رقم: ۱۱۴۳۳

(۲) شیبانی، کتاب الآثار، ۲: ۴۴۹، رقم: ۴۹۵

سوال 252: خیالات میں طلاق دی اور پھر آہستہ آہستہ لفظ زبان پر بھی جاری ہوگئے؛ طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب: وساوس و خیالات اور وہمی طور پر زبان کی حرکت سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی نکاح ٹوٹتا ہے۔

سوال 253: بعض علاقائی رواج کے مطابق طلاق کے الفاظ کہنے کی بجائے محض کنکریاں پھینک کر طلاق دی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: طلاق کے الفاظ بولنے کے بجائے محض کنکریاں پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک ہ وہ بول کر کنکری کے ساتھ طلاق نہ لکھ دے یا کہے کہ ایک کنکری سے مراد ایک طلاق ہے اور دو سے دو اور تین کنکریوں سے مراد تین طلاقیں ہیں۔

سوال 254: اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں لیکن کسی ملک کا قانون دو شادیوں کی اجازت نہ دیتا ہو، جبکہ شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ تو ایسی صورت میں اس ملک کے قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے کیا وہ شخص کاغذ پر ایک بیوی کو طلاق لکھ دے جبکہ اس کی نیت طلاق کی نہ ہو۔ تو کیا اس کا نکاح برقرار رہے گا۔

جواب: جس بیوی کے لیے جتنی طلاقیں لکھے گا واقع ہو جائیں گی۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ جَدُّهُنَّ جَدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جَدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.[1]

تین چیزیں واقع ہو جاتی ہیں خواہ انہیں کوئی قصدًا کرے یا ہنسی مذاق میں۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔

لہٰذا بلا جبر و اکراہ عام حالات میں شوہر زبانی یا تحریری جتنی طلاقیں دے گا واقع ہو جائیں گی۔

سوال 255: 'ایک ماہ بعد میں نے تین طلاقیں دیں'۔ لکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی کہے کہ ایک ماہ بعد میں نے تین طلاقیں دیں تو تحریر کے وقت سے ٹھیک ایک ماہ کے بعد اس کو لکھنے والے کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی جب کہ لکھنے یا لکھوانے والا اس کا شوہر ہو۔

سوال 256: شوہر نے جج کے سامنے کہا کہ 'چھ ماہ قبل طلاق دی تھی' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر شوہر جج کے سامنے کہے کہ میں نے چھ ماہ قبل طلاق دی تھی اور حقیقتاً اس نے دی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اگر شوہر نے جو کہا اس کی اس

---

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، ۲: ۲۳۲، رقم: ۲۱۹۴

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الطلاق، باب ما جاء في الجد والهزل فی الطلاق، ۳: ۴۹۰، رقم: ۱۱۸۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الطلاق، باب من طلق أو نكح أو راجع لاعبا، ۲: ۵۱۵، رقم: ۲۰۳۹

طلاق کی تصدیق اس کی طرف سے ہوگئی تو طلاق واقع ہوگئی۔ البتہ طلاق اُسی وقت واقع ہوگی جس وقت شوہر نے طلاق دی تھی۔

سوال 257: تفویضِ طلاق سے کیا مراد ہے؟

جواب: تفویضِ طلاق سے مراد ہے کہ شوہر طلاق کا اپنا اختیار بیوی کو سونپ دے کہ اگر وہ چاہے تو خود پر طلاق واقع کرلے۔ ایسی صورت میں عورت اس حق کو استعمال کر کے خود کو طلاق دے کر رشتۂ زوجیت قطع کرسکتی ہے اور اس طلاق کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جیسے شوہر نے خود اپنی بیوی کو وہ طلاق دی ہو۔

تفویضِ طلاق کے بعد شوہر بیوی کے اس حق کو فسخ نہیں کرسکتا کیونکہ تفویض کے بعد بیوی اس اختیار کی بنفسہٖ مالک ہو جاتی ہے خواہ اس حق کو وہ استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے۔ البتہ اگر تفویضِ طلاق ایک معین مدت کے لیے ہو اور وہ مدت گزر جائے تو عورت کا حق باطل اور بے اثر ہو جائے گا۔ بصورتِ دیگر اگر شوہر حقِ طلاق سپرد کرتے وقت ایک طلاق سپرد کرنے کی نیت کرتا ہے تو پھر ایک طلاق واقع ہوگی اور اس کی حقیقت ایک پیغام رساں کی ہوگی۔ اگر شوہر تین طلاقوں کی نیت کرتا ہے تو وہ تین ہی واقع ہوجائیں گی جیسا کہ خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ كَانَ جَالِساً عِنْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ. فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ عَتِيْقٍ وَعَيْنَاهُ تَدْمَعَانِ. فَقَالَ لَهٗ زَيْدٌ: مَاشَأْنُكَ؟ فَقَالَ مَلَّكْتُ اِمْرَأَتِيْ أَمْرَهَا. فَفَارَقَتْنِيْ. فَقَالَ لَهٗ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ قَالَ: اَلْقَدَرُ. فَقَالَ

زَيْدٌ: اِرْتَجِعْهَا إِنْ شِئْتَ. فَإِنَّمَا هِيَ وَاحِدَةٌ. وَأَنْتَ أَمْلَكُ بِهَا.[1]

وہ زید بن ثابت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص محمد بن ابی عتیق آیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: میں نے (ایک) طلاق دینے کا اختیار اپنی بیوی کے سپرد کر دیا تھا تو وہ (اُس اختیار کو استعمال کر کے مجھے) چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ حضرت زید بن ثابت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ آخر تو نے یہ کیوں کیا؟ کہنے لگا: تقدیر ہی ایسی تھی۔ حضرت زید بن ثابت فرمانے لگے: اگر تم رجوع کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو کیونکہ طریقہ مذکورہ سے صرف ایک طلاق واقع ہوئی ہے اور تم اس کے مالک ہو۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ شوہر کے اپنی بیوی کو حقِ طلاق تفویض کرنے کی صورت میں خود اس کا حقِ طلاق ساقط نہیں ہوتا۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو حقِ طلاق تفویض کر دیا اور پھر خود اس کو طلاقِ بائن دے دی تو عورت کا اختیار باطل اور غیر نافذ ہو جائے گا۔

سوال 258: اِختیار سونپنے کے بعد عورت کا اپنے آپ کو طلاق دینے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اِختیار ملنے کے بعد عورت جب چاہے خود کو طلاق دے سکتی ہے، یعنی اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے اور وہ یہ الفاظ کہے کہ 'میں نے اپنے آپ کو طلاقِ بائنہ دی اور

(۱) مالك، الموطا، ۲:۵۵۴، رقم:۱۲

اپنے نفس کو اپنے شوہر کے نکاح سے خارج کر دیا' تو اس صورت میں عورت پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور وہ شوہر کے نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ عدت کے بعد اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔

سوال 259: کیا ایک یا دو بار طلاق دینے کے بعد عدت میں خلوتِ صحیحہ سے رجوع ہوجاتا ہے؟

جواب: ایک یا دو طلاق کے بعد عدت میں رجوع قول سے ہوگا اور فعل سے بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ الهدایہ میں ہے:

والرجعة أن يقول: راجعتک أو راجعت امرأتی.[1]

اور رجعت یہ ہے کہ عورت کو خطاب کر کے کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کرلی یا (گواہوں کو مخاطب کر کے کہہ دے کہ) میں نے اپنی عورت سے رجعت کرلی (خواہ عورت حاضر ہو یا آگاہ کردے)۔

اور رجعت کبھی فعل سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم سے روایت ہے:

إذا لَمسَ الرجلُ امرأتَهُ من شهوةٍ في عدَّتها فتلک مراجعةٌ، وإذا قبَّلها في عدتِها فتلک مراجعةٌ.[2]

جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران اسے شہوت کے ساتھ ہاتھ

(۱) مرغيناني، الهداية، ۲:۶

(۲) شيباني، كتاب الآثار، ۲: ۴۴۳-۴۴۴، رقم:۴۸۶

لگائے تو یہ رجوع ہے اور جب عدت کے دوران اس کا بوسہ لے تو یہ بھی رجوع ہے۔

اگر دو بار طلاق دی تھی تو اب شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا اختیار رہ گیا۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی تو وہ ایک طلاق سے ہی مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ شرعی نکاح بھی نہ ہو سکے گا۔

سوال 260: بلا اِجازت بیوی کے کہیں جانے پر اسے طلاق دینا کیسا ہے؟

جواب: بلا اجازت بیوی کے کہیں جانے پر اسے طلاق دینا جائز نہیں لیکن اگر طلاق دے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر وہ کہیں غلط جگہ جاتی ہو تو اسے پہلے منع کیا جائے گا اور سمجھایا جائے گا اگر پھر بھی باز نہ آئے تو ایک طلاق رجعی دی جائے گی۔

سوال 261: کیا طلاق میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! طلاق میں گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ طلاق تنہائی میں دی جائے تو بھی واقع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ خود بیوی بھی موجود نہ ہو تب بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ البتہ اگر شوہر طلاق دے کر مکر جائے تو عدالت میں گواہی کے لیے گواہ ہونا ضروری ہے۔

سوال 262: شوہر نے کہا: 'مہر کا معافی نامہ لکھ کر بھیجو میں طلاق لکھ کر بھیجتا ہوں' کیا اس طرح طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب: اگر شوہر کہے کہ 'مہر کا معافی نامہ لکھ کر بھیجو، میں طلاق لکھ کر بھیجتا ہوں' تو

اس صورت میں طلاق اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک شوہر طلاق نہیں دے گا اور نہ مہر معاف ہوگا کیونکہ مہر کی معافی طلاق دینے پر معلق ہے۔ غرض یہ کہ شوہر کے طلاق دیئے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

سوال 263: مہر کے بدلے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے؟

جواب: مہر کے بدلے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے کیونکہ جو طلاق مال کے عوض ہوتی ہے وہ طلاقِ بائنہ ہے۔ لہٰذا ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوئی اور مہر معاف ہوگیا۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

الخلع: تطليقة بائنة، ...... وإن المرأة لتفتدى ببعض مالها. [1]

خلع طلاقِ بائن ہے۔ ...... بے شک عورت اپنے کچھ مال کا فدیہ دے کر اپنے خاوند سے چھٹکارا حاصل کرسکتی ہے۔

حضرت ابراہیم سے ہی مروی ہے:

كلُّ طلاقٍ أُخِذَ عليه جعلٌ فهو بائنٌ لا يملكُ الرجعةَ. [2]

جب طلاق پر کوئی چیز (مال وغیرہ) لی جائے تو وہ طلاقِ بائن ہے، اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۶: ۴۸۱، رقم: ۱۱۷۵۲

(۲) محمد الشیبانی، کتاب الآثار، ۲: ۴۴۴، رقم: ۴۸۸

سوال 264: دو طلاق دے کر نکاح کیا، پھر چند سال بعد دوبارہ دو طلاقیں دے دیں اور پھر نکاح کر لیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر دو رِجعی طلاقیں دے کر عدت کے بعد دوبارہ اُسی سے نکاح کیا تو اب اس صورت میں اِس عورت کو طلاقِ مغلّظہ ہوگئی۔ چونکہ درمیان میں نکاح دوسرے مرد سے نہیں کیا۔ لہٰذا پہلی دو طلاقیں منسوخ نہیں ہوئیں، اس لیے ایک طلاق باقی تھی اور بعد کی دو طلاقوں سے ایک طلاق ان کے ساتھ مل کر تین طلاقیں ہو جائیں گی اور جب عورت مطلقہ ثلاثہ ہوگئی تو بغیر حلالہ اس سے نکاح کرنا صحیح نہ ہوگا۔ وہ نکاح جو بعد میں کیا باطل قرار پایا۔

سوال 265: جہاں اِحتیاطاً تجدیدِ اِیمان اور تجدیدِ نکاح ہو وہاں تجدیدِ مہر بھی ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: جہاں اِحتیاطاً تجدیدِ اِیمان اور تجدیدِ نکاح ہو وہاں تجدیدِ مہر ضروری نہیں ہے۔

سوال 266: اُستاد یا پیر طلاق دینے کو کہیں اور ماں باپ منع کریں تو اس صورت میں کس کی بات مانی جائے گی؟

جواب: استاد یا پیر طلاق دینے کو کہیں اور ماں باپ منع نہ بھی کریں تو اس صورت میں اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں ہے، خصوصاً جب والدین منع کر رہے ہوں تو بھی طلاق نہیں دینی چاہیے۔

سوال 267: اگر کسی عورت کا بھائی یا والد اس کی اجازت کے بغیر اس کے شوہر سے مہر کی معافی کی شرط پر تین بار طلاق دلوا دے اور جہیز نہ مانگنے کا دعویٰ بھی خود لکھ دے تو کیا طلاق واقع ہوگی؟

جواب: جی نہیں! اگر کسی عورت کا بھائی یا والد اس کی اجازت کے بغیر اس کے شوہر سے مہر کی معافی کی شرط پر تین طلاق دلوا دے اور جہیز نہ مانگنے کا دعویٰ بھی خود لکھ دے تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ مہر عورت کا حق ہوتا ہے اور وہی اس کی مالکہ بھی ہوتی ہے لہٰذا مہر معاف کرنے کا حق صرف عورت کو ہے جب مہر معاف کرنے کی شرط پر تین طلاقیں لکھی جائیں تو وہ والد یا بھائی کے مہر معاف کرنے سے واقع نہیں ہوں گی۔

سوال 268: حلالہ میں عورت کا یہ شرط لگانا کہ 'میں جب چاہوں آزاد ہو جاؤں گی' کیسا ہے؟

جواب: حلالہ میں عورت کا یہ شرط لگانا کہ 'میں جب چاہوں آزاد ہو جاؤں گی'، قبل از نکاح ایسا کہنا باطل ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عورت کو خود طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ اگر یہ شرط رکھی جائے کہ نکاح کے بعد جس وقت چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور شوہر ثانی بھی اسے منظور کر لے کہ نکاح کے بعد تجھ کو طلاق دینے کا اختیار ہے تو اس صورت میں عورت جب چاہے اپنے نفس کو طلاق دے سکتی ہے؛ جیسا کتاب الفقہ میں ہے:

فإذا خافت المرأة أن لا يطلقها، فإنه يمكنها أن تقول لهٗ:

زوجتک نفسی علی أن یکون أمر طلاقی بیدی. فیقول لها: قبلت علی ذٰلک. وفي هذه الحالة یصح العقد، ویکون لها الحق فی تطلیق نفسها متی أرادت.[1]

اگر عورت کو اس امر کا اندیشہ ہے کہ وہ شخص نکاح کے بعد اسے طلاق نہ دے گا تو عورت کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس شخص سے یہ کہے کہ میں تمہاری زوجیت اس شرط پر قبول کرتی ہوں کہ مجھے خود اپنے تئیں طلاق دینے کا اختیار ہوگا اور وہ شخص کہے کہ مجھے یہ شرط قبول ہے، تو اس صورت میں وہ عقد صحیح ہوگا اور اس عورت کو حق ہوگا کہ جس وقت بھی چاہے خود کو طلاق دے کر اس سے علیحدہ ہو جائے۔

سوال 269: حلالہ کے دوران عورت کو گولیاں یا انجکشن لگوا لیا جائے تا کہ حمل نہ ٹھہرے تو اس کا حلالہ پر کوئی اثر پڑے گا؟

جواب: نہیں! حلالہ کے دوران عورت کو گولیاں یا انجکشن لگوانے سے حلالہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

سوال 270: حلالہ کیے بغیر پہلے خاوند سے رجوع کرنا کیسا ہے؟

جواب: قرآن وسنت کی رُو سے طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کیے بغیر بیوی پہلے خاوند سے رجوع نہیں کرسکتی، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ.[2]

---

(۱) الجزیری، کتاب الفقه، ۴:۸۰

(۲) البقرة، ۲:۲۳۰

پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ نکاح کرلے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ، فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يُوَاقِعَهَا أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا حَتّٰى يَذُوقَ الْآخَرُ عُسَيْلَتَهَا وَتَذُوقَ عُسَيْلَتَهُ. [1]

کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اس عورت نے دوسرا خاوند کرلیا، اس خاوند نے چھونے سے قبل ہی طلاق دے دی اور بعد ازاں یہ مسئلہ حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ایسی عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ اس عورت کا مزہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح نہ چکھ لے۔

سوال 271: جس عورت سے بدکاری کا گناہ سرزد ہو جائے تو کیا اسے طلاق دینا ضروری ہے؟

جواب: جس عورت سے بدکاری کا گناہ سرزد ہو جائے اور الزام بھی ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس پر حد جاری ہوگی، طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب الطلاق، باب الطلاق للتي تنكح زوجاً ثم لا يدخل بها، ٦:١٠٧، رقم:٣٤٠٧

8

خلع کے اَحکام و مسائل

اِس باب میں ڈاکٹر غزالہ حسن قادری کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ سے ضروری مواد شامل کیا گیا ہے۔ انہوں نے University of Birmingham سے ’’پاکستان میں قانونِ خلع میں اِصلاحات‘‘ کے موضوع پر PhD کی ہے۔

سوال 272: خلع کسے کہتے ہیں؟

جواب: خلع کا لغوی معنی ایک شے سے دوسری شے نکالنے کا ہے۔ اصطلاحًا خلع کے معنی بر وزنِ نَزَعَ باہر نکالنے یا اتارنے کے آتے ہیں۔ مثلاً **خَلَعَ النَّعُلَ وَالثَّوُبَ**[1] (اس نے جوتے اور کپڑے اتارے یا اس نے خود سے جدا کیے)۔ چونکہ خلع میں عورت مرد کے رشتہ زوجیت سے باہر آ جاتی ہے اس لیے شرعاً خلع کا مفہوم یہ ہے مِلکِ نکاح سے دست بردار ہونا۔

امام ابن ہمام حنفی نے لکھا ہے:

إزالة ملك النكاح.[2]

مِلکِ نکاح زائل کرنے کو خلع کہتے ہیں۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

هو إزاله ملك النكاح المتوقفه على قبولها بلفظ الخلع أو في معناه ولا بأس.[3]

مِلکِ نکاح کو ختم کرنا، جو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔ لفظِ خلع

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۸:۷۶

(۲) ابن الهمام، شرح فتح القدير، ۴:۲۱۰-۲۱۱

(۳) حصکفی، الدر المختار، ۳:۴۳۹

کے ساتھ یا اس کے ہم معنی لفظ سے اور ضرورت کے وقت خلع کرنے میں حرج نہیں۔

خَلَعَ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے باہر آنے کو بھی کہتے ہیں:

من خلع يداً من طاعة لقي الله تعالٰى لا حجة له. أى: خرج من طاعة سلطانه. (1)

جس نے اطاعتِ حاکم سے ہاتھ کھینچا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اس کی کوئی حجت باقی نہیں ہوگی۔

یہاں خلع خروج کے معنی میں ہے۔ اِسی طرح خلع سے مراد رشتہ زوجیت سے باہر آنا اور رشتہ زوجیت کا ختم ہونا ہے۔

سوال 273: خلع کا فلسفہ کیا ہے؟

جواب: جس طرح مرد کے اختیار میں طلاق ہے اسی طرح خلع کو عورت کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔ اگر عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور اگر مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔

خلع کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ مرد عورت سے کچھ معاوضہ لے کر عورت کو چھوڑ دے۔ خلع عام حالات میں مکروہ ہے اور صرف اس حالت میں جائز ہے جب شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ

---

(۱) ابن الأثير، النهاية، ۲:۶۴

سکیں گے اور اس سے مرد اور عورت کے درمیان حسنِ معاشرت ناپسندیدہ ہوگی یا اس وجہ سے کہ مرد کی صورت عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہو یا اس کے اخلاق عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں۔

سوال 274: اگر عورت ازدواجی زندگی سے مطمئن نہ ہو تو اس کے لیے قرآن حکیم میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر عورت ازدواجی زندگی سے مطمئن نہ ہو تو ایسی صورت میں قرآن کی رُو سے وہ خلع کا حق رکھتی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلطَّلاَقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ م بِاِحْسَانٍ ط وَلاَ يَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ فَلاَ تَعْتَدُوْهَا ج وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O(1)

طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو چیزیں تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو سوائے اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ (اب رشتۂ زوجیت برقرار رکھتے ہوئے) دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۲۹

تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے،سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، پس تم ان سے آگے مت بڑھو اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں سو وہی لوگ ظالم ہیںo

یعنی حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کے خطرہ کے باعث عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے مگر قرآن حکیم میں ایک مقام پر یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ شوہر اگر طلاق دینا چاہتا ہے تو معاوضہ وصول کرنے کے لالچ میں وہ بیوی کو خلع لینے پر مجبور نہیں کرسکتا یہاں تک کہ اگر وہ بیوی کو مہر میں ایک معقول رقم ہی کیوں نہ دے چکا ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ج وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًاo[1]

اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، اور انہیں اس غرض سے نہ روک رکھو کہ جو مال تم نے انہیں دیا تھا اس میں سے کچھ (واپس) لے جاؤ سوائے اس کے کہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں، اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو، پھر

---

(۱) النساء، ۴: ۱۹

اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے○

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا○(۱)

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ناحق الزام اور صریح گناہ کے ذریعے وہ مال (واپس) لینا چاہتے ہو؟○

سوال 275: اسلام میں سب سے پہلے حقِ خلع کس نے استعمال کیا؟

جواب: اسلام میں سب سے پہلے حقِ خلع حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے استعمال کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

إِنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ، وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ. قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً.(۲)

---

(۱) النساء، ۴: ۲۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب الخلع و کیف الطلاق فیه، ۵: ۲۰۲۱، رقم: ۴۹۷۱

حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ! میں کسی بات کی بنا پر ثابت بن قیس سے ناخوش نہیں ہوں، نہ اُن کے اخلاق سے اور نہ اُن کے دین سے، لیکن میں مسلمان ہو کر احسان فراموش بننا ناپسند کرتی ہوں۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم ان کا باغ واپس دینا چاہتی ہو۔ وہ عرض گزار ہوئیں: جی ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا باغ دے دو اور اُن سے ایک طلاق لے لو۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ 'اسلام کے بعد کفر میں داخل ہونے کو ناپسند کرتی ہوں' سے مراد ہے کہ میں ایسی چیز ناپسند کرتی ہوں جو اسلام کے منافی ہو کہ میں اپنے خاوند کی نافرمانی کروں، اس کی اطاعت نہ کروں اور اس کی خدمت نہ کروں وغیرہ۔

سوال 276: خلع کا قانونی طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: فیملی لاء کے مطابق خلع لینے کا طریقہ یہ ہے کہ جب خاتون فیملی کورٹ میں خلع کا کیس فائل کرتی ہے۔ تو 8 دن کے اندر شوہر کو نوٹس جاتا ہے۔ اس کے بعد شوہر کی طرف سے جواب دعویٰ آتا ہے۔ اس جواب دعویٰ کے بعد عدالت ایک تاریخ مقرر کرتی ہے۔ جس کو ابتدائی مصالحت کہتے ہیں۔ اس مصالحت کی تاریخ پر میاں بیوی کو بلایا جاتا ہے، عدالت ان کو موقع دیتی ہے کہ اگر جذبات میں آ کر، غصے میں یا کسی غلط فہمی کی بنیاد پر کیس فائل ہو گیا ہے تو مصالحت کر لیں اور کیس ختم کر دیں اگر ابتدائی مصلحت ناکام ہو جائے یا عدالتی نوٹس ملنے کے باوجود مقدمہ کی

سماعت کے لیے شوہر حاضر نہ ہو پائے تو جج پر لازم ہوتا ہے کہ وہ فوری بیوی کے حق میں کارروائی کرکے خلع کی ڈگری جاری کر دے۔

سوال 277: مسلم عائلی قوانین کے مطابق عدالت کتنے عرصے میں خلع کا فیصلہ کرسکتی ہے؟

جواب: تنسیخ نکاح ایکٹ 1939ء سیکنڈ گراؤنڈ کے مطابق عدالت دو ماہ میں خلع کا فیصلہ کرسکتی ہے۔ خلع عدالت میں دائرگی کے بعد یک طرفہ کی صورت میں تقریباً 2 ماہ کے اندر فائنل ہو جاتا ہے۔ اگر دوسرا فریق بھی عدالت حاضر ہوجائے تو پھر زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ عدالت سے ڈگری ہونے کے بعد متعلقہ یونین کونسل میں عدالتی ڈگری جمع کروائی جاتی ہے۔ پھر یونین کونسل ایک ایک ماہ بعد فریق مخالف کو نوٹس کرتی ہے۔ یونین کونسل میں عدت کا دورانیہ 3 ماہ ہے جو اُس تاریخ سے شروع ہوگا جب عدالتی ڈگری یونین کونسل میں جمع کروائی جاتی ہے۔ 3 ماہ گزرنے کے بعد یونین کونسل طلاقِ مؤثرہ کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتی ہے۔ اگر عورت حاملہ ہے تو خلع عدالت سے ڈگری ہونے کے بعد بھی جب تک بچے کی پیدائش نہ ہو جائے طلاق مؤثر نہ ہوگی۔

سوال 278: ایسی کون سی قانونی وجوہات ہیں جن کی بنا پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

جواب: شادی ایک ایسا متبرک تعلق ہے جس میں دونوں فریقین کو ایک دوسرے کے ساتھ پیار، محبت، عزت اور احترام کے ساتھ رہنے کا پابند بنایا جاتا ہے۔ المیہ یہ

ہے کہ جنسی اعتبار سے معاشرے میں ناہمواری ہمیں گھر سے لے کر ریاست تک اور بالخصوص ازدواجی زندگی میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت اپنی زندگی کو تلخی سے بچانے کے لیے خلع کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ ایسی وجوہات جن کی بنا پر عورت بذریعہ عدالت حقِ خلع اِستعمال کرسکتی ہے، درج ذیل ہیں:

1۔ مالی وسائل کی قلت

بے روزگاری اور مالی وسائل کی قلت گھریلو جھگڑے کا باعث بنتی ہے کیونکہ بنیادی ضروریات پوری نہیں ہو پاتیں اور نوبت علیحدگی تک آ جاتی ہے۔ بعض اوقات خاوند کام تو کرتا ہے مگر بیوی کو خرچ نہیں دیتا اور چھوٹی چھوٹی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسے بار بار شوہر کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ ایسے دلبرداشتہ حالات سے بچنے کے لیے عورت خلع لے سکتی ہے۔

2۔ گھریلو تشدد

شوہر کا بیوی پر تشدد کرنا جس میں جسمانی ایذاء، گالی گلوچ، بے جا مار پیٹ اور تذلیل شامل ہے۔ خاص طور پر منشیات کا عادی شوہر جب کوئی کام کاج نہیں کرتا اور نشے کی حالت میں بیوی پر تشدد کی انتہاء کر دیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں عورت کے لیے یہ ظلم وستم ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اس بناء پر وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے۔ اندریں صورت ایسے ظالم شخص سے عورت کو چھٹکارا دلوانے کی خاطر عدالت تنسیخِ نکاح کا اِختیار رکھتی ہے۔

3۔ جہیز سے متعلقہ مسائل

جب عورت کو کم جہیز لانے پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے تو وہ مجبور ہو کر بذریعہ عدالت حقِ خلع اِستعمال کر سکتی ہے۔

4۔ مفقود الخبر شوہر

اگر شوہر گھر سے 4 سال تک غائب رہے، اور اس کے بارے میں کسی کو علم ہو نہ ہی عورت سے کوئی رابطہ ہو تو ایسی صورت میں خاتون خلع لے سکتی ہے۔ لیکن آج کل جدید ذرائع اِبلاغ کی بھرمار کے دور میں کسی شخص کے بارے میں جاننا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عورت 4 سال سے پہلے بھی خلع کے لیے عدالت کی طرف رجوع کر سکتی ہے۔

5۔ عدالتی سزا

اگر شوہر کو کسی بھی عدالت کی طرف سے طویل عرصہ (سات سال) قید کی سزا ہو جائے تو اس وجہ سے عورت عدالت میں جا کر خلع لے سکتی ہے۔

6۔ ذہنی توازن درست نہ ہونا

اگر شوہر ذہنی توازن کھو بیٹھے اور بحالی کی کوئی امید نہ رہے تو ایسی صورت میں عورت خلع لے سکتی ہے۔

7۔ بغیر بتائے مرد کا دوسری شادی کرنا

مسلم لاء آرڈیننس کے تحت شریعت مرد کو چار شادیوں کی اجازت دیتی

ہے لیکن قانون نے اس پر قدغن لگائی ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی یا بیویوں سے بذریعہ یونین کونسل سے مزید شادی کی اجازت حاصل کرے گا۔ اگر وہ اجازت کے بغیر شادی کر لیتا ہے تو اس بنا پر بھی عورت عدالت سے خلع لے سکتی ہے۔

8۔ کم عمری کی شادی پر علیحدگی

کم عمری میں والدین یا سرپرست کی جانب سے کی گئی شادی کو لڑکی بالغ ہوتے ہی اپنی مرضی سے ختم کرسکتی ہے۔ اگر اس وقت بچپن کے نکاح کا انکار نہ کرے تو بعد میں خلع کے لیے عدالت سے رجوع کرسکتی ہے کہ میری کم عمری میں شادی کر دی گئی تھی۔ اب میں بالغ ہوگئی ہوں اور یہ شادی قائم نہیں رکھنا چاہتی۔ اس درخواست پر عدالت تنسیخِ نکاح کی مجاز ہوگی۔

9۔ شوہر کا بدکردار ہونا

اگر شوہر خود بری عورتوں سے میل میلاپ رکھے اور بیوی کو غیر اخلاقی زندگی گذارنے پر مجبور کر دے یا مذہب پر عمل کرنے سے روکے۔ تو ایسی صورت میں عورت عدالت سے خلع لے سکتی ہے۔

سوال 279: بغیر کسی جواز کے عورت کا خلع لینا کیسا ہے؟

جواب: بغیر کسی جواز کے عورت کا خلع لینا ایک ناجائز امر ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ.[۱]

جس عورت نے بھی اپنے شوہر سے بغیر کسی معقول عذر اور مجبوری کے خلع حاصل کیا، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

سوال 280: کیا عورت کا حصولِ خلع کے لیے ثبوت دینا ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! عورت کا حصولِ خلع کے لیے ثبوت دینا ضروری نہیں ہے۔ خلع کے حصول کے سلسلہ میں حضرت ثابت بن قیس ﷜ کی زوجہ حبیبہ یا جمیلہ کی طرف سے حدیث مبارک کی مختلف روایات منسوب ہیں۔ جس میں ان کی اپنے شوہر سے ناپسندیدگی، ان کے ظلم وستم اور سخت رویہ کا ذکر آتا ہے۔ مثلاً:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے حبیبہ بنت سہل جو ثابت بن قیس کے نکاح میں تھیں۔

فَضَرَبَهَا فَكَسَرَ نَقْضَهَا.[۲]

انہیں ان کے شوہر نے پیٹا اور ان کا کوئی عضو توڑ دیا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماس زیادہ خوش شکل نہ تھے۔ حبیبہ بن سہل نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت

---

(۱) ترمذی، الصحیح، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختلعات، ۳: ۴۹۳، رقم:۱۱۸۷

(۲) ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، ۲: ۲۶۹، رقم:۲۲۲۸

میں عرض کیا:

وَاللهِ، لَوْلَا مَخَافَةُ اللهِ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَقْتُ فِي وَجْهِهِ.[1]

اللہ کی قسم! مجھے اگر اللہ کا خوف نہ ہوتو جب وہ میرے پاس آتے تو میں ان کے منہ پر تھوک دیتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بیان کرتے ہیں کہ ان کا اپنی زوجہ کے ساتھ رویہ بھی سخت تھا۔[2]

امام بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ثابت بن قیس کی بیوی حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرتی ہیں:

وَلَكِنِّي لَا أُطِيقُهُ.[3]

مجھ میں اسے برداشت کرنے کی مزید ہمت نہیں ہے (یعنی میں اس کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتی)۔

ان وجوہات کی بنا پر ان کی بیوی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کیا۔ جس پر آپ ﷺ نے اسے اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ خلع اختیار کر لے اس موقع پر حضور

---

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب الطلاق، باب المختلعة تأخذما أعطاها، ۲:۵۲۴، رقم: ۲۰۵۷

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۴۵۷

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیه، ۵:۲۰۲۲، رقم:۴۹۷۲

نبی اکرم ﷺ نے ان سے خلع کے مطالبہ پر کوئی ثبوت طلب نہ فرمایا۔

حدیث مبارک سے متعلق مختلف روایات کی روشنی میں اور آئمہ کرام کی آراء سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلع کے حصول کے لیے عورت کا جواز پیش کرنا یا ثبوت دینا ضروری نہیں ہے۔

سوال 281: کیا خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! خلع کے لیے شوہر کی رضا مندی ضروری نہیں کیونکہ بیوی شوہر سے خلع کا مطالبہ صرف اسی صورت میں کرتی ہے جب اسے شوہر سے اختلاف ہو۔ جس طرح شریعت نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے اسی طرح عورت کو خلع کا اختیار دیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ طلاق کے معاملے میں مرد با اختیار ہوتا ہے وہ جب چاہے اس حق کو استعمال کر سکتا ہے جبکہ عورت کو خلع کے لیے عدالت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

اس کا ثبوت گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی حدیثِ ثابت بن قیس سے ملتا ہے جس میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا کردار مکمل خاموشی والا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے بطور جج ان کے درمیان فیصلہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے اور بدل میں اپنا باغ واپس لے لے۔ علاوہ ازیں فقہاء اور مفسرین نے خلع پر جو بھی باب قائم کیا اس میں انھوں نے خلع کی کیفیت، ماہیت اور اس کے فقہی احکامات کو ہی موضوعِ بحث بنایا۔ کسی نے بھی شوہر کی رضامندی کو لازم قرار نہیں دیا۔ مثلاً:

وإذ اختلعت المرأة من زوجها فالخلع تطليقة بائنة. [1]

---

(۱) الشيباني، الأصل: ۵۴۹

اگر بیوی اپنے خاوند سے خلع لے لے تو خلع طلاقِ بائنہ ہے۔

امام شیبانی کے نزدیک بیوی کا شوہر سے علیحدہ ہونا یا خود کو شادی کے بندھن سے آزاد کرانا جائز ہے۔ وہ اس بات پر کوئی دلیل نہیں دیتے کہ خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔

امام ابو بکر الجصاص بیان کرتے ہیں:

اگر زوجین کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کو رشتہ زوجیت میں رہتے ہوئے مزید قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع اختیار کرے (یعنی شوہر کی رضامندی خلع کے لیے ضروری نہیں)۔[۱]

سرخسی خلع کے باب کو شروع کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

وإذا اختلعت المرأة من زوجها فالخلع جائز والخلع تطليقة بائنة عندنا.[۲]

بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خلع کے لیے دعوی کرے اور اس کے فقہی احکامات وہی ہوں گے جو طلاق بائن کے ہوتے ہیں۔

یہاں بھی شوہر کی رضامندی کو لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن خلع یا تو فریقین کی باہمی رضامندی سے ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مقدمہ فریق ثالث کی یعنی قاضی یا جج کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

---

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۱: ۵۳۵

(۲) سرخسی، المسبوط، ٦: ۱۷۱

امام کاسانی کا خلع کے حوالے سے قائم کیا گیا باب خلع کے لیے شوہر کی رضامندی کے حوالے سے کوئی ثبوت پیش نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی بنیادی بحث خلع کے فقہی احکامات legal effect کے گرد گھومتی ہے کہ خلع حکم کے لحاظ سے طلاق بائن کی حیثیت رکھتی ہے مزید براں امام کاسانی کے نزدیک قاضی کا حکم بھی خلع میں اہمیت رکھتا ہے کہ خلع یا تو بغیر کسی قانونی کارروائی کے باہم فریقین کی رضامندی سے بھی ہوسکتی ہے اور دوسری صورت میں (یعنی جھگڑے کی صورت میں) قاضی ہی خلع کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

الجصاص بیان کرتے ہیں کہ حسن البصری اور ابن سیرین عدالت کے ذریعے خلع کے حصول کی اجازت دیتے ہیں:

أن الخلع لا يجوز إلّا عند السلطان.[1]

خلع کا اِختیار حاکم کے پاس ہے۔

کیونکہ انہیں خدشہ ہے کہ اگر زوجین کی صواب دید پر اس معاملے کو چھوڑ دیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اس طرح بیوی کے حقوق تلف ہوں۔ اگر خلع عدالت کے ذریعے یا زوجین کی باہم رضامندی سے یا کسی ثالث کی مداخلت سے ہو تو ان سب صورتوں میں خلع جائز ہے۔

مفسرین کرام سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 229 کی تفسیر کرتے ہوئے عدالتوں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ زوجین کے درمیان باہمی کشمکش کے دوران جھگڑوں

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۱: ۵۳۹

کو ختم کرا کے معاملات حل کریں۔ مثلاً:

امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ اِس آیت کا پہلا حصہ - اَنْ يَّخَافَآ (کہ دونوں کو اندیشہ ہو) - شوہر اور بیوی دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے:

اَنْ يَّخَافَآ: والخطاب للزوجين.[1]

''کہ دونوں کو اندیشہ ہو'' میں خطاب شوہر اور بیوی دونوں کے لیے ہے۔

جب کہ آیت مبارکہ کا اگلا حصہ - اِنْ خِفْتُمْ (اگر تمہیں اندیشہ ہو) - زوجین کی طرف نہیں بلکہ تیسرے فریق کی طرف منسوب ہوتا ہے یا حاکم (سلطان) کی طرف یا ان احباب کی طرف جو اس کی جانب سے متعین ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

فَاِنْ خِفْتُمْ: فجعل الخوف لغير الزوجين.[2]

''پھر تمہیں اندیشہ ہو'' سے یہاں مراد ہے کہ اندیشہ غیر زوجین کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 229 کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن ہمام بیان کرتے ہیں کہ عربی کے الفاظ - اِنْ خِفْتُمْ (اگر تمہیں اندیشہ ہو) - خاص طور پر ائمہ، حکام اور judges کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ شرط بیان کی کہ اگر تمہیں یعنی حکام یا judges کو اندیشہ ہو کہ دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی پامالی کریں گے اور اپنے باہمی

---

(۱) قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۲: ۱۳۷

(۲) قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۱: ۱۳۸

جھگڑوں کو نبٹانے میں ناکام ہیں تو پھر اس صورت میں حکام اور judges اسے حل کریں گے۔

مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ خلع کے لیے شوہر کا رضامند ہونا ضروری نہیں کیونکہ اگر زوجین میں باہم رضامندی کے ساتھ علیحدگی ہو جائے تو وہ فقہی اصطلاح میں خلع مبارات کے معنی میں آئے گا۔ جب کہ خلع تو بیوی کا یک طرفہ فیصلہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا راضی ہونا ضروری نہیں۔ اسے تنسیخِ نکاح بھی کہتے ہیں۔

سوال 282 : کن حالات کے پیش نظر عورت خلع لینے سے گریز کرتی ہے؟

جواب: شریعت نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے کہ ازدواجی زندگی کے نا مساعد حالات میں وہ خلع لے سکتی ہے۔ لیکن شرعی و قانونی حق ہونے کے باوجود بہت ساری وجوہات ایسی ہیں جن کے باعث عورت خلع لینے سے گریز کرتی ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(i) بچوں کا نان و نفقہ

مظلوم خاتون بچوں اور ان کے مستقبل کو روشن کرنے کے لیے گھریلو تشدد اور ظلم و زیادتی کو برداشت کرتی ہے اور خلع کے حق کو استعمال نہیں کرتی۔

(ii) عدمِ تحفظ

خلع کا شعور رکھنے کے باوجود عورت اس حق کو استعمال نہیں کرتی کیونکہ

اسے خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ خلع حاصل کرنے کے بعد اسے معاشرے میں تحفظ نہیں ملے گا۔

(iii) خاندان کی آبرو

ایک طرف میکہ کی عزت و آبرو قائم رکھنے کے لیے عورت خود کو شوہر کے مظالم اور سسرال کی جانب سے ملنے والے طعن و تشنیع کو برداشت کرتی ہے۔ تو دوسری طرف مطلقہ یا خلع لینے والی عورت کو میکے میں ایک بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔

(iv) والدین کی نصیحت

خلع نہ لینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً شادی کے موقع پر بیٹی کو والدین کی طرف سے یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ جس گھر سے تم رخصت ہوکر جارہی ہو ہمیشہ وہی رہنا، اور تمہارا جنازہ وہاں سے اٹھنا چاہیے، گویا شروع سے ہی لڑکی کی ذہن سازی کی جاتی ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں تم نے زندگی وہی بسر کرنی ہے۔ اکثر اس نصیحت کو نبھاتے ہوئے عورت کی زندگی شوہر کے مظالم کی نظر ہو جاتی ہے۔

(v) معاشرتی رویہ/معاشرتی ردِعمل

ہمارے معاشرے میں طلاق یافتہ یا خلع لینے والی عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور اگر فیملی میں بڑی بہن کے ساتھ یہ مسئلہ پیش آجائے تو اسے بدشگونی تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے اثرات بالخصوص چھوٹی بہنوں کے رشتوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

درج بالا وجوہات اور معاشرتی حالات کی بنا پر عورت حقِ خلع کا شعور رکھنے کے باوجود اسے استعمال نہیں کرتی بلکہ اپنے لیے ایک کٹھن زندگی کا انتخاب کرتی ہے او زندگی کے تلخ تجربات کا سامنا کر کے بھی وہ تکلیف دہ بندھن کو نبھانے کے لیے پرعزم رہتی ہے اسے گھر بسانے کی قیمت اپنی عزتِ نفس، خودداری اور انفرادیت ختم کر کے ادا کرنا پڑتی ہے۔

سوال 283: موجودہ عدالتی نظام کے تحت خواتین کو خلع کے حصول میں کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

جواب: تھیوری کی حد تک تو عورت کے خلع لینے کے قوانین سادہ اور آسان معلوم ہوتے ہیں۔ مگر عملی زندگی میں یہ بڑا پیچیدہ، مہنگا اور توہین آمیز ہے بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ خلع کے لیے نوٹس بھیجنے پر خاوند آئے گا اور عورت کٹھن اور تلخ زندگی سے آزاد ہو جائے گی مگر زمینی حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں موجودہ عدالتی نظام درست نہ ہونے کی وجہ سے خلع کے حصول کے لیے عورت کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ قانونی طور پر خلع کا فیصلہ دعویٰ دائر ہونے کے بعد چار ماہ کے اندر ہو جانا چاہیے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ بعض اوقات چھ ماہ اور سال تک کا عرصہ بھی لگ جاتا ہے۔ جبکہ نان و نفقہ اور جہیز کے معاملات خلع ہونے کے بعد بھی حل نہیں ہو پاتے۔

۲۔ عورت اس وقت ذہنی اور قلبی اذیت سے دوچار جاتی ہے جب خلع کے

کیس کو طویل یا مؤخر کرنے کے لیے شوہر جان بوجھ کر بروقت عدالت میں حاضر نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے عدالتی اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں جو بیوی کو ہی ادا کرنا ہوتے ہیں۔ ایسی خواتین جو پہلے ہی معاشی مسائل کا شکار ہوتی ہیں ان کے لیے اس فیس کی ادائیگی ایک تکلیف دہ کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اور بسا اوقات مقدمے کا فیصلہ ہونے تک وہ مقروض ہو چکی ہوتی ہیں۔

۳۔ خلع کے حصول تک عورت روزانہ نت نئے مسائل سے دو چار رہتی ہے مثلاً عدالت میں پابندی وقت کو ملحوظ نہ رکھنا، وکلاء کا بیک وقت کئی مقدمات کی نگرانی کرنا، مقدمات کی سماعت کا منظّم نظام نہ ہونا، ججوں اور وکلاء کا clients کو مطلع کیے بغیر چھٹیوں پر چلے جانا، ضلعی عدالتوں کے ججوں کا بیک وقت کئی مقدمات مثلاً criminal اور سول مقدمات کے ساتھ ساتھ فیملی لاء مقدمات کی نگرانی وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ عورت کے لیے یہ بڑا تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے جب شوہر عدالتی نوٹس ملنے کے باوجود حاضر نہیں ہوتا اور نوٹس جاری ہونے کا ثبوت نہ ملنے پر اس کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری نہیں ہو پاتے۔ جس کی وجہ عدالتی کلرکوں کا دیگر انتظامی امور کی نگرانی کے باعث فائلوں کو منظّم انداز میں ترتیب نہ دینا ہے اور اگر کبھی عدالت کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری بھی ہو جائے تو علاقے کی پولیس کے تعاون سے شوہر کو فرار ہونے میں مدد مل جاتی ہے۔

سوال 284: خلع سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے؟

جواب: خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے۔ امام برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں:

فإذا فعلا ذلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال. (۱)

اگر میاں بیوں نے خلع کا فیصلہ کر لیا تو خلع کی وجہ سے عورت پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی اور عورت کے ذمہ مال واجب ہوگا۔

سوال 285: کیا خلع کے بعد رجوع ہوسکتا ہے؟

جواب: خلع کے بعد رجوع نہیں، بلکہ تجدید نکاح ہوسکتی ہے۔ خلع کی صورت میں چونکہ طلاق بائن ہوتی ہے۔ بائن وہ طلاق ہے جس میں شوہر بغیر نکاح کے عورت سے ازدواجی تعلقات قائم نہیں کرسکتا ہے۔ اگر فریقین باہمی رضا مندی سے اَز سرِنو دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ کیوں کہ یک طرفہ ڈگری کی صورت میں عورت کی رضا مندی سے حیثیت رجعی رہتی ہے اور تجدید نکاح ہوسکتا ہے۔ تجدید نکاح کی صورت میں عدت گزرنے کی قید نہیں۔ لیکن اگر عورت کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو عدت گزرنے کے بعد ہی کرسکتی ہے۔

سوال 286: تنسیخ نکاح کسے کہتے ہیں؟

جواب: جب خاوند بیوی کے حقوق بھی پورے نہ کرے یا حقوق پورے کرنے کے قابل ہی نہ ہو اور اس پر ظلم و زیادتی کرے، طلاق دے نہ بیوی بنا کر رکھے ان صورتوں میں بیوی بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کرواسکتی ہے۔

---

(۱) مرغينانی، الهدايه، ۲: ۱۳

سوال 287: عورت کن وجوہات کی بناء پر تنسیخ نکاح کرواسکتی ہے؟

جواب: عورت درج ذیل وجوہات کی بناء پر تنسیخِ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے:

۱۔ اگر خاوند عورت پر تشدد کرنے والا ہو، اسے برائی کی طرف مائل کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ادائیگی سے روکنے والا ہو اور طلاق بھی نہ دے تو اس صورت میں عورت تنسیخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

۲۔ بیوی اگر اپنے شوہر کی سیرت، دین سے دوری یا جسمانی ضعف کی وجہ سے اسے ناپسند کرنے لگے اور یقین ہو کہ زوجین ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی نہیں کرسکیں گے۔

۳۔ عورت کو شوہر سے جان و مال اور عزت کا خطرہ لاحق ہو۔

سوال 288: کیا پاکستان میں تنسیخ نکاح پر قانون سازی ہوئی ہے؟

جواب: برصغیر پاک و ہند میں پہلے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا کوئی قانون نہ تھا۔ عورت کی قسمت کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ وہ جس طرح چاہتا اس کو ذلیل و رسوا کرتا۔ عورت کو مرد سے جان چھڑانے کا کوئی قانونی راستہ نہ تھا۔ اسی طرح کم سنی کی شادی وغیرہ بھی معاشرہ کی مشکلات میں اضافہ کر رہی تھیں۔ بعد ازاں 1939ء مسلم تنسیخ نکاح ایکٹ قوانین میں ایوب خان کے دور میں ترامیم کی گئیں اور خواتین کو کچھ مزید تحفظات دیے گئے اور نکاح و طلاق کے کاموں کو باقاعدہ بنانے کے لیے قوانین وضع کیے گئے۔ انہیں مسلم عائلی قوانین 1961ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

۱۔ کوئی مرد اٹھارہ برس سے کم اور عورت سولہ سال سے کم شادی نہیں کر سکتے۔

۲۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں کوئی شخص اس بیوی کی تحریری اجازت کے بغیر شادی نہیں کر سکتا۔

۳۔ بیوی اگر خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو وہ مقررہ اسباب یا وجوہات پر عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ ان وجوہات میں خاوند کا ظالم ہونا، نان و نفقہ نہ دینا، نامرد ہونا اور بغیر اجازت دوسری شادی کر لینا شامل ہیں۔

۴۔ نکاح کو نکاح خواں کے پاس رجسٹر کرانا ضروری ہے۔

۵۔ طلاق سے یونین کونسل کے چیرمین کو مطلع کیا جائے گا اور چیئرمین ایک ثالثی کمیٹی تشکیل دے گا۔ طلاق کا نوٹس بیوی کو بھی رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجنا ضروری ہے۔

سوال 289: ایسا شوہر جو بیوی کو مارتا پیٹتا ہے، نان و نفقہ دیتا ہے نہ خبر گیری کرتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو اس صورت میں کیا بذریعہ عدالت تنسیخ نکاح کروانا جائز ہے؟

جواب: اگر شوہر بیوی کو مارتا پیٹتا ہے، نان نفقہ دیتا ہے نہ خبر گیری کرتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو اس صورت میں شوہر کے طلاق دیے بغیر تفریق کا طریقہ کار بذریعہ

عدالت تنسیخ نکاح ہے۔ اس صورت حال میں قاضی یا جج کو اختیار ہوتا ہے کہ ظلم کو ختم کرنے کے لیے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے اگر خاوند عدالت میں پیش نہ بھی ہو تو یکطرفہ فیصلہ کرسکتا ہے۔

سوال 290: کیا بالغ شوہر کی نابالغہ یا بالغہ بیوی ولی کے ذریعے خلع لے سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! بالغ شوہر کی نابالغہ بیوی ولی کے ذریعے خلع لے سکتی ہے۔ خلع کی اس صورت میں شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ خلع سے نکاح کے تمام حقوق ختم ہو جاتے ہیں جبکہ بالغہ بیوی کا ولی کے ذریعے خلع لینا اس کی اجازت پر موقوف ہے یعنی اگر بالغہ بیوی ولی کو خلع کا اختیار دے تو خلع درست ہوگا اور مال کی ادائیگی لازم ہو جائے گی لیکن اگر اجازت نہ دے تو خلع لاگو نہ ہوگا اور نہ مال دینا لازم ہوگا۔[1]

سوال 291: خلع یا طلاق کے کاغذات مرد و عورت دونوں لکھ دیں اور بعد میں ان کاغذات کو پھاڑ دیں تو کیا طلاق یا خلع واقع ہوگا؟

جواب: جی ہاں ! خلع یا طلاق کے کاغذات مرد و عورت دونوں لکھ دیں اور بعد میں ان کاغذات کو پھاڑ دیں تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ خلع یا طلاق باطل نہیں ہوگی، عورت اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہوکر مطلقہ ہوگئی۔ عدت گزرنے پر وہ جہاں چاہے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

---

(۱) جزیری، کتاب الفقه، ۴:۳۹۹

سوال 292: اگر شوہر اپنی بیوی کو مہر یا زبردستی رقم کے عوض خلع کی شرط رکھتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر شوہر اپنی بیوی کو مہر یا زبردستی رقم کے عوض خلع کی شرط رکھتا ہے تو اس صورت میں بھی خلع صحیح ہے اور عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ لیکن یہ قاضی پر منحصر ہوگا کہ وہ فریقین کا موقف سننے کے بعد فیصلہ کرے کہ عورت کتنا مالِ مہر دینے کی پابند ہوگی۔ امام محمد فرماتے ہیں:

وبه نأخذُ، لا نُحبُّ لَهُ أن يزداد على ما أعطاها شيئاً، وإن فعلَ فهو جائز في القضاءِ. (۱)

ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اس کے لیے اس سے زیادہ لینا پسندیدہ نہیں جس قدر اس نے (بطور مہر) دیا تھا۔ اگر زیادہ لے تو قانونی طور پر جائز ہے (لیکن دیانت داری کے خلاف ہے)۔

ایک اور مقام پر امام محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں:

مَا اخْتَلَعَتْ بِهِ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا فَهُوَ جَائِزٌ فِي الْقَضَاءِ وَمَا تُحِبُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا، وَإِنْ جَاءَ النُّشُوْزَ مِنْ قِبَلِهَا. فَأَمَّا إِذَا جَاءَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهِ لَمْ نُحِبُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا قَلِيْلًا وَلَا كَثِيْراً، وَإِنْ أَخَذَ فَهُوَ جَائِزٌ فِي الْقَضَاءِ وَمَكْرُوْهٌ لَهُ فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالٰى. وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ. (۲)

---

(۱) محمد الشيبانی، کتاب الآثار، ۲: ۴۶۳، رقم: ۵۱۸

(۲) محمد الشيبانی، الموطا: ۲۵۳

عورت جس قدر مال پر بھی اپنے خاوند سے خلع لیتی ہے تو وہ از روئے قانون جائز ہے اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ خاوند اس سے زیادہ لے جو اس نے اسے دیا تھا، اگرچہ نافرمانی عورت کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ اگر نافرمانی مرد کی طرف سے ہو تو ہم پسند نہیں کرتے کہ خاوند تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی لے اور اگر لے لیتا ہے تو اَز روئے قانون جائز ہے لیکن اس مرد اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ناپسندیدہ ہے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے۔

سوال 293: کیا خلع کے لیے مہر کی واپسی شرط ہے۔ اس سلسلہ میں حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کا موقف کیا ہے؟

جواب: خلع کے لیے مہر کی واپسی شرط نہیں ہے۔ اگرچہ علماء کرام بیوی سے خلع کے بدل میں مہر کے حصول کے لیے ثبوت سورہ البقرہ کی آیت نمبر 229 سے پیش کرتے ہیں۔ جب کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اسی آیت مبارکہ کو نہایت مدلل اور محقق انداز میں متن آیت کے لفظ ’لا جناحُ‘ کا ترجمہ ’’اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ کچھ واپس کر دے۔‘‘ کی طرف توجہ مبذول کروائی۔

اسلوب قرآن اور لغتِ عرب کے مطابق ’لا جناحُ‘ کے ذریعے عورت کو حکم نہیں دیا جا رہا کہ وہ خلع لیتے ہوئے حق مہر واپس لوٹانے کی پابند ہے۔ بلکہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکنے کے خوف کی بنا پر عورت خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ یہاں علیحدگی اختیار کرنے کی صورت میں معاوضہ کی نوعیت قرآن نے نہیں بتائی کہ کم یا زیادہ کتنا

مہر دینا ہے اور نہ ہی یہ لازم کیا ہے کہ معاوضہ دینا بیوی پر واجب ہے بلکہ اس آیت کے مطابق اگر بیوی اپنے خاوند سے خلع کے ذریعے آزاد ہونا چاہتی ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ کچھ معاوضہ خاوند کو دے کر آزاد ہو جائے۔

اس نقطہ کو واضح کرنے کے لیے 'لا جناحٌ' کا معنی کوئی گناہ نہیں، شیخ الاسلام نے قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر بیان کی گئی ۲۵ آیات پیش کیں جن میں 'لا جناحٌ' کے ذریعے تخیر یعنی اختیار دیا جا رہا ہے کہ اگر فلاں کام کر لو تو اس میں کوئی گناہ نہیں، ان سے کسی کام کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ○[1]

اورتم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں اگر تم (زمانۂ حج میں تجارت کے ذریعے) اپنے رب کا فضل (بھی) تلاش کرو پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعرِ حرام (مُزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کیا کرو اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی، اور بے شک اس سے پہلے تم بھٹکے ہوئے تھے۔

اگر حجاج کرام حج کے دنوں میں تجارت کے خواہش مند ہیں تو ان پر گناہ

(۱) البقرة، ۲:۱۹۸

نہیں کہ دورانِ حج تجارت اور خرید وفروخت کر لیں یعنی 'لا جناحُ' کا یہاں اور کہیں بھی یہ معنی قرآنی حکم میں نہیں ہے بلکہ حج کے دوران تجارت کرنے یا نہ کرنے میں اختیار دیا گیا ہے۔ بالکل ایسے ہی خلع لیتے ہوئے عورت کے لیے حق مہر واپس کرنا محض ایک صوابدیدی امر ہے چاہے تو وہ اسے واپس کرے اور چاہے تو نہ لوٹائے تاہم اس کی فرضیت نصِ قرآنی سے ثابت نہیں۔

حضور شیخ الاسلام کے مؤقف کی تائید ہمیں درج ذیل اقوال سے بھی ملتی ہے:

۱۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مطابق:

لا يحل الفداء حتى يكون الفساد من قبلها. (۱)

یہ شوہر کے لیے غیر قانونی ہے کہ وہ بیوی سے خلع کے بدل میں معاوضہ طلب کرے سوائے اس صورت کے کہ اگر بیوی کی جانب سے قبل ازاں کوئی فساد ظاہر ہوا ہو۔

۲۔ علامہ بدر الدین عینی کے مطابق:

إن كان النشوز من قبله يكره له أن يأخذ منها عوضًا. (۲)

اگر شوہر کی جانب سے نافرمانی پائی جائے تو پھر اس کے لیے بیوی سے کچھ بھی واپس لینا ناپسندیدہ ہے۔

---

(۱) طبری، جامع البیان، ۴: ۱۴۰

(۲) عینی، البناية شرح الهداية: ۵۱۰

۳۔ امام مرغینانی کے نزدیک:

إن كان النشوز من قبله يكره له أن يأخذ منها عوضا. وإن كان النشوز منها كرهنا له أن يأخذ منها أكثر مما أعطاها. [1]

اگر نافرمانی شوہر کی جانب سے ہے تو اس کے لیے مکروہ ہے کہ وہ بیوی سے کچھ بھی واپس لے اور اگر بیوی کی جانب سے نافرمانی ہے تو ہمارے نزدیک بیوی کو جتنا اس نے دیا اس سے زیادہ لینا ناجائز ہے۔

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر خاوند غلطی پر ہے اور وہ عورت سے زیادتی کرتا ہے تو اس صورت میں مہر کا واپس لوٹانا عورت کے ذمہ نہیں ہے بلکہ زبردستی عورت سے مہر واپس لینے کو بعض فقہاء نے حرام اور مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ پاکستان کے عائلی قوانین کی روشنی میں عورت سے خلع کے بدل مہر بطور معاوضہ لیا جاتا تھا، اب سال 2015ء میں عائلی قوانین میں کی گئی ترامیم کے بعد عورت کو یہ سہولت دے دی گئی ہے کہ وہ خلع کے عوض مہر کا 25 فی صد حصہ شوہر کو دینے کی پابند ہوگی۔

سوال 294: جو شے شرعاً مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو کیا وہ خلع میں بھی دی جا سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! ہر وہ شے جو شرعاً مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور مہر میں دی جا سکتی ہے خلع کا معاوضہ ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ [2]

(۱) مرغینانی، الهداية في شرح بداية المبتدي، ۲: ۲۶۱

(۲) حصكفي، در مختار، ۱: ۲۴۶

سوال 295: اگر شوہر اپنی بیوی کو کسی حرام شے کے عوض خلع دے تو کیا ایسی صورت میں عورت پر معاوضہ واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر شوہر اپنی بیوی کو کسی حرام شے کے عوض خلع دے تو اس صورت میں بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے:

عورت پر کوئی معاوضہ واجب نہیں ہے۔[1]

لیکن اگر شوہر حرام شے کے عوض اپنی بیوی کو طلاق دے تو ایسی صورت میں عورت کے ذمہ معاوضہ واجب نہ ہوگا اور طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ پہلی صورت میں خلع کا لفظ طلاق بالکنایہ کے سبب طلاق بائن کے حکم میں ہوگا جبکہ دوسری صورت میں طلاق کا لفظ صریح ہے، اس لیے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

سوال 296: کیا خاوند کا عورت کی پیشکش قبول کرنے سے خلع ہو جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! خاوند کا عورت کی پیشکش قبول کرنے سے خلع ہو جاتا ہے، جب تک خاوند عورت کی پیشکش قبول نہ کرے خلع نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ.[2]

پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر

---

(۱) ابن رشد، بدایة المجتہد، ۲:۷۹

(۲) البقرة، ۲:۲۲۹

(اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں:

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال يخلعها به. ...... فإذا فعلا ذلک وقع بالخلع تطليقه بائنه ولزمها المال. (۱)

جب میاں بیوی میں ناچاقی ہو جائے اور دونوں کو خوف ہو کہ اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت مال دے کر خاوند سے جان چھڑا لے۔ ...... پھر جب خاوند نے یہ (مال قبول) کر لیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت کو مال دینا لازم ہوگا۔

لہٰذا خلع دو باتوں پر موقوف ہے: پہلی یہ کہ عورت مال دے کر جان چھڑا لے اور دوسری یہ کہ خاوند مال قبول کر لے۔ اگر عورت مال دینا چاہتی ہے اور خاوند قبول نہیں کرتا تو خلع ہوگا نہ طلاق۔ البتہ عورت عدالت سے مدد لے سکتی ہے کہ وہ خاوند کو اس بات پر راضی کرے کہ وہ مال لے کر اُسے آزاد کر دے۔

سوال 297: کیا عورت اولاد کے نفقہ کے عوض خلع لے سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! عورت اولاد کے نفقہ کے عوض خلع لے سکتی ہے اور یہ خلع صحیح ہے۔

(۱) مرغینانی، الهداية، ۲:۱۳

سوال 298: کیا مرد عورت کو خلع دیتے وقت طلاق کا لفظ استعمال کر سکتا ہے؟

جواب: عورت کو خلع دیتے وقت مرد کو طلاق کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔[1]

برصغیر پاک و ہند میں خلع کا ایک خاص مفہوم متعین ہو چکا ہے۔ یہاں بالعموم عورت مہر سے دست برداری کے عوض مرد سے تفریق حاصل کرتی ہے۔ بالفاظِ دیگر پاکستان اور ہندوستان میں خلع اپنے جوہر میں ’طلاق بالمال‘ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہماری عدالتوں کو چاہیے کہ وہ ’خلع‘ اور ’طلاق بالمال‘ کے فرق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زوجین میں خلع کرواتے وقت شوہر سے ’خلع‘ کا لفظ کہلوائیں نہ کہ ’طلاق‘ کا۔

سوال 299: اگر شوہر اپنا مکان یا کوئی جائیداد بیوی کے نام لگاتا ہے اور عورت خلع چاہتی ہے تو کیا شوہر خلع کے عوض مکان یا جائیداد واپس لینے کی شرط عائد کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر عورت خلع لینا چاہتی ہے تو اس صورت میں شوہر خلع کے عوض مکان یا جائیداد واپس لینے کی شرط عائد کر سکتا ہے جو اس نے بیوی کے نام کیا تھا۔

سوال 300: کیا خلع کے بعد دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ کی ضرورت ہوگی؟

جواب: اگر عورت کے خلع کے مطالبہ پر شوہر نے تین طلاقیں دے دیں تو حلالہ

---

(۱) حصکفی، درمختار، ۱: ۲۴۷

شرعی کے بغیر دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل ہے:

الْخُلْعُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ سَمّٰى ثَلَاثًا اَوْ نَوَاهَا فَيَكُوْنُ ثَلَاثًا.[1]

خلع طلاق بائنہ ہے اور اگر تین کا نام لے یا تین کی نیت کرے تو پھر خلع بطور تین طلاق شمار ہوگا۔

خلع کا حکم ایک طلاقِ بائن کا ہے۔ اگر شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت ہوچکی ہے اور خلع کی بنیاد پر شوہر نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے تو اگر عورت نے عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے شادی نہیں کی تو دونوں فریق باہم رضامندی سے حلالہ کے بغیر از سر نو نکاح کر سکتے ہیں۔

سوال ۳۰۱: کیا خلع میں بھی عدت لازم آتی ہے؟

جواب: جی ہاں! تنسیخ نکاح اور خلع میں عدت لازم آتی ہے کیونکہ عدالتی فسخ نکاح ہو یا زوجین کی باہمی رضا مندی کے مالی بدل کے مقابل خلع، یہ دونوں ایک طلاقِ بائن کے حکم ہیں بشرطیکہ ان میں تین طلاق کے الفاظ صریح استعمال نہ کیے گئے ہوں اور دونوں صورتوں میں وہ باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور ایسی صورت میں آئندہ شوہر کے پاس صرف دو طلاق کا حق باقی رہے گا اور کسی بھی وقت خدانخواستہ شوہر نے دوبارہ حق طلاق استعمال کیا تو یہ پہلی طلاق بائن اس کے ساتھ جمع ہوکر موثر ہو جائے گی۔

---

(۱) محمد الشيباني، الموطا: ۲۵۳

سوال 302: خلع کی عدت کتنی ہے؟

جواب: خلع والی عورت کی عدت بھی مطلقہ کی طرح تین حیض ہی ہے جس کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عدَّة المختلعة مثل عدَّة المطلَّقة. (۱)

خلع والی عورت کی عدت بھی مطلقہ کی عدت کی طرح ہی ہے۔

امام زہری اور قتادہ سے مروی ہے:

خلع والی عورت کی عدت تین حیض ہے۔ امام معمر کہتے ہیں کہ امام حسن بصری نے فرمایا: فقہاء کرام کا یہی مسلک ہے۔ (۲)

ابو سلمیٰ سے روایت ہے:

عدَّة المختلعة ثلاث حيض. (۳)

خلع والی عورت کی عدت تین حیض ہے۔

سوال 303: مبارات کسے کہتے ہیں؟

جواب: مبارات کے لفظی معنی ایک دوسرے سے بری ہونے کے ہیں۔ مبارات میں شوہر یا بیوی یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ایجاب ہوسکتا ہے اور اس کے قبول ہو جانے کے ساتھ ہی نکاح کی کامل تنسیخ عمل میں آ جاتی ہے اس کے لیے

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۶:۵۰۷، رقم:۱۱۸۶۰

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۶:۵۰۷، رقم: ۱۱۸۶۱

(۳) عبد الرزاق، المصنف، ۶:۵۰۷، رقم:۱۸۶۲

کسی قاضی کے حکم کی ضرورت نہیں۔ مبارات اپنے اثر کے لحاظ سے خلع کی طرح طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے۔

سوال 304: خلع، مبارات اور طلاق میں کیا فرق ہے؟

جواب: خلع کا مطالبہ عموماً عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور اگر مرد کی طرف سے اس کی پیش کش ہو تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف رہتی ہے۔ عورت قبول کر لے تو خلع واقع ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ جب کہ طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہے۔ جب مرد نے طلاق دے دی تو طلاق ہوگئی، اس میں عورت کا اختیار نہیں۔ مبارات طلاق کی ایسی قسم ہے جس میں زوجین باہمی رضا مندی سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں عدالت سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۹

لعان کے اَحکام و مسائل
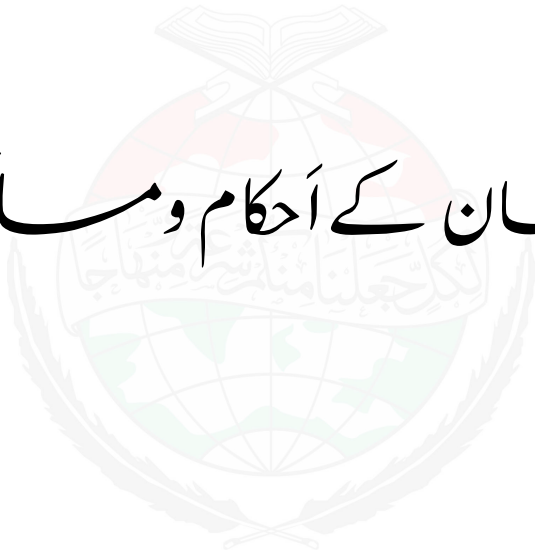
سوال 305: لعان کسے کہتے ہیں؟

جواب: لعان 'لاعن' کا مصدر ہے اور لفظ 'لعن' سے ماخوذ ہے۔ جس کے لغوی معنی 'دور کرنا' ہے کیونکہ لعن کے سبب وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔[1]

اصطلاحاً اس سے مراد زوجین میں سے ہر ایک کی جانب سے قسم کے ساتھ اللہ کی لعنت اور غضب کی شہادت دینا لعان کہلاتا ہے۔

یہ لعان شوہر کے حق میں جھوٹی تہمت اور عورت کے حق میں بدکاری کی حد (شرعی سزا) کے قائم مقام ہوتا ہے۔

سوال 306: لعان کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: لعان کی شرائط یہ ہیں:

۱۔ میاں بیوی دونوں آزاد ہوں۔

۲۔ دونوں عاقل و بالغ ہوں۔

۳۔ دونوں مسلمان ہوں۔

۴۔ دونوں بولنے والے ہوں، کوئی گونگا نہ ہو۔

۵۔ ان میں سے پہلے کسی پر حد قذف نہ لگی ہو۔

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۹:۴۴۰

۶۔ مرد نے اپنی بات پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

۷۔ عورت بدکاری سے انکاری ہو اور خود کو پارسا کہتی ہو۔

سوال 307: لعان کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: جب کوئی شخص اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے تو قاضی اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ۝[1]

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے اپنی ذات کے کوئی گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی بھی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ (وہ خود) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (الزام لگانے میں) سچا ہے۝ اور پانچویں مرتبہ یہ (کہے) کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۝ اور (اسی طرح) یہ بات اس (عورت) سے (بھی) سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر (خود) گواہی دے کہ وہ

(۱) النور، ۲۴:۶-۱۰

(مرد اس تہمت کے لگانے میں) جھوٹا ہےo اور پانچویں مرتبہ یہ (کہے) کہ اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ کا غضب ہو اگر یہ (مرد اس الزام لگانے میں) سچا ہوo اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم ایسے حالات میں زیادہ پریشان ہوتے) اور بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا بڑی حکمت والا ہےo

یعنی مرد چار بار کہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی پر بدکاری کا جو الزام لگایا ہے؛ خدا کی قسم! میں اس میں سچا ہوں۔ پانچویں بار کہے اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

عورت اس طرح لعان کرے کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا کی قسم خاوند مجھ پر بدکاری کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ یہ جملہ چار بار کہے۔ پانچویں بار کہے اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

اگر خاوند تہمت لگا کر لعان سے انکار کرے تو قید کیا جائے گا۔ اگر پھر بھی لعان نہ کرے تو اسے حد قذف لگائی جائے گی۔ یعنی اسی (۸۰) کوڑے۔ یونہی عورت لعان سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا اگر پھر بھی نہ کرے تو گویا اس نے خاوند کی تصدیق و تائید کردی۔ لہٰذا عورت کو حدِ زنا لگائی جائے گی۔ لعان کرنے کے بعد اس عورت سے قربت حرام ہو جائے گی۔ مگر محض لعان سے عورت کا نکاح نہیں ٹوٹتا بلکہ عدالت کی تفریق شرط ہے۔ جب قاضی ان میں تفریق کرائے گا اس وقت عورت کو طلاقِ بائن ہو جائے گی۔ اگر قاضی نے تفریق نہیں کی تو نکاح برقرار رہے گا۔

سوال 308: لعان کے لیے پہلے مرد گواہی دے یا عورت؟

جواب: لعان کے لیے پہلے مرد گواہی دے گا۔

سوال 309: کیا لعان کے بعد طلاق دینا ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! لعان کے بعد طلاق دینا ضروری نہیں۔ جب شوہر یہ کہہ دے کہ خدا کی قسم! 'یہ عورت بدکار ہے' اور ایسا چار بار کہے؛ پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ 'اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہے'۔ پھر عورت چار بار قسم اٹھا کر کہے: 'یہ جھوٹ بولتا ہے' اور پانچویں مرتبہ کہے کہ 'اگر سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو'۔ ایسا کرنے سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔ لعان طلاقِ بائن ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں رہے گی اور عورت عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ لعان کے بعد طلاق کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا.[1]

حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار کے ایک مرد اور عورت سے لعان کروایا اور اُن دونوں کے مابین تفریق کرا دی۔

حضرت ابراہیم دو لعان کرنے والے (مرد و عورت) کے بارے میں

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب التفریق بین المتلاعنین، ۵:۲۰۳۶، رقم:۵۰۰۸

فرماتے ہیں:

يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؛ لِأَنَّها تطليقةٌ بائِنٌ.[1]

ان کے درمیان تفریق کر دی جائے کیونکہ یہ طلاق بائن ہے۔

سوال 310: اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور ثبوت پیش نہ کر سکے اِس صورت میں عورت عدالت میں رجوع کرے گی اور لعان کے بعد عدالت تفریق کا فیصلہ صادر کرے گی، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللهِ لا اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَo وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَo وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللهِ لا اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ o وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَo[2]

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے اپنی ذات کے کوئی گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی بھی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ (وہ خود) چار مرتبہ اللہ کی قَسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (الزام

---

(۱) شيباني، كتاب الآثار، ۲: ۴۶۵، رقم:۵۲۲

(۲) النور، ۲۴:۶-۹

لگانے میں) سچا ہےo اور پانچویں مرتبہ یہ (کہے) کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہوo اور (اسی طرح) یہ بات اس (عورت) سے (بھی) سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر (خود) گواہی دے کہ وہ (مرد اس تہمت کے لگانے میں) جھوٹا ہےo اور پانچویں مرتبہ یہ (کہے) کہ اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ کا غضب ہو اگر یہ (مرد اس الزام لگانے میں) سچا ہوo

عدالت کا فائدہ یہ ہے کہ فیصلے کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب اس نے اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگایا اور ثبوت نہ پیش کر سکا تو لعان ہوگا۔

۱۰

ظِہار کے اَحکام و مسائل

سوال 311: ظہار کسے کہتے ہیں؟

جواب: ظہار کا لفظ اَلظَّھْرِ سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے پشت، پیٹھ، ظہار کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے:

أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ.[1]

تو میرے لیے پشتِ مادری کی مانند ہے۔

أنت علی کبطن أمی او فخذ أمی أو فرج أمی، ولأن معنی الظهار تشبیه الحلال بالحرام.[2]

(شوہر کا اپنی بیوی سے یہ کہنا) کہ تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے یا تو میرے لیے میری ماں کی ران کی طرح ہے یا تو میرے لیے میری ماں کی شرم گاہ کی طرح ہے کیونکہ ظہار کا معنی حلال کو حرام سے تشبیہ دینا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ طلاق کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اہل عرب عورتوں کو اس لفظ (ظہار) سے طلاق دیتے تھے۔ اسلام نے اس سے منع کیا اور جو کوئی اپنی بیوی سے ظہار کرے اس پر کفارہ واجب کیا۔[3]

---

(۱) زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۷: ۱۷۲

(۲) کاسانی، بدائع الصنائع، ۳: ۲۲۹

(۳) زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۷: ۱۷۲

جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا.[1]

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر جو کہا ہے اس سے پلٹنا چاہیں تو ایک گردن (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا لازم ہے قبل اِس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں۔

سوال 312: ظہار کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: ظہار کی تین طرح کی شرائط ہیں:

۱۔ بعض کا تعلق ظہار کرنے والے سے ہے۔

۲۔ جس کے ساتھ ظہار کیا جا رہا ہے، اس سے متعلق۔

۳۔ جن الفاظ سے ظہار کیا جا رہا ہے، ان سے متعلق۔

سوال 313: ظہار کرنے والے سے متعلق کیا شرائط ہیں؟

جواب: ظہار کرنے والے سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ صاحبِ عقل ہو۔

۲۔ کم عقل نہ ہو۔

۳۔ بالغ ہو۔

---

(۱) المجادلة، ۵۸:۳

۴۔ مسلمان ہو۔

۵۔ نیت کی ہو۔

سوال 314: جس سے ظہار کیا جا رہا ہے اس سے متعلق شرائط کیا ہیں؟

جواب: جس سے ظہار کیا جا رہا ہے اس سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ بیوی ہو۔

۲۔ نکاح تمام وجوہ سے قائم ہو۔

۳۔ لفظ ظہار بیوی کے بدن یا جسم کے کسی حصہ کی طرف منسوب ہو۔

سوال 315: مظاہر بہ سے متعلق شرائط کیا ہیں؟

جواب: مظاہر بہ سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ مظاہر بہ (جس کے ساتھ ظہار میں تشبیہ دی) عورت کی جنس سے ہو۔

۲۔ مظاہر بہ ایسا عضو ہو جس کی طرف نظر کرنا جائز نہ ہو۔

۳۔ ایسی عورت کے اعضاء سے تشبیہ دینا جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

سوال 316: ظہار کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ظہار کے کفارہ سے متعلق درج ذیل حکم فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ط ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ج فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ط ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○[1]

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر جو کہا ہے اس سے پلٹنا چاہیں تو ایک گردن (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا لازم ہے قبل اِس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ اُن کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو○ پھر جسے (غلام یا باندی) میسّر نہ ہو تو دو ماہ متواتر روزے رکھنا (لازم ہے) قبل اِس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں، پھر جو شخص اِس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم ہے)، یہ اِس لیے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) پر ایمان رکھو۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے○

گویا قرآن حکیم نے ترتیب کے ساتھ تین چیزوں کا کفارہ ظہار کے زمرے میں ذکر کیا ہے، ان میں سے جس کی بھی قدرت رکھے وہ ادا کرے۔

۱۔ غلام آزاد کرنا۔

۲۔ ساٹھ دن کے لگاتار روزے رکھنا۔

(۱) المجادلة، ۵۸:۳-۴

۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

سوال 317: ظہار کا حکم کیا ہے؟

جواب: ظہار کے تین احکام ہیں:

پہلا حکم

کفارہ کی ادائیگی سے قبل بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی وجہ سے ہے:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا.[1]

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں پھر جو کہا ہے اس سے پلٹنا چاہیں تو ایک گردن (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا لازم ہے قبل اِس کے کہ وہ ایک دوسرے کو مَس کریں۔

دوسرا حکم

کفارہ کی ادائیگی سے قبل بیوی سے جنسی منافع کا حرام ہونا۔

کفارہ ادا کرنے سے قبل جنسی فائدہ اٹھانا مثلاً اس کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا، اس کا بوسہ لینا، اس کو شہوت سے چھونا، شہوت سے اس کی شرم گاہ کو دیکھنا، یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ کی وجہ

(۱) المجادلہ، ۵۸: ۳

سے کیونکہ مس کا اطلاق سب سے کم جس چیز پر ہوتا ہے وہ ہاتھ سے چھونا ہے۔ مس کا لفظ دونوں معنی یعنی جماع اور ہاتھ سے چھونے کو شامل ہے۔

تیسرا حکم

بیوی کا شوہر سے مباشرت کا مطالبہ کرنا۔

بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شوہر سے مباشرت کرنے کا مطالبہ کرے اور جب بیوی مطالبہ کرے تو حاکم پر لازم ہے کہ وہ شوہر کو مجبور کرے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے اور بیوی سے جماع کرے کیونکہ خاوند نے بذریعہ ظہار جماع کو حرام کر کے بیوی کو نقصان پہنچایا ہے۔ مِلک نکاح کے باوجود بیوی کو حق جماع سے روک دیا گیا۔

سوال 318: کیا بیوی کو بہن کہہ دینے سے ظہار ہو جاتا ہے؟

جواب: جی نہیں! بیوی کو محض بہن کہہ دینے سے ظہار واقع نہیں ہوتا۔ البتہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسے شخص کو نا صرف ناپسند کیا بلکہ ایسا کہنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ ابو تمیمہ ہجیمی سے مروی ہے:

إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِامْرَأَتِهِ: يَا أُخَيَّةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أُخْتُکَ هِيَ؟ فَکَرِهَ ذٰلِکَ وَنَهٰى عَنْهُ.[1]

ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: اے بہن! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ

(۱) أبو داؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب في الرّجل يقول لامرأته يا أختی، ۲:۲۳۹، رقم:۲۲۱۰

تمہاری بہن ہے؟ آپ ﷺ نے اسے ناپسند کیا اور اس سے منع فرمایا۔

اسی بنا پر فقہاء نے بیوی کو بہن کہنا مکروہ قرار دیا ہے۔ درمختار میں ہے:

ويكره قوله أنتِ أمي ويا بنتي ويا أختي ونحوه.(۱)

اور خاوند کا اپنی بیوی سے یوں کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے اور یوں کہنا کہ تو میری بیٹی اور میری بہن اور اس کے مانند ہے (لیکن اس سے ظہار ثابت نہیں ہوتا)۔

سوال 319: کیا عورت کو کسی مرد سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے؟

جواب: جی نہیں! عورت کو کسی مرد سے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہے جیسے اگر شوہر یوں کہے کہ تو مجھ پر میرے باپ کی طرح ہے یا میرے بیٹے کی طرح ہے تو اس صورت میں ظہار نہیں ہوگا۔ ظہار ایک اصطلاح ہے جسے شریعت نے صرف اسی وقت تصور کیا ہے جب ظہار میں عورت سے تشبیہ دی گئی ہو۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں:

لا يقعُ الظهارُ إذا ظاهرَ الرجلُ من امرأتِهِ إلا بذاتِ محرمٍ.(۲)

ظہار (اس وقت تک) واقع نہیں ہوگا جب تک (خاوند اپنی بیوی کو) اپنی کسی ذی رحم محرم خاتون سے تشبیہ نہ دے۔

اسی طرح امام حسن بصری سے مروی ہے:

---

(۱) حصکفی، در مختار، ۱: ۲۴۹

(۲) محمد الشیبانی، کتاب الآثار، ۲: ۴۸۱، رقم: ۵۴۷

من ظاهر بذات محرم، فهو ظهار. [1]

جس نے (اپنی بیوی کو) ذی رحم محرم خاتون سے تشبیہ دی تو وہ ظہار ہے۔

سوال 320: اگر شوہر اپنی بیوی کو ماں اور بیوی اپنے شوہر کو بیٹا کہہ دے تو کیا ان کے درمیان طلاق واقع ہوگی؟

جواب: جی نہیں! شوہر کا اپنی بیوی کو ماں اور بیوی کا اپنے شوہر کو بیٹا کہہ دینے سے ان کے درمیان طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ٦: ۴۲۳، رقم: ١١۴٨٥

11
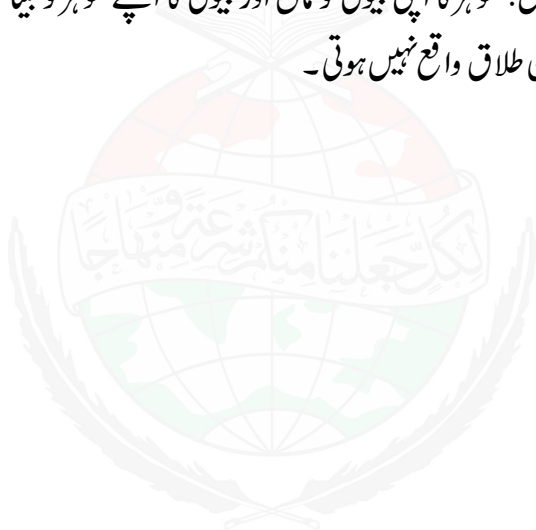
اِیلاء کے اَحکام و مسائل
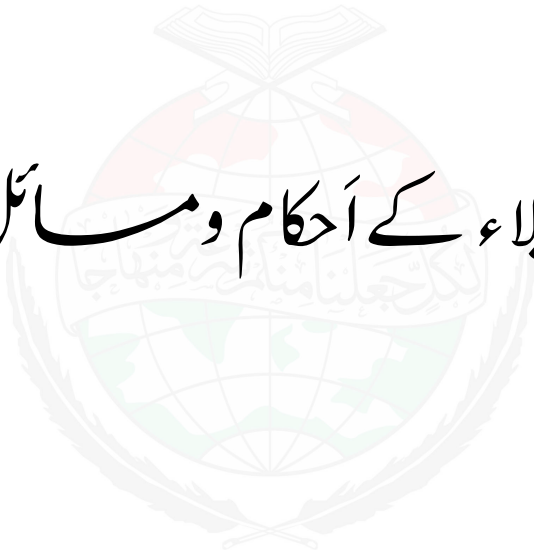
سوال 321: اِیلاء کسے کہتے ہیں؟

جواب: ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں۔ شرعاً ایلاء یہ ہے:

هو أَن يحلف الرجل أَن لا يطأ زوجته: إما مدة هی أَكثر من أَربعة أَشهر. [1]

کوئی شخص قسم کھائے کہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک اپنی زوجہ سے جماع نہ کرے گا۔

فقہ کی اصطلاح میں ایلاء سے مراد یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے قطع تعلق کرنے کی قسم کھائے اور یوں کہہ کہ: **واللہ لا أُقربک** (بخدا میں تیرے قریب نہ جاؤں گا یا **واللہ لا أُقربک أربعة أَشهر** (خدا کی قسم! میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ جاؤں گا)۔

قرآن حکیم نے اس کے بارے میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ [2]

اور ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھالیں چار

(۱) ابن رشد، بداية المجتهد، ۲:۱۱۴

(۲) البقره، ۲:۲۲۶–۲۲۷

ماہ کی مہلت ہے پس اگر وہ (اس مدت میں) رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo اور اگر انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہےo

سوال 322: ایلاء سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے؟

جواب: ایلاء سے مراد خاوند کو اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ چار ماہ کا وقت مقرر کرنا۔

۲۔ ہمیشہ کے لیے قربت نہ کرنے کی قسم کھانا۔

پہلی صورت میں اگر چار ماہ کے اندر اندر قربت نہ کی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق بائن قاضی کے حکم کے بغیر واقع ہو جائے گی، یعنی نکاح ختم ہوگیا۔ اس میں صرف مدت کا گزرنا شرط ہے۔ اب بیوی آزاد ہے کہ عدت گزار کے جہاں چاہے نکاح کر لے۔

دوسری صورت میں قسم یوں اٹھائی کہ 'میں کبھی بھی تیرے قریب نہیں آؤں گا' تو یہ دائمی ایلاء ہے۔ عمر بھر جب بھی قربت کرے گا، کفارہ لازم ہوگا جبکہ نکاح برقرار رہے گا۔

سوال 323: ایلاء کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: ایلاء کا کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد

کرنا ہے اور جو یہ نہیں کرسکتا اس پر تین دن کے روزے رکھنا لازم ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰـکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج فَکَفَّارَتُـهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ط ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللهُ لَکُمْ اٰیٰتِـهٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○[1]

اللہ تمہاری بے مقصد (اور غیر سنجیدہ) قَسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کرلو، (اگر تم ایسی قَسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے، پھر جسے (یہ سب کچھ) میسّر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے جب تم کھا لو (اور پھر توڑ بیٹھو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں خوب واضح فرماتا ہے تاکہ تم (اس کے احکام کی اطاعت کر کے) شکر گزار بن جاؤ○

قسم خاوند نے اٹھائی ہے تو کفارہ بھی صرف خاوند کے ذمہ ہے بیوی پر نہیں۔

---

(۱) المائدة، ۸۹:۵

سوال 324: شادی نہ کرنے کی قسم کھائی شادی کر لی تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

جواب: شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کر لی جائے تو اس صورت میں کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلایا جائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے جائیں۔

قرآن حکیم میں قسم توڑنے کا کفارہ یوں بیان ہوا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ.[1]

اللہ تمہاری بے مقصد (اور غیر سنجیدہ) قسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کر لو، (اگر تم ایسی قسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے، پھر جسے (یہ سب کچھ) میسّر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے جب تم کھا لو (اور پھر توڑ

---

(۱) المائدة، ۵:۸۹

بیٹھو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

سوال 325: کون سی قسم میں کفارہ لازم ہے اور کون سی میں نہیں؟

جواب: قسم کی تین اقسام ہیں جن میں سے دو اقسام پر کفارہ لازم نہیں آتا اور ایک قسم پر کفارہ لازم ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ یمین غموس

گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا مثلاً قسم کھا کر یوں کہنا کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا حالانکہ اس نے کیا تھا محض الزام کو ٹالنے کے لیے جھوٹی قسم کھالی یا مثلاً قسم کھا کر یوں کہے کہ فلاں آدمی نے یہ جرم کیا ہے حالانکہ اس بے چارے نے نہیں کیا تھا محض اس پر الزام دھرنے کے لیے جھوٹی قسم کھالی ایسی جھوٹی قسم 'یمین غموس' کہلاتی ہے اور نہ صرف یہ عمل گناہِ کبیرہ ہے بلکہ اس کا وبال بھی بہت سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دن رات توبہ و استغفار کرے اور معافی مانگے۔ یہی اس کا کفارہ ہے، اس کے سوا کوئی کفارہ نہیں۔

۲۔ یمین لغو

گزشتہ واقعہ پر لاعلمی کی وجہ سے جھوٹی قسم کھالے مثلاً قسم کھا کر کہا کہ زید آ گیا ہے حالانکہ زید نہیں آیا تھا مگر اس کو دھوکہ ہوا اور اس نے یہ سمجھ کر کہ واقعی زید آ گیا ہے جھوٹی قسم کھائی۔ اس کو یمین لغو کہتے ہیں اور اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

بعض لوگوں کی عادت بن جاتی ہے کہ بات بات پر قسم کھاتے رہتے ہیں،

وہ بھی یمین لغو کے زُمرے میں آتا ہے۔

۳۔ یمین معقودہ یا منعقدہ

آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے اور پھر قسم کو توڑ ڈالے۔ اس کو یمین معقودہ یا یمین منعقدہ کہتے ہیں اور ایسی قسم توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

سوال 326: قسم کا کفارہ کتنا ہے؟ کیا تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں قسم کا کفارہ درج ذیل آیت میں ملتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ.[1]

اللہ تمہاری بے مقصد (اور غیر سنجیدہ) قَسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کرلو، (اگر تم ایسی قَسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے، پھر جسے (یہ سب کچھ) میسّر نہ ہو تو تین دن

(۱) المائدة، ۵:۸۹

روزہ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے جب تم کھا لو (اور پھر توڑ بیٹھو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

یعنی اولاً غلام آزاد کرے۔ اگر میسر نہ ہوتو دو وقت دس مسکینوں کو کھلائے۔ اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو تین روزے رکھے۔ کھانا ایک مسکین کو بھی دس دن تک دونوں وقت کھلایا جاسکتا ہے یا نقد دے دے۔ اور تھوڑا تھوڑا کر کے دینا بھی درست ہے بشرطیکہ دس مسکینوں کو پہنچ جائے یا یہ کہ ایک مسکین کو دس دن کھلا دیا جائے یا نقد دے دیا جائے۔

سوال 327: کیا جتنی بار قسم کھائی جائے اتنی بار کفارہ دینا لازم آتا ہے؟

جواب: جی ہاں! جتنی بار قسم کھائی جائے اتنی ہی بار کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

12

عدت کے اَحکام و مسائل

سوال 328: عدت کسے کہتے ہیں؟

جواب: عدت سے مراد وہ دورانیہ ہے جو عورت کو شوہر سے خلع لینے یا طلاق واقع ہونے یا تنسیخ نکاح کے بعد خاص مدت کے لیے گزارنا ہوتا ہے۔ عدت کے لیے خلوتِ صحیحہ کا ہونا شرط ہے۔ اگر خلوتِ صحیحہ کے بغیر کسی وجہ سے طلاق یا خلع یا تنسیخِ نکاح ہو جائے تو اس صورت میں عورت پر عدت گزارنا لازم نہیں ہوتا؛ لیکن بیوہ غیر مدخولہ پر عدت لازم ہوتی ہے۔

سوال 329: مدتِ عدت کیسے شمار کی جائے گی؟

جواب: مدتِ عدت کی گنتی کا آغاز وقت طلاق یا وفات سے کیا جائے گا اور عدت تفریق، طلاق یا وفات کے وقت سے واجب ہوگی اگرچہ عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہیں ہوا اور عدت کی مدت گزر گئی تو عدت پوری سمجھی جائے گی۔

سوال 330: زمانہ جاہلیت میں بیوہ عدت کیسے گزارتی تھی؟

جواب: عورت کی عدت کا معاملہ تاریخ سے وابستہ ہے۔ قبل از اسلام بھی عورت کو عدت گذارنا ہوتی تھی۔ مرتے دم تک اس کی عدت قائم رہتی تھی۔ اس طرح قدیم ایام میں عدت کی گنتی محدود نہ تھی بلکہ موت ہی ایسی گنتی کو ختم کرنے کا موجب بنتی تھی۔ لہٰذا بیوہ یا مطلقہ عورت کو عدت کے لیے قید و بند میں ڈال دیا جاتا تھا اور زندگی

پھر دوسری شادی سے محروم رکھا جاتا اور انہیں معاشرے سے لاتعلق کر کے منحوس قرار دیا جاتا تھا۔

بیوہ عورتوں کے بال جو حسن کی علامت ہیں کاٹ دیئے جاتے یا انہیں خاوندوں کے ساتھ زندہ جلا (ستی) دیا جاتا۔ اور زندہ رہنے کی صورت میں عورت کو نئی شادی کے حق سے یکسر محروم کر دیا جاتا تھا۔ لہٰذا بیوہ اپنی آئندہ زندگی کے عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے خاوند کے ساتھ ستی ہو جانے کو ترجیح دیتی اور مرنے کے بعد ستی ساوتری کہلاتی۔ اس طرح معاشرتی نفرت کا مقابلہ کرنے کی بجائے مقدس عورت کہلوانا پسند کرتی تھی۔

ستی نہ ہونے والی عورت کو ایسی خوارک دی جاتی جو ان کے جنسی احساس کے بیدار ہونے میں مانع ہوتی تھیں۔ انہیں ننگی چارپائی پر سونے کے لیے مجبور کیا جاتا اور آرام و آسائش کی ہر سہولت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ انہیں تمام عمر اپنے مرحوم شوہر کے گھر گزارنا ہوتی تھی۔ ان عورتوں پر کہیں آنے جانے یا تقریبات میں شمولیت کی پابندی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے والدین کے علاوہ کسی دیگر رشتہ دار کو ملنے کی اجازت بھی نہ ہوتی۔

مطلقہ عورت کے لیے قدیم رواج یہ بھی تھا کہ مطلقہ عورت کو عدت کے دوران اگرچہ مرد کے گھر میں رکھا جاتا تھا لیکن اس دوران اس عورت پر سختی روا رکھی جاتی اور عورت کو نان و نفقہ سے تنگ کیا جاتا تاکہ وہ گھر سے بھاگ جائے یا پھر عدت کے خاتمے کے نزدیک ان عورتوں سے رجوع کر لیا جاتا۔ اس طرح طلاق اور رجوع کا یہ کھیل ایک عرصہ تک قائم رکھ کر عورت طلاق کے باوجود آزاد نہ کی جاتی

اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر پاتی کہ اس کی آئندہ زندگی کیا ہوگی۔

امام رازی نے ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر یہ شکایت کی کہ اس کا شوہر اس کو بار بار طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے جس وجہ سے اس کو ضرر ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ.[1]

طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

سوال 331: دورانِ عدت معاشرتی معاملات کے لیے دینی اور فقہی احکامات کیا ہیں؟

جواب: دورانِ عدت معاشرتی معاملات کے لیے دینی اور فقہی اَحکامات درج ذیل ہیں:

۱۔ بیوہ عورت عدت کے دوران زیب و زینت نہ کرے۔

۲۔ بیوہ شوہر کے گھر سے بلا ضرورت باہر نہ نکلے۔

۳۔ بیوہ کی عدت بغرض آسان معنی استبراء رحم اور شوہر کے سوگ کے لیے ضروری ہے۔

(۱) البقرة، ۲:۲۲۹

۴۔ بیوہ عورت کو گھر کے کام کاج کے لیے باہر نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات گھر میں قیام کرے۔

۵۔ بیوہ عدت کے دوران نکاح کا پیغام وصول نہ کرے۔

۶۔ بیوہ یا طلاق والی عورت عدت کے دوران دوسرا نکاح نہ کرے۔

۷۔ عدت کے فوراً بعد نکاح ثانی کے لیے عجلت کرے اور عارضی سہاروں کے ساتھ سمجھوتہ نہ کرے۔

سوال 332: اگر کوئی عورت دورانِ عدت نکاحِ ثانی کر لے تو اس کے لیے حکم کیا ہے؟

جواب: اگر کوئی عورت دورانِ عدت نکاح ثانی کر لے تو یہ جائز نہ ہوگا بلکہ یہ حرام ہے اور ایسا عقد باطل ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

وَلاَ تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ.[1]

اور (اس دوران) عقدِ نکاح کا پختہ عزم نہ کرو یہاں تک کہ مقررہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے۔

سو معلوم ہوا کہ حکم الٰہی کے مطابق جب عدت میں نکاح کا عزمِ مصمم کرنے سے منع کیا گیا ہے تو نکاح کرنا تو بدرجہ اَولیٰ منع ہوگا۔ لہٰذا دورانِ عدت نکاحِ ثانی حرام ہے۔

(۱) البقرة، ۲:۲۳۵

سوال 333: کن صورتوں میں عدت واجب ہوگی؟

جواب: درج ذیل صورتوں میں عدت واجب ہوگی:

۱۔ نکاح صحیح میں دخول یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے یا تفریق ہو جائے۔

۲۔ نکاح فاسد میں بعد اَز دخول یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے یا تفریق ہو جائے۔

۳۔ نکاحِ صحیح یا فاسد میں شوہر انتقال کر جائے۔

سوال 334: کیا عورت اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور بھی عدت پوری کرسکتی ہے مثلاً اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی وغیرہ کے گھر؟

جواب: عورت کو اسی گھر میں عدت پوری کرنی چاہیے جس گھر میں عدت واجب ہوئی ہے یعنی جس گھر میں شوہر کی وفات کے وقت وہ موجود تھی مگر یہ کہ وہ مکان کسی دوسرے کا ہو، اسے وہاں رہنے نہ دیا جائے یا وہ مکان منہدم ہو جائے یا منہدم ہونے کا خطرہ ہو، یا اس گھر میں عورت کو اپنی جان و مال اور آبرو کے بارے میں خوف لاحق ہو یا ضروریات کا انتظام کرنے والا کوئی نہ ہو، ضروریاتِ زندگی آسانی سے پوری نہ ہوسکتی ہوں اور یہ بھی ممکن نہ ہو کہ کوئی بھائی یا دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے پاس رہ کر اس کی حفاظت کرسکیں تو اس صورت میں وہ اپنے ماں، باپ، بہن یا بھائی کے گھر میں رہ کر عدت پوری کرسکتی ہے۔

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ اگر عورت کو خطرہ لاحق ہو تو وہ کسی اور جگہ دوران عدت منتقل ہو سکتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ. فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَحَوَّلَ. (1)

فاطمہ بنت قیس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اس امر کا ڈر ہے کہ کوئی میرے مکان میں نہ گھس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں جگہ تبدیل کرنے کا حکم فرمایا۔

سوال 335: طلاق کی عدت کا وقت کب سے شمار ہوگا؟

جواب: طلاق کی عدت کا وقت طلاق دیتے ہی شمار ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

تعتدُّ من يوم طلَّقها، أو مات عنها. (2)

عورت اس دن سے عدت شروع کرے گی جس دن اسے طلاق دی گئی یا جس دن اس کا خاوند فوت ہوا۔

حضرت ابراہیم سے مروی ہے:

---

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب الطلاق، باب هل تخرج المرأة فى عدتها، ۲: ۶۵۱، رقم: ۲۰۳۳

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۶: ۳۲۷، رقم: ۱۱۰۴۳

تعتدُّ المتوفی عنها زوجها من یومِ مات عنها زوجها، والمطلقة من یوم طلقها.[1]

بیوہ عورت اس دن سے عدت شروع کرے جس دن اس کا خاوند فوت ہوا اور مطلقہ عورت اس دن سے شروع کرے جس دن اس کو طلاق دی گئی۔

سوال 336: طلاق کی عدت کے دوران اگر شوہر انتقال کر جائے تو کتنی عدت ہوگی؟

جواب: اگر عورت طلاق کی عدت گزار رہی ہو اور اس دوران شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی درج ذیل تین صورتیں ہیں اور تینوں کا حکم الگ الگ ہے:

ا۔ ایک صورت یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہوگی۔ بچے کی پیدائش سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی خواہ طلاق دینے والے خاوند کی وفات کے چند لمحوں بعد بچہ پیدا ہو جائے عورت کی عدت ختم ہوگئی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

إذا وضعت حملها حلَّ أجلها، قال: فحدثه رجل من الأنصار أن عمر قال: لو وضعت حملها وهو علی سریره لم یدفن لحلّت للأزواج.[2]

جب عورت اپنا وضع حمل کر لے تو اس کی عدت مکمل ہو جاتی ہے۔ پس

---

(۱) محمد الشیبانی، کتاب الآثار، ۲:۴۵۶، رقم:۵۰۸

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۶:۴۷۲، رقم:۱۱۷۱۹

یہی حدیث انصار میں سے ایک شخص نے بیان کی اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عورت وضع حمل کرے اور اس کا شوہر ابھی چار پائی پر پڑا ہوا ہے، دفن بھی نہیں کیا گیا تو وہ دوسرے شوہر کے لیے حلال ہے (یعنی دوسرے شخص سے شادی کرسکتی ہے)۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت حاملہ نہ ہو اور شوہر نے رجعی طلاق دی ہو اور عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں طلاق کی عدت کالعدم سمجھی جائے گی اور عورت نئے سرے سے وفات کی عدت گزارے گی یعنی چار مہینے دس دن۔ قتادہ کہتے ہیں:

إذا طلّق الرجل المرأة واحدة أو اثنتين، ثم توفي عنها قبل انقضاء عدتها، اعتدت عدة المتوفى عنها من يوم يموت، وورثته.[1]

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے، پھر اس عورت کی عدت پوری ہونے سے قبل ہی اس شخص کی وفات ہو جائے تو جس دن وہ آدمی فوت ہوا اسی دن سے عورت کی عدت (دوبارہ) شمار کی جائے گی اور وہ اس کے مال کی وارث بنے گی۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عورت حاملہ نہ ہو اور شوہر نے طلاق بائن دی ہو، پھر عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند فوت ہو جائے تو اس صورت میں دیکھا جائے گا طلاق کی عدت زیادہ طویل ہے یا وفات کی۔ ان دونوں میں سے جو زیادہ طویل ہو وہ عدت عورت کے ذمہ لازم ہوگی۔ جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں:

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۴۷۰، رقم: ۱۱۷۰۹

وبه نأخذُ إذا كان طلاقاً يملك الرجعة، فإن كانَ الطلاقُ بائناً فعليها من العدةِ أبعدُ الأجلين: من ثلاث حيضٍ من يوم طلّقَ، ومن أربعةِ أشهرٍ وعشرٍ من يومِ مات، وهو قولُ أبي حنيفةَ.[1]

ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں، جب ایسی طلاق ہو جس میں وہ رجوع کا مالک ہو اور اگر طلاق بائن ہو تو عورت پر وہ عدت واجب ہوگی جس کی مدت زیادہ ہو یعنی طلاق والے دن کے بعد تین حیض یا مرنے والے دن سے چار مہینے دس دن۔

لہٰذا عورت ایسی صورت میں طلاق اور وفات دونوں کی عدت بیک وقت گزارے گی۔ ان میں سے اگر ایک پوری ہو جائے اور دوسری کے کچھ دن باقی ہوں تو ان باقی دنوں کی عدت بھی پوری کرے گی۔

سوال 337: حاملہ بیوہ کی عدت کیا ہوگی؟

جواب: جس عورت کا خاوند وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہو جاتی ہے۔ خواہ خاوند کی وفات کے چند لمحوں بعد ہی بچہ پیدا ہوا ہو یعنی بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی عورت عدت سے فارغ ہو جائے گی۔ اس کے لیے کسی اور سے بھی شادی کرنا حلال ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.[2]

---

(۱) محمد الشیبانی، کتاب الآثار، ۲:۴۳۳-۴۳۴، رقم:۴۶۸

(۲) الطلاق، ۶۵:۴

اور حاملہ عورتیں (تو) ان کی عدت ان کا وضعِ حمل ہے۔

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے۔

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ، يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ عَلٰى سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةِ، فَيَسْأَلَهَا عَنْ حَدِيثِهَا وَعَمَّا قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، حِينَ اسْتَفْتَتْهُ. فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ يُخْبِرُهُ؛ أَنَّ سُبَيْعَةَ أَخْبَرَتْهُ؛ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ. وَهُوَ فِي بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ. وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا. فَتُوُفِّيَ عَنْهَا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهِيَ حَامِلٌ. فَلَمْ تَنْشَبْ أَنْ وَضَعَتْ حَمْلَهَا بَعْدَ وَفَاتِهِ. فَلَمَّا تَعَلَّتْ مِنْ نِفَاسِهَا تَجَمَّلَتْ لِلْخُطَّابِ. فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ، فَقَالَ لَهَا: مَا لِي أَرَاكِ مُتَجَمِّلَةً؟ لَعَلَّكِ تَرْجِينَ النِّكَاحَ. إِنَّكِ، وَاللهِ! مَا أَنْتِ بِنَاكِحٍ حَتّٰى تَمُرَّ عَلَيْكِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ. قَالَتْ سُبَيْعَةُ: فَلَمَّا قَالَ لِي ذٰلِكَ، جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي حِينَ أَمْسَيْتُ. فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ؟ فَأَفْتَانِي بِأَنِّي قَدْ حَلَلْتُ حِينَ وَضَعْتُ حَمْلِي. وَأَمَرَنِي بِالتَّزَوُّجِ إِنْ بَدَا لِي. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَلَا أَرٰى بَأْسًا أَنْ تَتَزَوَّجَ حِينَ وَضَعَتْ. وَإِنْ كَانَتْ فِي دَمِهَا. غَيْرَ أَنْ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتّٰى تَطْهُرَ.[1]

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها، وغيرها بوضع الحمل، ۲:۱۱۲۲، رقم:۱۴۸۴

ان کے والد نے عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ حضرت سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کیا تھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عمر بن عبد اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عتبہ کو لکھا کہ میں نے حضرت سبیعہ سے جا کر دریافت کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کا نکاح حضرت سعد بن خولہ عامری سے ہوا تھا جو بنو عامر بن لوی سے تھے، حضرت سعد جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور حجۃ الوداع میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں اور ان کی وفات کے چند دنوں بعد ہی وضع حمل ہوگیا۔ نفاس سے پاک ہونے کے بعد انہوں نے منگنی کرنے والوں کے لیے بناؤ سنگھار کیا، اسی اثناء میں ان کے پاس بنو عبدالدار کے قبیلہ سے ابو السنابل بن بعکک نامی ایک شخص آیا اور کہنے لگا: تم نے بناؤ سنگھار کیوں کیا ہے؟ شاید تم نکاح کرنے کا ارادہ کر رہی ہو! قسم بخدا! تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ تمہارے چار ماہ اور دس دن پورے نہ ہو جائیں۔ سبیعہ کہتی ہیں جب حضرت ابو السنابل نے یہ کہا تو میں اپنے کپڑے سنبھال کر شام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے ہی میرا حمل وضع ہوا میری عدت پوری ہوگئی اور فرمایا اگر میں چاہوں تو دوسرا نکاح کر سکتی ہوں۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت وضع حمل ہوتے ہی دوسرا نکاح کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ اس وقت اس کا خون جاری ہو، البتہ اس کا شوہر پاک ہونے سے پہلے

اس سے مقاربت نہیں کرسکتا۔

سوال 338: غیر حاملہ بیوہ کی عدت کیا ہوگی؟

جواب: بیوہ عورت حاملہ نہ ہوتو اس صورت میں مدتِ عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.[۱]

اورتم میں سے جوفوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں۔

سوال 339: حائضہ و غیر حائضہ کی عدت کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب: جب شوہر اپنی بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دے یا دونوں میں طلاق کے علاوہ کسی دوسری صورت سے تفریق ہوجائے اور اس عورت کو حیض آتا ہوتو اس کی عدت تین حیض مقرر ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ.[۲]

---

(۱) البقرة، ۲:۲۳۴

(۲) البقرة، ۲:۲۲۸

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

حضرت ابراہیم سے مروی ہے:

تعتدُّ المستحاضةُ إذا طلقت بأَيامِ أقرائها، فإذا فرغت حلّت للرجالِ. (1)

مستحاضہ عورت کو جب طلاق دی جائے تو وہ اپنے حیض کے دنوں کے حساب سے عدت گزارے۔ جب فارغ ہو جائے تو مردوں کے لیے حلال ہو جائے گی۔

سوال 340: محروم الحیض غیر حاملہ عورت کو طلاق ہو جائے تو اُس کی عدت کتنی ہوگی؟

جواب: ہر ایسی عورت جس کو سرے سے حیض آتا ہی نہ ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے رک جائے تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالّٰـئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَـلٰـثَةُ اَشْھُرٍ وَالّٰـئِیْ لَمْ یَحِضْنَ. (2)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوچکی ہوں اگر تمہیں شک ہو (کہ اُن کی عدّت کیا ہوگی) تو اُن کی عدّت تین مہینے ہے اور وہ عورتیں جنہیں (ابھی) حیض نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدّت ہے)۔

---

(۱) محمد الشیبانی، کتاب الآثار، ۲:۴۳۹، رقم:۴۷۹

(۲) الطلاق، ۶۵:۴

سوال 341: کیا اِسقاطِ حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے؟

جواب: جی ہاں! قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالّٰئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط وَمَنْ یَّتَّقِ اللهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ○[1]

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شک ہو (کہ اُن کی عدت کیا ہو گی) تو اُن کی عدّت تین مہینے ہے اور وہ عورتیں جنہیں (ابھی) حیض نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدّت ہے)، اور حاملہ عورتیں (تو) اُن کی عدّت اُن کا وضعِ حمل ہے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (تو) وہ اس کے کام میں آسانی فرما دیتا ہے○

اور احادیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ مُغِیرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِیمَ عَنِ السِّقْطِ. فَقَالَ: تَنْقَضِی بِهِ الْعِدَّةُ.[2]

حضرت مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا کہ اگر نامکمل بچہ پیدا ہو جائے تو کیا عدت پوری ہو جائے ہوگی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! عدت مکمل ہو جائے گی۔

---

(۱) الطلاق، ۶۵:۴

(۲) ابن أبی شیبة، المصنف، ۴:۱۹۷، رقم:۱۹۲۷۴

ایک اور روایت میں ہے:

كَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ: إِذَا أَلْقَتْهُ عَلَقَةً أَوْ مُضْغَةً بَعْدَ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ حَمْلٌ، فَفِيهِ الْغُرَّةُ، وَتَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ.[1]

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جب عورت نے معلّق وجود یا دانتوں سے چبائے ہوئے لوتھڑے جیسی حالت میں جنم دیا بعد اس کے کہ حمل ٹھہرنا معلوم ہو چکا تھا تو اس میں غُرَّ ہ (صحت مند غلام یا لونڈی بطور دیت) ہے۔ اس سے عدت پوری ہو جائے گی۔

لہٰذا اِسقاطِ حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔

سوال 342: مفقود الخبر (لا پتہ) خاوند کی بیوی کی مدتِ عدت کیا ہوگی؟

جواب: جس عورت کا خاوند مفقود الخبر (لا پتہ) ہو وہ مالکی مسلک کے مطابق چار سال تک انتظار کر کے کسی اور جگہ اپنی مرضی سے عقدِ نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں:

إذا مضى أربع سنين يفرّق القاضى بينه وبين امرأته وتعتدّ عدّة الوفاة، ثم تتزوج من شاءت.[2]

جب (کوئی شخص لا پتہ ہو جائے اس کے بعد) چار سال گزر جائیں تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرے گا اور عورت عدتِ وفات گزار

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۱۹۸، رقم:۱۹۲۷۹

(۲) مرغيناني، الهداية، ۲:۱۸۱

کر حسبِ منشاء شادی کرے۔

امام مالک حضرت عمر بن خطاب ﷛ کے درج ذیل قول سے استدلال کرتے ہیں:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ؟ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِينَ. ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. ثُمَّ تَحِلُّ.[1]

جس عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ عورت چار سال انتظار کرے، اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزارے تو عقد ثانی کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اَحناف کا فتویٰ بھی آج کل اسی قول پر ہے۔ لہٰذا مفقود الخبر خاوند کی بیوی مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہو کر اپنے خاوند کے مفقود الخبر ہونے کا ثبوت دے کر دوسری شادی کا اِجازت نامہ حاصل کر سکتی ہے۔ بعد ازاں اگر مفقود الخبر شخص واپس آ جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا کیونکہ تمام کارروائی عدالتی اَحکامات کے مطابق ہوئی ہے اور شرعی مسئلہ کو حکومتی تحفظ حاصل ہوگا۔ یہ عورت دوسرے خاوند کی ہی بیوی رہے گی، پہلے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ البتہ حق مہر یا چار سال کا خرچہ سابقہ شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا، عورت چاہے تو بذریعہ عدالت وصول کرے اور چاہے تو معاف کر دے۔

(۱) مالك، الموطا، ۲:۵۷۵، رقم:۵۲

سوال 343: بدکار عورت کی مدتِ عدت کیا ہے؟

جواب: بدکار عورت کی عدت کے بارے میں اَئمہ کا اختلاف ہے۔ جن کے نزدیک حاملہ بدکار عورت کی عدت ہے وہ درج ذیل آیت کو دلیل بناتے ہیں:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (۱)

اور حاملہ عورتیں (تو) اُن کی عدّت اُن کا وضعِ حمل ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

قال أبو حنيفة: بل تعتد بوضعه ولو كان من زنا لعموم الآية. (۲)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے: حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے۔ اگرچہ حمل بدکاری کے باعث ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آیت مبارکہ کا حکم عام ہے۔

جب کہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

وَلَا عِدَّةَ عَلَى الزَّانِيَةِ حَامِلًا كَانَتْ أَوْ غَيْرَ حَامِلٍ؛ لِأَنَّ الزِّنَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ ثُبُوتُ النَّسَبِ. (۳)

بدکار عورت پر عدت نہیں ہوتی خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ کیونکہ بدکاری کے ساتھ ثبوتِ نسب کا تعلق نہیں ہوتا۔

لہٰذا مناسب رائے یہی ہے کہ بدکار حاملہ عورت اگر اُسی شخص سے نکاح

(۱) الطلاق، ۶۵:۴

(۲) شوکانی، نیل الأوطار، ۷:۸۹

(۳) کاسانی، بدائع الصنائع، ۳:۱۹۲

کرے جس کے نطفہ سے حاملہ ہوئی ہے تو عدت میں بھی کر سکتی ہے، مگر کسی اور شخص سے نکاح کرنا چاہے تو وضعِ حمل کے بعد کرے۔

سوال 344: کیا شہید کی بیوہ پر عدت لازم ہوگی؟

جواب: جی ہاں! شہید کی بیوہ پر عدت لازم ہوگی اور عدت کے بعد وہ دوسری جگہ عقد کر سکتی ہے۔ شہیدوں پر بھی دنیا میں وفات پانے والے لوگوں کے احکام جاری ہوتے ہیں اور ان کی وارثت تقسیم ہوتی ہے۔ ان کی بیواؤں پر عدت لازم ہے اور عدت کے بعد ان کا دوسری جگہ نکاح کرنا بھی جائز ہے۔

سوال 345: کیا عدت کے دوران ملازمت کرنا جائز ہے؟

جواب: اگر خرچ کا کسی صورت انتظام نہ ہو تو عدت کے دوران ملازمت کرنا جائز ہے لیکن اگر خرچ کا کم انتظام ہو تو اس صورت میں ملازمت جائز نہیں۔ یعنی مجبوری کی صورت میں باہر جا سکتی ہے۔

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ بیوہ دورانِ عدت کام کی غرض سے دن کے وقت باہر جا سکتی ہے لیکن رات وہ واپس گھر آ کر گزارے۔ یحییٰ بن سعید سے مروی ہے:

أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ خَبَّاب تُوُفِّيَ. وَإِنَّ امْرَأَتَهُ جَاءَتْ إِلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ ﷺ فَذَكَرَتْ لَهُ وَفَاةَ زَوْجِهَا. وَذَكَرَتْ لَهُ حَرْثًا لَهُمْ بِقَنَاةَ. وَسَأَلَتْهُ هَلْ يَصْلُحُ لَهَا أَنْ تَبِيْتَ فِيْهِ؟ فَنَهَاهَا عَنْ ذٰلِکَ. فَكَانَتْ تَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ سَحَرًا. فَتُصْبِحُ فِي حَرْثِهِمْ، فَتَظَلُّ فِيْهِ

يَوْمَهَا. ثُمَّ تَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ إِذَا أَمْسَتْ فَتَبِيْتُ فِيْ بَيْتِهَا.[1]

سائب بن خباب وفات پا گئے تو ان کی بیوی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور انہیں اپنے خاوند کی وفات کا قصہ بتایا۔ یہ بھی کہا کہ ان کے سسرال والوں کی مقامِ قناۃ میں کچھ کھیتی باڑی ہے، تو کیا ان کے لیے جائز ہے کہ وہ رات وہاں گزاریں؟ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس سے منع فرمایا۔ پس وہ بوقتِ سحر مدینہ سے نکلتی تھیں اور صبح تک ان کی کھیتی میں جا پہنچتی تھیں۔ پھر دن بھر وہاں رہتیں اور شام کو مدینہ میں داخل ہو جاتی تھیں اور اپنے گھر میں ہی رات بسر کرتی تھیں۔

سوال 346: کیا عورت دورانِ عدت کسی خوشی، غمی میں شریک ہوسکتی ہے؟

جواب: عورت دورانِ عدت کسی خوشی یا غمی میں شریک نہیں ہوسکتی۔ دورانِ عدت عورت کا بلا ضرورت گھر سے نکلنا درست نہیں ہے۔ بامر مجبوری کسی قریبی رشتہ دار کی وفات کی صورت میں عورت گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن رات واپس اپنے گھر آ کر گزارے گی۔[2]

لہٰذا مجبوری کی حالت میں عورت عدت کے دوران گھر سے نکلے اور قریبی عزیز کی وفات کی صورت میں غمی میں شامل ہو جائے، ورنہ گھر میں ہی رہے۔

(۱) مالك، الموطا، ۲:۵۹۲، رقم:۸۸

(۲) حصکفی، درمختار، ۱:۲۶۰

سوال 347: کیا عورت دورانِ عدت ضروری کام کی وجہ سے اپنے گھر سے باہر جا سکتی ہے؟ اگر جا سکتی ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟

جواب: جی ہاں! عورت دوران عدت شرعی یا اپنی ذاتی و گھریلو ضرویات اور ضروری کام کی وجہ سے اپنے گھر سے باہر جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کی جان اور عزت محفوظ ہو اور کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

طُلِّقَتْ خَالَتِي. فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا. فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ. فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: بَلٰی. فَجُدِّي نَخْلَكِ. فَإِنَّكِ عَسٰی أَنْ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا.[1]

میری خالہ کو طلاق دے دی گئی تھی، انہوں نے اپنے باغ کی کھجوروں کو توڑنے کا ارادہ کیا تو انہیں گھر سے باہر نکلنے پر ایک شخص نے ڈانٹا۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس گئیں، آپ ﷺ فرمایا: کیوں نہیں! تم اپنے باغ کی کھجوریں توڑ لو۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس میں سے صدقہ دو یا کوئی اور نیکی کرو۔

حضرت ابراہیم سے مروی ہے:

والمتوفى عنها زوجها لا تخرج إلا في حق لا بد منه ولا تبيت عن بيتها.[2]

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدة البائن، والمتوفى عنها زوجها في النهار لحاجتها، ۲: ۱۱۲۱، رقم: ۱۴۸۳

(۲) أبو يوسف، كتاب الآثار، ۱۴۲، رقم: ٦٤٥

اور بیوہ عورت لازمی حق کے لیے جاسکتی ہے لیکن رات دوسرے گھر میں ہرگز نہ گزارے۔

ہاں عدت کے دوران غیر ضروری بناؤ سنگھار سے پرہیز کرے اور غیر محرموں سے بلا ضرورتِ شرعی ملاقات و گفتگو سے پرہیز کرے۔ اگر محرم ساتھ ہو تو زیادہ بہتر ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْف.(1)

پھر اگر وہ خود (اپنی مرضی سے) نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی گناہ نہیں۔

لہٰذا معتدہ ضروری کام کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے۔

سوال 348: کیا عدت کے دورن بیماری کی وجہ سے بیوہ اسپتال داخل ہو سکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر عدت کے دوران بیوہ کی طبیعت خراب ہو تو اس صورت میں ہسپتال میں داخل کروا کے علاج کروایا جا سکتا ہے کیوں کہ انسانی جان کی حفاظت ضروری ہے۔ اس سے بڑی مجبوری کوئی نہیں ہے۔ اس لیے دورانِ عدت اسپتال میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱) البقرہ، ۲: ۲۴۰

سوال 349: بیوہ عدت کے دوران اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتی ہوتو وہ اس میں کیسے شرکت کرے گی؟

جواب: بیوہ عدت کے دوران اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتی ہوتو اس صورت میں وہ اپنے بیٹے کے نکاح کا مشورہ دے سکتی ہے۔ یہ ممنوع نہیں ہے، البتہ شادی کی خوشی کے کاموں میں خود حصہ نہ لے اور عمدہ نیا لباس نہ پہنے، نہ مہندی وغیرہ لگا کر زیب و زینت اختیار کرے، گھر سے باہر نہ نکلے تا کہ سوگ قائم رہے۔ جب تک عدت کا زمانہ ہے، اس وقت تک سوگ ضروری ہے۔

سوال 350: کیا عدت گزارنے کے بعد عورت آزاد ہے؟

جواب: جی ہاں! از روئے شریعت عورت مطلقہ ہو یا بیوہ عدت گزارنے کے بعد آزاد ہے۔ جہاں چاہے اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے جیسا کہ بیوہ کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا.[1]

اورتم میں سے جو فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں۔

مطلقہ کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

(۱) البقرة، ۲:۲۳۴

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ.[1]

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیّت میں) روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔

لہٰذا قرآن حکیم کی رو سے جو عورت اپنی عدت گزار چکی ہے وہ جہاں چاہے شریعت کے مطابق نکاح کر سکتی ہے۔

سوال 351: نا بالغ لڑکے کا نکاح ہوا اور اس نے بالغ ہو کر طلاق دی تو کیا اب لڑکی کا نکاح بغیر عدت کہیں ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر نابالغ لڑکے کا نکاح ہوا اور اس نے بالغ ہو کر طلاق دی تو اگر اس نے لڑکی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ کر لی تھی تو عدت گزارنا اس لڑکی پر لازم ہے، بغیر عدت گزارے دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی۔

خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق ہونے کی صورت میں عدت نہیں ہوتی۔

سوال 352: شوہر اور بیوی نا بالغ ہیں اور شوہر کی وفات ہوگئی تو کیا عورت پر عدت لازم ہوگی؟

جواب: شوہر اور بیوی نابالغ ہیں اور شوہر کی وفات ہو جائے تو اس صورت میں عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

(۱) البقرة، ۲:۲۳۱

سوال 353: اگر کوئی شخص خلوتِ صحیحہ سے قبل فوت ہو جائے تو کیا عورت پر عدت لازم ہوگی؟

جواب: اگر کوئی شخص نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ سے پہلے فوت ہو جائے تو اُس کی بیوہ پر عدت بطورِ سوگ واجب ہوگی یعنی وہ چار ماہ دس دن تک کہیں اور نکاح نہ کرے گی اور نہ ہی زیب و زینت کرے گی۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

عِدَّةُ الْحُرَّةِ فِي الْوَفَاةِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشرَةُ أَيَّامٍ سَوَاءٌ كَانَتْ مَدْخُولًا بِهَا أَوْ لَا مُسْلِمَةً أَوْ كِتَابِيَّةً.[1]

آزاد بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے، برابر ہے کہ وہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو، مسلمان ہو یا کتابیہ ہو۔

لہٰذا غیر مدخولہ بیوہ پر عدت واجب ہے۔

سوال 354: ایک خاتون مسلمان ہوئی اس دن اس کے شوہر کی وفات کو تقریباً تین ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا کیا یہ عورت مسلمان ہونے کے دن سے نکاح کر سکتی ہے یا اپنی عدت پوری ہونے کا انتظار کرے گی؟

جواب: اگر نو مسلمہ کے شوہر کی وفات کو تقریباً تین ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا تو وہ عورت مسلمان ہونے کے دن سے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ کافرہ پر عدت نہیں ہوتی۔

---

(۱) ابن ہمام، شرح فتح القدیر، ۴:۳۱۳

۲۔ الفتاوى الهندية، ۱:۵۲۹

سوال 355: اگر ایک عورت سے دو مرد شادی کا دعویٰ کریں اور تاریخ نہ بتائیں اور قاضی دونوں کے نکاح کو فسخ کر دے تو اس صورت میں کیا عورت پر عدت لازم ہوگی؟

جواب: اگر ایک عورت سے دو مرد شادی کا دعویٰ کریں اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے نکاح کی تاریخ نہ بتائے تو دونوں کا نکاح ساقط ہو جائے گا۔ سو نکاح کسی کا بھی ثابت نہ ہوا، لہٰذا نکاحِ ثانی کے لیے عورت پر عدت لازم نہیں آئے گی۔

سوال 356: ایک مسلمان مرد نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ اس کا نکاح اس کی مسلمان بیوی سے باقی رہا یا نہیں؟ اور کیا اس عورت پر عدت واجب ہوگی؟

جواب: جی نہیں! اس کا نکاح اس کی مسلمان بیوی سے باقی نہیں رہے گا کیونکہ شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا فوری فسخِ نکاح ہے۔ عورت پر عدت لازم ہے اور عدت شوہر کے مرتد ہونے کے وقت سے شمار ہوگی۔

ابو صباح روایت کرتے ہیں:

قلت لسعيد بن المسيب: كم تعتد امرأته يعني المرتد؟ قال: ثلاثة قروء. قلت: فإن قتل؟ قال: فأربعة أشهر وعشراً. [1]

میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا کہ مرتد شخص کی بیوی کی عدت کتنی

---

(۱) ابن أبی شیبة، المصنف، ۴:۱۵۵، رقم:۱۸۷۹۹

ہے؟ آپ نے فرمایا: تین حیض۔ میں نے کہا: اگر وہ مارا جائے تو کتنی عدت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: چار ماہ دس دن۔

ایک روایت میں امام شعبی اور حکم مرتد شخص کے بارے میں کہتے ہیں:

تعتد ثلاثة قروء إن كانت تحيض، وإن كانت لا تحيض فثلاثة أشهر، وإن كانت حاملا فتضع حملها، ثم تزوج إن شاءت. (۱)

اس کی بیوی اگر حائضہ ہو تو تین حیض عدت ہوگی۔ اگر وہ حائضہ نہ ہو تو تین ماہ عدت ہوگی اور اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ پھر جہاں وہ چاہے شادی کر سکتی ہے۔

سوال 357: احداد یعنی سوگ کسے کہتے ہیں؟

جواب: احداد کا مطلب ہے: سوگ منانا، ترک زینت۔ 'لسان العرب' میں ہے:

والحادُّ والمُحِدُّ من النساء: هی المرأة التي تترک الزينة والطيب بعد زوجها للعدة. (۲)

الحاد اور **المحد** کا معنی ہے کہ وہ عورت جو خاوند کی وفات کے بعد عدت گزرنے تک زینت اور خوشبو چھوڑ دے۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) ابن أبي شيبة، المصنف، ۴:۱۵۵، رقم:۱۸۸۰۰

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۳:۱۴۳

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. قَالَتْ زَيْنَبُ: فَدَخَلْتُ عَلٰى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا، فَدَعَتْ بِطِيبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَتْ: أَمَا وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ، غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.[1]

کسی ایسی عورت کو جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہو، خاوند کے علاوہ مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ خاوند کی وفات پر چار مہینے دس دن سوگ منائے۔ پھر سیدہ زینب، ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائیں جب ان کے بھائی فوت ہوگئے تھے۔ انہوں نے خوشبو منگوا کر استعمال فرمائی اور پھر فرمایا: مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خاوند کے علاوہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ خاوند پر چار مہینے دس دن تک سوگ ہے۔

ابن رشد لکھتے ہیں:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها زوجها أربعة أشهر وعشرا، ۵: ۲۰۴۲، رقم: ۵۰۲۴

أجمع المسلمون على أن الإحداد واجب على النساء الحرائر المسلمات في عدة الوفاة.[1]

مسلمانوں نے اس پر اجماع و اتفاق کیا ہے کہ خاوند کی وفات پر مسلمان آزاد بیویوں پر وفات کی عدت میں سوگ منانا واجب ہے۔

سوال 358: شوہر کے سوا دوسرے اعزاء و اقارب کے سوگ کی مدت کیا ہے؟

جواب: شوہر کے سوا دوسرے اعزاء و اقارب کے سوگ کی مدت تین دن ہے جیسا کہ اُم المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہم نے گزشتہ سوال کے ذیل میں بیان کی ہے۔

(۱) ابن رشد، بدایة المجتہد، ۲:۱۴۰

13

نفقہ کے اَحکام و مسائل

سوال 359: نفقہ کِسے کہتے ہیں؟

جواب: نفقہ کے لغوی معنی 'خرچ' کے ہیں۔[1] اِس سے مراد وہ شے ہے جو انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے یعنی اخراجاتِ اولاد یا بیوی کا خرچ وغیرہ۔ اِصطلاحاً نفقہ سے مراد عورت کے روزمرہ کے اخراجات ہیں جن میں خوراک، لباس اور سکونت شامل ہیں جو مرد کی استطاعتِ معاش کے مطابق اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

ما أنفقت، واستنفقت علی العیال وعلٰی نفسک.[2]

نفقہ سے مراد وہ خرچ ہے جو انسان اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر کرے۔

سوال 360: نفقہ زوجیت کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: نفقہ زوجیت کی تین اقسام ہیں جن میں بالعموم خوارک، لباس اور مسکن یعنی رہائش شامل ہیں، جو مرد کی استطاعتِ معاش کے مطابق اس کے ذمہ ہوتی ہیں۔

---

(۱) لوئیس معلوف، المنجد:۸۲۸

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۳۵۸

سوال 361: شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ نکاح صحیح ہو کیونکہ شوہر پر بیوی کے نفقہ کے واجب ہونے کی ایک شرط نکاح 'صحیح' ہے۔ نکاح فاسد ہونے کی صورت میں بیوی نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔

۲۔ بیوی قابلِ مباشرت ہو یعنی بیوی کے نفقہ کے لیے اصلاً اس کی عمر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ مباشرت کی مشقت کو برداشت کرسکتی ہے یا نہیں۔ اگر برداشت کرسکتی ہے تو نفقہ واجب ہوگا خواہ شوہر نابالغ ہو اور اس سے صحبت پر قادر نہ ہو۔

۳۔ بیوی خود سپردگی پر آمادہ ہو یعنی خود کو خاوند کے اختیار میں دے دے۔ لیکن اگر شوہر اپنی بیوی کو خود اپنے ساتھ نہ رکھے اور بیوی کی طرف سے ساتھ رہنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو اور وہ والدین کے ہاں رہے، تو اس صورت میں بھی شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔

۴۔ اگر مہرِ معجّل ادا نہ کیا گیا ہو یا مہرِ مؤجل ہو یعنی جس کی ادائیگی کی معیاد مقرر ہو اور وہ معیاد پوری ہونے کے باوجود مہر ادا نہ کیا گیا ہو اور اس کے سبب عورت شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو اس کا یہ انکار جائز ہوگا۔ اس سے اس کے حقِ نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا کیونکہ اس کا ذمہ دار مرد خود ہے۔ خواہ اس نے عورت سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، شوہر کو بیوی

کا نفقہ دینا ہوگا۔

۵۔ اِسی طرح اگر عورت شوہر کی بے رحمی یا زیادتی کی وجہ سے اس کے گھر آنے یا اس کے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو اس کے حقِ نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

سوال 362: اِسلام نے معاشرتی لحاظ سے نفقہ کی ادائیگی کے کیا اُصول مقرر کیے ہیں؟

جواب: نان و نفقہ اردو زبان میں مستعمل مرکب لفظ ہے جس کے معنی خرچہ، رہائش اور کھانے پینے کے ہیں۔ اسلام مسلمانوں میں بھائی چارے کے حقوق، ایک دوسرے کے مال پر حقوق کے معاملات، مال دار اور غریب کے درمیان، والدین اور اولاد کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان، معاشرتی، سماجی اور معاشی حقوق کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اسلام نے معاشرتی لحاظ سے نفقہ کی ادائیگی کے جو اُصول مقرر کیے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ معاشرہ کا ہر فرد کمائے اور معاشرتی عضوِ معطل نہ بنے چنانچہ پہلے اپنی ذات پر خرچ کرے۔

۲۔ صاحب استطاعت اولاد اپنے والدین پر خرچ کرے خصوصاً ان والدین پر جو بڑھاپے میں کمانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

۳۔ والدین اپنی کم سن اولاد پر خرچ کریں جب تک کہ وہ جوان نہ ہو جائیں۔

۴۔ رشتہ داروں پر یتیم، مسکین اور غریب قرابت داروں کے حقوق ہیں جبکہ وہ

بے آسرا اور بے سہارا ہوں ایسے رشتہ داروں میں یتیم بیوہ اورمطلقہ عورتیں بھی شامل ہیں۔

۵۔ بیوی یا ملکیت کی عورتوں کا نفقہ یا اُجرت اُن کے متعلقین پر واجب ہے اور متعلقین سے مراد ہے کہ خاوند بیوی کے نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح زوجین ایک دوسرے کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہیں جب کہ امیر عورت اپنے خاوند کو تحفظ فراہم کرسکتی ہے۔

۶۔ ہرشخص کی کمائی پر ان کے زیر دست (عورت یا مرد) یا ساتھی کا نفقہ واجب ہے۔ اسلام نے معاشرتی لحاظ سے تمام صاحبِ استطاعت لوگوں پر ان کے غریب زیردست لوگوں کے نفقہ کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ خاوند، بیوی اور دیگر مجبور و بے کس عورتوں یا مردوں کے نفقہ کی ذمہ داری ڈال کر ایک بڑا معاشرتی کنبہ تشکیل دیا ہے تا کہ معاشرے میں کوئی غریب نہ رہے اور کوئی شخص بے روزگار ہوتے ہوئے ہاتھ پھیلانے پر مجبور نہ ہو۔

۷۔ معاشرتی اور معاشی تعلقات کے ان حقوق و فرائض کی موجودگی میں اگر پھر بھی کوئی مجبور اور نادار رہ جائے تو ایسے نادار افراد کے لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجبور افراد کو معاشرہ کا صحت مند فرد بنانے کے لیے اپنا مؤثر کردار ادا کرے۔

سوال 363: اسلامی معاشرتی احکامات کی رو سے نفقہ کی ادئیگی کے حق دار کون ہیں؟

جواب: اِسلامی معاشرتی احکامات کی رو سے نفقہ کی ادائیگی کے حق دار والدین، رشتہ دار، مساکین اور مسافر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (۱)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط ذٰلِکَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ ز وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (۲)

پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں○

قرآن حکیم میں قرابت داروں کے معاشی حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔

---

(۱) البقرة، ۲:۲۱۵

(۲) الروم، ۳۰:۳۸

ارشاد ہوتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًاۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○[1]

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے○

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اجْعَلْهَا لِفُقَرَاءِ أَقَارِبِكَ.[2]

یہ (باغ) اپنے غریب رشتہ داروں کو دے دو۔

ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا:

یہ باغ اپنے غریب قرابت داروں کو دے دو تو انہوں نے وہ باغ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو دے دیا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے زیادہ قریبی تھے۔[3]

---

(۱) البقرة، ۲:۱۸۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الوصايا، باب اذ وقف أو أوصى لأقاربه، ومن الأقارب، ۳:۱۰۱۱

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الوصايا، باب اذ وقف أو أوصى لأقاربه، ومن ـــــ

سوال 364: عورتوں کا نفقہ واجب ہونے کے اسباب کون سے ہیں؟

جواب: خواتین کو معاشرتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انہیں مردوں کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے مثلاً نابالغ لڑکی کی پرورش اس کے والدین کے ذمہ، نکاح کے بعد عورت اپنے خاوند کی ذمہ داری ہے۔ اس لحاظ سے عورتوں کا نفقہ واجب ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں:

ا۔ زوجیت

پہلا سبب زوجیت ہے۔ زوجیت کے معاملہ میں نفقہ کی ذمہ داری کو عورت کو ساتھ رکھنے یا خاوند کے ساتھ رہنے سے مشروط کیا گیا ہے اور اس صورت میں شوہر بیوی کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہوگا، لیکن اگر عورت اپنے خاوند کے ساتھ نہ رہے تو زوجیت بے معنی ہو جاتی ہے۔

۲۔ قرابت داری

دوسرا سبب قرابت داری اور رشتہ داری کے معاملات ہیں جن میں والدین پر بچوں کی ذمہ داری بطور اولاد اور تحفظ نسب کے لیے واجب ہے، جب کہ جوان اولاد پر ان کے والدین کی بطور فرض خدمت واجب ہے اور صاحبِ استطاعت لوگوں پر دیگر مفلس اور نادار افراد اور رشتہ داروں کی مدد بطور اِحسان اور صدقہ معاشرتی تعلقات کے لیے واجب ہوتی ہے۔

.... الأقارب، ۳: ۱۰۱۱

۳۔ ملکیت

تیسرا سبب ملکیت ہے۔ اور یہ سبب آج کے جدید دور میں ناپید ہے۔

مندرجہ بالا تین اسباب سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری زوجیت میں اس کے شوہر پر، کم سنی سے جوانی تک اس کے والدین پر، بے سہارا عورتوں کی ذمہ داری ان کے والدین، رشتہ داروں، برادری اور حکومت پر ہے۔

سوال 365: مقدارِ نفقہ کا تعین کیسے کیا جائے؟

جواب: مقدارِ نفقہ کے تعین میں شوہر اور زوجہ دونوں کے مرتبے اور حیثیت کو مدِنظر رکھا جائے گا۔ اگر زوجین دونوں غنی ہیں یا دونوں محتاج ہیں تو ان کے تقررِ نفقہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں یعنی اگر غنی ہیں تو امیرانہ نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر محتاج ہیں تو اس حیثیت کے مطابق ہوگا۔ لیکن اگر اُن میں سے ایک خوش حال اور دوسرا فریق تنگ دست ہے تو اس صورت میں بیوی کا نفقہ دونوں کی حیثیت کے پیش نظر مقرر کیا جائے گا یعنی اوسط درجے کا نفقہ متعین ہوگا۔ اگر خاوند خوش حال ہے اور بیوی غریب ہے تو بیوی کا نفقہ اس کی حیثیت سے زیادہ اور خاوند کی حیثیت سے کم ہوگا۔ اس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اگر بیوی مال دار ہے اور خاوند تنگ دست ہونے کی بنا پر اپنی حیثیت سے زیادہ نفقہ دینے سے عاجز ہے تو اس صورت میں خاوند کو اوسط درجہ کا نفقہ دینا واجب ہوگا۔

سوال 366: نفقہ جنس کی صورت میں دیا جائے گا یا نقدی کی صورت میں؟

جواب: نفقہ جنس یا نقدی دونوں صورتوں میں دینا جائز ہے۔ اس کا تعین ضرورت اور حالات کے مطابق ہوگا۔ اگر عورت چاہے کہ اناج، لباس اور برتن وغیرہ کی شکل میں نفقہ مقرر کیا جائے تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اگر بیوی کی بھلائی رقم دینے کی صورت میں ہو تو اس شہر میں اشیاء کے نرخ یعنی قیمتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے رقم کی صورت میں نفقہ مقرر کیا جائے گا۔ پھر یہ بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ زوجین کی عادت اور عام رواج کیا ہے اور کس قسم کی اشیاء بیوی کو مطلوب ہیں۔ ایک مخصوص رقم نفقہ کے لیے مقرر کر دینا کہ اس میں اضافہ کی گنجائش نہ ہو، قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں؛ پھر یہ کہ نفقہ روزانہ، ماہانہ، سالانہ جس طرح بھی استعمال کرنا ہو ضرورت کے مطابق ادا کیا جائے گا۔ اگر شوہر تنخواہ دار ہے جسے ماہانہ اعزازیہ ملتا ہے تو وہ بیوی کو بھی ماہانہ خرچ دے گا۔ اگر خاوند کو ہفتہ وار اجرت ملتی ہے تو نفقہ بھی ہفتہ وار دے گا۔ اگر خاوند زراعت پیشہ ہے جسے سالانہ پیداوار حاصل ہوتی ہے تو بیوی کو بھی سالانہ نفقہ ملے گا۔

سوال 367: کن صورتوں میں نفقہ ساقط ہو جاتا ہے؟

جواب: درج ذیل صورتوں میں نفقہ ساقط ہو جاتا ہے:

۱۔ مرتدہ یعنی دین اسلام سے پھر گئی ہو۔

۲۔ خاوند کے بیٹے یا اس کے باپ سے جنسی میلان رکھنے والی یا نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسی حرکت کی مرتکب ہوئی ہو جس سے حرمتِ

مصاہرت عائد ہوجائے۔

۳۔ شوہر کے وفات پانے کی صورت میں عدت گزارنے والی بیوہ۔

۴۔ وہ عورت جس کے ساتھ عقد فاسد یا شبہ میں مباشرت ہوگئی ہو۔

۵۔ نابالغ لڑکی جو مباشرت کے قابل نہ ہو۔

۶۔ مریضہ عورت جو خلوتِ صحیحہ سے پہلے بیمار ہوگئی ہو۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور ابھی اس کے ساتھ مباشرت نہ ہوئی تھی کہ وہ بیمار ہوگئی اور اسے خاوند کے گھر نہیں لایا جاسکا اور اس حالت میں وہ اپنے آپ کو خاوند کے حوالے نہیں کرسکتی تھی تو اس صورت میں نفقہ ساقط ہوگا؛ لیکن اگر خاوند کے گھر میں آ کر شدید مرض میں مبتلا ہوگئی تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

۷۔ حاجیہ قصدِ حج کرنے والی یعنی وہ عورت جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے کسی محرم کے ساتھ خاوند کی اجازت کے بغیر حج کو روانہ ہوئی ہو۔ اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہیں ہے۔

سوال 368: عورت کے نفقہ کا تعلق نکاح سے ہے یا رخصتی سے؟

جواب: عورت کے نان و نفقہ کا تعلق رخصتی سے ہے، نکاح سے نہیں کیونکہ نان و نفقہ کی ادائیگی مرد کے ساتھ قیام کرنے اور اچھے سلوک کے ساتھ منسلک ہے۔ اس لیے عورت کے نان و نفقہ کا تعلق رخصتی اور شوہر کے ساتھ رہنے سے ہے۔

سوال 369: طلاق کی عدت کی صورت میں کیا بیوی نفقہ کی حق دار ہوگی؟

جواب: جی ہاں! طلاق خواہ رجعی ہو یا بائن دورانِ عدت اس عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہوگا جب تک کہ عدت ختم نہ ہوجائے کیونکہ عورت طلاقِ رجعی کی صورت میں مرد کے نکاح میں رہتی ہے، مرد جب چاہے اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ وہ اس کے نکاح سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہوئی، اس لیے مرد پر نفقہ واجب ہوتا ہے۔ نیز طلاقِ ثلاثہ کی صورت میں اگرچہ زوجہ اس مرد کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے لیکن دورانِ عدت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، اس بناء پر نفقہ کا وجوب باقی رہتا ہے۔

سوال 370: شوہر کی وفات کی عدت میں کیا عورت نفقہ کی حق دار ہے؟

جواب: جی نہیں! شوہر کی وفات کی عدت میں عورت نفقہ کی حق دار نہیں ہے لیکن اگر بیوہ حاملہ ہے تو وضعِ حمل تک نفقہ واجب ہوگا۔

سوال 371: حضور نبی اکرم ﷺ نے بیوہ کی کفالت کے سلسلہ میں کیا فرمایا؟

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیوہ کی کفالت کے سلسلہ میں فرمایا:

اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ.

وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ. (1)

---

(۱) ا۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل، ۵:۲۰۴۷، رقم:۵۰۳۸

بیوہ عورت اور مسکین کے (کاموں) کے لیے کوشش کرنے والا راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

(راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اُس قیام کرنے والے کی طرح ہے جو تھکتا نہیں اور اُس روزہ دار کی طرح ہے جو مسلسل روزے رکھتا ہے۔

سوال 372: کیا بیوی نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے جبکہ شوہر موجود نہ ہو؟

جواب: جی ہاں: اگر شوہر موجود نہ ہو تو بیوی شوہر کے نام پر قرض لے کر اپنا نفقہ مہیا کرسکتی ہے اور قرض خواہ اس کے شوہر سے وصول کرے گا بشرطیکہ نفقہ عدالت کی طرف سے مقرر کردہ ہو۔

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة، ۵:۲۲۳۷، رقم:۵۶۶۰

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزہد والرقائق، باب الإحسان إلى الأرملة والمسکین والیتیم، ۴:۲۲۸۶، رقم:۲۹۸۲

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۶۱، رقم:۸۷۱۷

۵۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في السعي على الأرملة والیتیم، ۴:۳۴۶، رقم:۱۹۶۹

۶۔ نسائي، السنن، کتاب الزکاة، باب فضل الساعي على الأرملة، ۵:۸۶، رقم:۲۵۷۷

۷۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارة، باب الحث على المکاسب، ۲:۷۲۴

سوال 373: مال ہوتے ہوئے شوہر بیوی کے نفقہ کی ادائیگی میں کنجوسی کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب: بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہے۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ نفقہ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ جیسا مرد کھائے ویسا ہی اپنی بیوی اور بچوں کو کھلائے۔ حضرت حکیم بن معاویہ ﷺ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ عورت کا خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنْ یُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمَ، وَأَنْ یَکْسُوَهَا إِذَا اکْتَسٰی، وَلَا یَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا یُقَبِّحْ، وَلَا یَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَیْتِ.(۱)

جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے۔ اس کے منہ پر نہ مارے، اسے برا نہ کہے اور گھر کے علاوہ تنہا کہیں نہ چھوڑے۔

حضرت ابو سفیان ﷺ کی بیوی ہند بنت عتبہ کی طرف سے اپنے خاوند کی کنجوسی کی شکایت کرنے پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب النکاح، باب فی حق المرأة علی زوجها، ۲:۲۱۲، رقم: ۲۱۴۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب حق المرأة علی الزوج، ۲:۴۱۷، رقم: ۱۸۵۰

خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ.[1]

تو (ابوسفیان کے مال سے) اِتنا لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کے لیے باعزت طور پر کافی ہو۔

معلوم ہوا کہ بیوی پر خرچ کرنے میں تنگی و کنجوسی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اِستطاعت کے مطابق بہتر اَسباب پیدا کرنے چاہییں۔

سوال 374: شوہر اگر بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو کیا کیا جائے؟

جواب: شوہر اگر بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو اسے خاندانی اثر و رسوخ کے ذریعے اس فرض کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا۔ پھر بھی نہ مانے تو عدالت کے ذریعے اس کا نفقہ مقرر کر کے دلوایا جائے گا۔

سوال 375: کیا بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لیے کسی ضامن کا مطالبہ کرے؟

جواب: جی ہاں! بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر شوہر بیوی سے ایک ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے دور رہے تو وہ خاوند کی غیر موجودگی کی پوری مدت کے لیے کسی کو ضامن بنانے کا مطالبہ کرے۔ اگر زوجین ضامن بنانے پر راضی ہوجائیں۔ معینہ عرصہ تک وہ ضامن نفقہ کا ذمہ دار ہوگا بشرطیکہ مقدارِ نفقہ جس کا وہ شخص ضامن ہوگا کا تعین کردیا جائے۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب النفقات، باب اذا لم ینفق الرجل، فللمرأة أن تأخذ بغیر علمه ما یکفیها وولدها بالمعروف، ۵:۲۰۵۲، رقم:۵۰۴۹

سوال 376: اپنی بیویوں کے نان و نفقہ کا انتظام کیے بغیر دعوتی، تبلیغی، تنظیمی یا جہادی اُمور کے لیے چلے جاتے ہیں، اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اسلام میں بیوی کے نان و نفقہ کی ذمہ داری چونکہ مرد پر عائد ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ جہاد، تبلیغ یا کسی بھی دینی یا دنیوی امور کی انجام دہی کی خاطر گھر سے دور جانے سے قبل بیوی کے نان و نفقہ کا مکمل انتظام و انصرام کر کے جائے۔

شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خرچ دے خواہ اس کے ساتھ رہے یا سفر پر چلا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے امیروں کے نام یہ حکم نافذ کیا:

> فلاں اور فلاں شخص کو بلاؤ، یعنی بعض ایسے لوگوں کے نام لکھے جو مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پھر انہیں حکم دیا کہ یا تو اپنی بیویوں کے پاس واپس آ جائیں یا ان کا نفقہ بھیج دیں اور یا انہیں طلاق دے دیں اور گزشتہ مدت کا نفقہ بھی ساتھ بھیج دیں۔[1]

سوال 377: شوہر اگر بیوی کو سود کی رقم خرچ کرنے کے لیے دے تو وبال کس پر ہو گا؟

جواب: سود کی رقم کا وبال یقیناً شوہر پر ہوگا، عورت پر نہیں۔ عورت کو چاہیے کہ وہ رقم لینے سے انکار کر دے اور کہے کہ وہ محنت کر کے کھا لے گی مگر حرام نہیں کھائے گی۔

(۱) ابنِ حزم، المحلی، ۱۰:۹۳-۹۴

سوال 378: کیا شوہر کی چیز بیوی بغیر اس کی اجازت کے بیچ سکتی ہے؟

جواب: جی نہیں! شوہر کی کوئی بھی چیز جو اس کی ذاتی ملکیت میں ہے، بیوی اُس کی اجازت کے بغیر بیچ نہیں سکتی کیونکہ وہ شوہر کی ملکیت ہے۔ لہٰذا اسے فروخت کیا جانا درست نہیں ہے۔

سوال 379: اگر بیوی اپنے شوہر کے گھر رہنے سے انکار کر دے تو کیا وہ تب بھی نفقہ کی حق دار ہے؟

جواب: بیوی نافرمان ہونے کے سبب نفقہ کے حق سے محروم ہو جاتی ہے یعنی وہ شوہر کی اجازت کے بغیر یا کسی جائز وجہ کے بغیر شوہر کے گھر سے نکل جائے یا گھر میں رہنے سے انکار کرے تو وہ نفقہ کی حق دار نہ رہے گی۔

سوال 380: اگر بیوی کو جان کا خوف ہے تو کیا وہ اپنے شوہر سے علیحدہ رہ کر نان ونفقہ لے سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر بیوی کو جان کا خوف ہے اور وہ اپنے شوہر سے علیحدہ دوسرے گھر میں رہتی ہے تو وہ نافرمان نہیں ہے، اس صورت میں شوہر پر اس کا نان و نفقہ واجب ہوگا۔

سوال 381: بیوی کی غیر اخلاقی حرکت کی بنا پر شوہر نے طلاق دیے بغیر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی تو کیا اس صورت میں شوہر پر مہر اور نفقہ لازم ہے؟

جواب: بیوی کی غیر اخلاقی حرکت کی بناء پر اگر شوہر نے طلاق دیے بغیر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہو تو پھر بھی شوہر کے ذمہ مہر اور نفقہ دینا لازم ہوگا کیونکہ خلوتِ صحیحہ کے بعد مہر ادا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

سوال 382: خاوند کی تنخواہ پر بیوی کا حق ہے یا نہیں؟

جواب: خاوند کی تنخواہ اس کی ملکیت ہے۔ خاوند کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ ہر حال میں واجب ہے خواہ بیوی مال دار ہو یا غریب۔ لہٰذا خاوند کو چاہیے کہ بیوی کو جس شے کی ضرورت ہو لا کر دے یا منگوا کر دے۔ اگر خاوند بیوی کی ضروریات پوری نہیں کرتا تو بیوی خاوند کی تنخواہ یا اس کے مال سے لے کر خرچ کرسکتی ہے۔

سوال 383: بیوی اگر اپنی رقم سے کاروبار کرے تو اس کا شوہر، اس کی دوسری بیوی اور دوسری بیوی کی اولاد اس میں حق دار ہیں یا نہیں؟

جواب: جی نہیں! بیوی اگر اپنی رقم سے کاروبار کرے تو اس کا شوہر، اس کی دوسری بیوی اور اس کی اولاد اس میں حق دار نہیں ہیں بلکہ یہ اس بیوی کا حق ہے جو اپنی محنت سے کماتی ہے۔

سوال 384: اگر مرد اپنی ایک یا ایک سے زائد بیویوں کے درمیان انصاف سے نان ونفقہ کی ادائیگی میں ناکام ہو جائے تو بیویوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: نان ونفقہ کی تقرری کے لیے پاکستان کے مسلم فیملی لاء آرڈیننس مجریہ 1961ء کی کی دفعہ 9 ہمراہ ثالثی کورٹس آرڈیننس 1961ء میں قرار دیا گیا ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو ذمہ داری سے نان ونفقہ کی ادائیگی نہ کرسکے یا ایک سے زائد بیویوں کے درمیان انصاف سے نان ونفقہ کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہے، تو اس کی بیوی یا بیویاں (جیسی بھی صورت ہو) قانونی امداد کے لیے علاقے کی یونین کونسل کے چیئرمین کو درخواست دیں گی، جس پر ثالثی کونسل قائم کی جائے گی جو خاوند کے خلاف نان ونفقہ کی رقم کا تعین کرتے ہوئے سرٹیفکیٹ جاری کرے گی۔ اس کی ادائیگی خاوند کے ذمہ ہوگی۔ البتہ ثالثی کونسل کے فیصلے کے خلاف خاوند یا بیوی کی طرف سے قانونی میعاد کے اندر کلکٹر علاقہ کے پاس نگرانی دائر کی جاسکتی ہے جس کا فیصلہ حتمی ہوگا اور کسی عدالت میں نظر ثانی نہ ہوسکے گا۔ فیصلہ کے تحت مقررہ رقم کی ادائیگی بذریعہ لینڈ ریونیو حاصل کی جاسکے گی۔

سوال 385: بچوں کی پیدائش کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یا بیوی کے والدین پر؟

جواب: بچوں کی پیدائش کا خرچ بیوی کے والدین پر نہیں بلکہ شوہر کے ذمہ ہے۔

سوال 386: والدین کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

جواب: والدین اگر مال کے مالک ہیں تو اپنے مال سے اپنے اوپر خرچ کریں گے خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے۔ اس میں سب داخل ہیں سوائے بیوی کے کیونکہ بیوی کا خرچ خاوند پر لازم ہے اگرچہ وہ مال دار ہو۔ اگر والدین غریب ہوں یا ان میں ایک غریب ہو تو ان کا خرچ اولاد کے ذمے ہے، بیٹے کے ساتھ اس خرچ میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا۔ جس طرح والدین کا خرچہ لازم ہے اسی طرح غریب دادا اور دادی کا خرچہ بھی لازم ہے۔

سوال 387: کیا والدین اور اولاد کے علاوہ بھی کسی رشتہ دار کا نفقہ لازم ہے؟

جواب: ہر ذی رحم کا خرچہ ان کی میراث کے مطابق واجب ہے جبکہ نابالغ ہوں اور غریب ہوں یا عورت اگرچہ بالغہ ہو لیکن غریب ہو، مرد اگر بالغ ہو لیکن مریض ہو یا نابینا ہو یا فقیر ہو۔

14

حضانت کے اَحکام و مسائل

سوال 388: حضانت یعنی 'پرورش کا حق' سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضانت یعنی 'پرورش کا حق' سے مراد بچے کی پرورش کرنا، گود میں لینا، سینے سے لگانا وغیرہ ہے، جبکہ حضانت کے لغوی معنی تربیت کے ہیں۔ شرعی اِصطلاح میں ماں یا کسی شرعی مستحق کے چھوٹے بچے کی پرورش کرنے کو حضانت کہتے ہیں یعنی بچے کی تربیت اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے اس کی نگرانی حضانت کہلاتی ہے۔

سوال 389: بچے کی حضانت کا حق کس کو حاصل ہے؟

جواب: تمام رشتوں میں سب سے زیادہ حقِ حضانت ماں کو حاصل ہے خواہ وہ عورت زوجیت میں ہو یا طلاق یافتہ ہو کیونکہ زوجین میں علیحدگی ہوجانے کی صورت میں بھی بچے کی پرورش کا حق ماں ہی کو ہے۔ ماں کو بچہ کی پرورش کا حق حاصل ہونے کے بارے میں قرآن حکیم میں کوئی آیت ظاہر نص کے طور پر تو موجود نہیں مگر اِقتضاء النص کے طور پر فقہاء کرام کے نزدیک یہ آیتِ رضاعت ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ.[1]

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس

---

(۱) البقرۃ، ۲:۲۳۳

کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیے۔

اس سے ثابت کیا ہے کہ صغر سنی میں بچہ کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔ فقہاء کرام نے مذکورہ آیت مبارکہ کے ساتھ ساتھ درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بچے کی حضانت کا حق اس کی ماں کو عطا کیا ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے طریق سے روایت کرتے ہیں:

إِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ ابْنِي هٰذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي. فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي. (۱)

ایک عورت عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ میرا پیٹ اِس کا برتن تھا، میری چھاتی اس کا مشکیزہ تھی اور میری گود اس کی رہائش گاہ تھی۔ اِس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اَب وہ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا: تم اس بچے کی زیادہ حق دار ہو جب تک تم (کسی اور سے) نکاح نہ کرلو۔

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۴۶، رقم:۶۷۰۷

۲۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب من أحق بالولد، ۲:۲۶۳، رقم: ۲۲۷۶

۳۔ حاکم، المستدرک، ۲:۲۲۵، رقم:۲۸۳۰

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۷:۱۵۳، رقم:۱۲۵۹۶

امام مرغینانیؒ کہتے ہیں:

لِأَنَّ الْأُمَّ أَشْفَقُ وَأَقْدَرُ عَلَى الْحَضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرَ، وَإِلَيْهِ أَشَارَ الصِّدِّيقُ ﷺ بِقَوْلِهِ: رِيْقُهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ. (۱)

اس لیے کہ ماں بچے کے حق میں سب سے زیادہ شفیق ہوتی ہے اور نگرانی اور حفاظت پر مرد کی نسبت زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے بچے کو ماں کے سپرد کرنا زیادہ مفید ہے۔ اسی شفقت کی طرف حضرت صدیق اکبر ﷺ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ اے عمر! بچے کی ماں کا لعابِ دہن بچے کے حق میں تمہارے شہد سے بھی زیادہ شیریں ہوگا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ لَا يَعْقِلُ كَانَتِ الْأُمُّ أَوْلٰى بِهِ عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ حَقٌّ لِلْوَلَدِ لَا لِأَبَوَيْنِ، لِأَنَّ الْأُمَّ أَحْنٰى عَلَيْهِ وَأَرَقُّ مِنَ الْأَبِ. (۲)

پس جب بچہ ناسمجھ ہو تو ماں اس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے اس لیے کہ یہ بچے کا حق ہے، والدین کا نہیں۔ کیونکہ والدہ بچے کے حق میں باپ کی نسبت زیادہ نرم دل اور رقیق ہوتی ہے (لہٰذا ماں بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے)۔

---

(۱) مرغيناني، الهداية، ۲:۳۷

(۲) شافعي، الأم، ۸:۲۳۵

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

الْأُمُّ أَحَقُّ بِكَفَالَةِ الطِّفْلِ وَالْمَعْتُوهِ إِذَا طَلُقَتْ ...... وَلِأَنَّهَا أَقْرَبُ إِلَيْهِ وَأَشْفَقُ عَلَيْهِ وَلَا يُشَارِكُهَا فِي الْقُرْبِ إِلَّا أَبُوهُ، وَلَيْسَ لَهُ مِثْلُ شَفَقَتِهَا، وَلَا يَتَوَلَّى الْحَضَانَةَ بِنَفْسِهِ، وَإِنَّمَا يَدْفَعُهُ إِلَى امْرَأَتِهِ وَأُمُّهُ أَوْلٰى بِهِ مِنِ امْرَأَةِ أَبِيهِ.(۱)

بچے اور عدیم العقل کی پرورش کی ماں زیادہ حق دار ہوتی ہے جبکہ اُسے طلاق دے دی گئی ہو ...... کیونکہ بچے سے زیادہ قریب اور زیادہ شفقت رکھنے والی ماں ہوا کرتی ہے۔ اگرچہ اس قرب و شفقت میں باپ کے علاوہ اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوسکتا مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ باپ بھی ماں جیسی شفقت نہیں دے سکتا کیونکہ بذاتِ خود بچے کی حضانت (یعنی حفاظت و نگہداشت) نہیں کیا کرتا، وہ یہ کام اپنی بیوی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسی طرح نانی، دادی کی نسبت شفقت دینے میں بہتر ثابت ہوتی ہے۔

امام ابن قدامہ مزید لکھتے ہیں:

وَالْحَضَانَةُ إِنَّمَا تَثْبُتُ لِحَظِّ الْوَلَدِ، فَلَا تُشْرَعُ عَلٰى وَجْهٍ يَكُوْنُ فِيْهِ هَلَاكُهُ وَهَلَاكُ دِيْنِهٖ.(۲)

اور حضانت بچے کی فلاح و بہبود کے پیشِ نظر مقرر کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ کسی

(۱) ابن قدامة، المغني، ۷:۶۱۳-۶۱۴

(۲) ابن قدامة، المغني، ۸:۱۹۰

ایسے طریقے پر درست نہ ہوگی جس سے بچے کی ذات اور دین کے ضائع ہونے (یا اُنہیں نقصان پہنچنے) کا اندیشہ ہو۔

ابن ہمام بیان کرتے ہیں:

ولا تجبر علیه أی علی أخذ الولد اذا أبت أولم تطلب الا أن لا یکون لاولد ذو رحم محرم سوی الام علی خضانته کیلا یغوث حق الولد أصلا. (۱)

اگر ماں بچہ لینے سے انکار کر دے یا مطالبہ نہ کرے تو اس پر جبر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر بچے کا ماں کے سوا کوئی ذی رحم محرم نہیں، تو اس وقت ماں کو بچے کی پرورش پر مجبور کیا جائے گا تاکہ بچے کا حق بالکل ختم نہ ہو جائے۔

سوال 390: ماں کب تک بچوں کی پرورش کا حق رکھتی ہے؟

جواب: بچوں کی پرورش کا حق ماں کے لیے ہے اور وہ اس وقت تک اسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے جب تک کہ بچے کو کھانے، پینے اور رفع حاجت کے لیے ماں کی ضرورت پڑے اور اس کی مدت لڑکے کے لیے سات برس اور بچی کے لیے نو برس ہے یا حیض آنے تک۔ اگر خدانخواستہ ماں مرتد ہوجائے یا بدکردار ہو، جس سے بچہ کی حفاظت ممکن نہ رہے تو اس صورت میں والدہ کا حقِ پرورش باطل ہوجاتا ہے۔

(۱) ابن ہمام، فتح القدیر، ۴:۱۸۴

سوال 391: بچوں کی پرورش کا خرچ کس کے ذمہ ہے اور اس کی مدت کیا ہے؟

جواب: بچوں کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے۔ باپ کی وفات کی صورت میں اگر بچوں کا مال موجود ہے تو اس میں سے خرچ کیا جائے گا اور اگر مال موجود نہیں یعنی باپ نے وراثت میں کچھ نہیں چھوڑا تو ذمہ داری ماں پر ہوگی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے ذمہ نفقہ ہے اس کے ذمہ پرورش کا خرچ بھی ہے اور لڑکے کے لیے سات سال اور لڑکی کے لیے بلوغت تک خرچ دیا جائے گا۔

سوال 392: اولاد میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں کیا باپ پر ان کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

جواب: اولاد میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں باپ پر ان کے نفقہ کی ذمہ داری درج ذیل صورتوں میں عائد ہوتی ہے:

۱۔ بیٹا محتاج ہو جس کا کوئی مال نہ ہو۔

۲۔ عمرِ بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔

۳۔ اگر بالغ ہے اور کسی ایسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہے جو اُسے روزی کمانے سے مانع ہو تو اُسے لازم ہے کہ کمائے اور اپنے اوپر خرچ کرے۔ بصورتِ دیگر اس کا نفقہ باپ کے ذمہ رہے گا۔

۴۔ علاوہ ازیں اگر بیٹا تعلیم حاصل کر رہا ہے تو اس صورت میں اس کا نفقہ

باپ پر واجب ہوگا اگرچہ لڑکا بالغ ہوگیا ہو۔

۵۔ بیٹی خواہ نابالغ ہے یا بالغ اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔

۶۔ بیٹی اگر محتاج ہے تو نفقہ باپ پر واجب ہوگا، لیکن اگر مال کی مالک ہے تو اس کے مال سے اس پر خرچ کرنا واجب ہے۔

سوال 393: مطلقہ عورت کے بچوں کی پرورش اور نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

جواب: مطلقہ عورت کے بچوں کی پرورش ماں کے ذمہ ہے جب کہ نفقہ کی ذمہ داری باپ کی ہے۔[1]

سوال 394: باپ فوت ہو جانے کی صورت میں نا بالغ اولاد کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

جواب: باپ فوت ہو جانے کی صورت میں نابالغ اولاد کا نفقہ ماں کے ذمہ ہے۔ ماں کو دوسرے اقرباء سے زیادہ حق دار قرار دیا گیا ہے۔ نیز اولاد کی کفالت اس وقت تک ہے جب تک وہ خود محنت کر کے کما نہ سکیں۔

سوال 395: طلاق کے بعد بچہ یا بچی ماں کے پاس کتنا عرصہ رہ سکتے ہیں؟

جواب: طلاق کے بعد بچہ یا بچی ماں کے پاس اُس وقت تک رہ سکتے ہیں جب تک وہ بچوں کے کسی نامحرم سے نکاح نہ کرے۔

---

(۱) ابن ہمام، فتح القدیر، ۴: ۱۸۴-۱۸۵

سوال 396: اگر باپ یہ سمجھے کہ ماں بچوں کی پرورش ٹھیک طریقے سے نہیں کر رہی تو اس صورت میں کیا باپ بچوں کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟

جواب: پرورش کا حق بچوں کی ماں کو ہے لیکن اگر باپ یہ سمجھے کہ ماں بچوں کی پرورش ٹھیک طریقے سے نہیں کر رہی اور بچے اخلاقی لحاظ سے بگاڑ کا شکار ہو رہے ہیں تو اس صورت میں باپ بچوں کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

سوال 397: کیا حضانت یعنی پرورشِ اولاد کا معاوضہ لینا جائز ہے؟

جواب: اگر بچوں کی ماں ان کے باپ کی بیوی ہے یا طلاق کی وجہ سے عدت میں ہے تو اس صورت میں اولاد کی پرورش کا معاوضہ نہیں لے گی کیونکہ پرورش کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے۔ لیکن اگر طلاق یافتہ ہے اور عدت گزار چکی ہے تو اس صورت میں پرورشِ اولاد کا معاوضہ وہ بچوں کے باپ سے لے گی اور یہ معاوضہ لینا جائز ہے۔

سوال 398: بیوہ کا شوہر ایک مکان چھوڑ گیا ہے تو کیا بیوہ مکان فروخت کر کے یا کرایہ پر دے کر اپنا گزارہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: بیوہ اپنا مکان فروخت کر کے یا کرایہ پر دے کر اپنا گزر اوقات کر سکتی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر مکان ایک ہی ہے تو پھر فروخت کرے نہ کرایہ پر دے۔

سوال 399: ماں کے بعد بچوں کی پرورش کا حق نانی کو ہے یا دادی کو؟

جواب: ماں کے بعد بچوں کی پرورش کا حق نانی کو ہے۔ حضرت مسروق سے مروی

ہے:

إِنَّ عُمَرَ ﷺ طَلَّقَ أُمَّ عَاصِمٍ فَكَانَ فِي حِجْرِ جَدَّتِهِ، فَخَاصَمَتْهُ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ ﷺ فَقَضٰى أَنْ يَكُوْنَ الْوَلَدُ مَعَ جَدَّتِهِ، وَالنَّفَقَةُ عَلٰى عُمَرَ ﷺ، وَقَالَ: هِيَ أَحَقُّ بِهِ.(۱)

حضرت عمر ﷺ نے ایک انصاری عورت اُم عاصم کو طلاق دی جبکہ عاصم اپنی نانی کے زیرِ پرورش تھا۔ اُس کی نانی نے حضرت ابو بکر ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ لڑکا اپنی نانی کے پاس رہے گا اور عمر کو اس کے لیے نفقہ دینا ہو گا۔ اور کہا: یہ نانی اس بچہ کی (پرورش کرنے کی) زیادہ حق دار ہے۔

اگر نانی نہیں ہے تو نانی کی ماں کو اور اگر نانی کی ماں بھی نہیں تو پھر دادی کو بچوں کی پرورش کا حق حاصل ہے۔

سوال ۴۰۰: نانی اور دادی کے بعد پرورش کا حق کس کو ہے؟

جواب: نانی اور دادی کے بعد پرورش کا حق ماں کی سگی بہن، پھر اخیافی (ماں شریکی) بہن، پھر سوتیلی بہن اور پھر حقیقی بہن کی بیٹی کو ہے۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے بعد نکلے تو حضرت حمزہ کی بیٹی نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور آواز دی: اے چچا! اے چچا! پس حضرت علی ﷺ نے اس

---

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۷:۱۵۵، رقم:۱۲۶۰۲

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸:۵، رقم:۱۵۵۴۴

بچی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنے چچا کی بیٹی کو لو۔ چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُسے اُٹھا لیا۔ اس بارے میں حضرت زید، علی اور جعفر رضی اللہ عنہم کے مابین تنازعہ ہوگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے لے لیا ہے کیونکہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے جبکہ حضرت زید نے کہا کہ وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا:

اَلْخَالَةُ بِمُنْزِلَةِ الْأُمِّ.[1]

خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔

سوال 401: خالہ اور چچا میں پرورش کا حق کس کو ہے؟

جواب: خالہ کو پرورش کا حق حاصل ہے جبکہ نکاح کے لیے بطور ولی اس کا چچا ہوگا۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب کیف یکتب ہذا ما صالح فلان بن فلان و ان لم یتسبه الی قبیلة اول نسبه، ۲:۹۶۰، رقم:۲۵۵۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی باب عمرة القضاء، ۴:۱۵۵۱، رقم:۴۰۰۵

۳۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق ، باب من أحق بالولد، ۲:۲۸۴، رقم:۲۲۸۰

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵:۱۲۷، ۱۶۸، رقم:۸۴۵۶، ۸۵۷۸

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸:۵،۶

۶۔ مقدسی، الأحادیث المختاره، ۲:۳۹۲،۳۹۳، رقم:۷۷۹

سوال 402: باپ اپنی اولاد کی پرورش کا خرچ دیتا ہے لیکن اس کو اپنی اولاد سے ملنے کی اجازت نہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: باپ اپنی اولاد سے جب چاہے مل سکتا ہے، اسے نہ ملنے دینا ظلم ہے۔ اگر یہ خدشہ لاحق ہو کہ باپ اولاد کو چھین لے گا یا لے جائے گا تو اس کا قانونی حل تلاش کیا جائے۔ لیکن جہاں تک ملنے کا تعلق ہے تو اسے ملنے کا حق حاصل ہے۔

15

وراثت کے اَحکام و مسائل

سوال 403: وراثت کسے کہتے ہیں؟

جواب: وراثت ایک غیر اِختیاری اِنتقالِ ملکیت ہے، جس کے ذریعے ایک فوت شدہ کا ترکہ اس کے ورثاء کے حق میں بطریقِ خلافتِ جانشینی منتقل ہو جاتا ہے۔

سوال 404: اَرکانِ وراثت کتنے ہیں؟

جواب: اَرکانِ وراثت تین ہیں:

۱۔ مورث (یعنی وراثت کا مالک)

۲۔ وارث

۳۔ ترکہ

سوال 405: موجباتِ وراثت کتنے ہیں؟

جواب: موجباتِ وراثت دو ہیں کہ جن سے وراثت واجب ہوتی ہے:

۱۔ نسب

۲۔ زوجیت

سوال 406: میراث کی تقسیم کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب: میراث کی تقسیم کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ مرنے والے نے وفات کے وقت

جو بھی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد چھوڑی، سب سے پہلے اس کل مال سے میت کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔ دوسرے اس پر اگر کسی کا قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے گا۔ پھر متوفی کی اگر کوئی وصیت ہے تو اسے پورا کیا جائے گا بشرطیکہ کل ترکہ کے ثلث یعنی ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔ پھر جو مال بچ گیا وہ میت کے ورثاء میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیوی (بیوہ) کو آٹھواں حصہ، بیٹوں کو دو تہائی اور بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

سوال 407: کیا جہیز وراثت کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟

جواب: جی نہیں! جہیز وراثت کے قائم مقام نہیں ہوسکتا کیونکہ لڑکیوں کو جہیز تو والد کی زندگی میں دیا جاتا ہے جبکہ وراثت کے حصہ کا تعلق والد مرحوم کی وفات سے ہے۔ سو جو چیز والد کی وفات سے حاصل ہوگی اس کی کٹوتی والد کی زندگی میں کیسے ممکن ہوسکتی ہے۔

جہیز وراثت کے قائم مقام نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وراثت یا ترکہ کا حصہ تو متعین ہوتا ہے کہ کل جائیداد اتنی مالیت کی ہے اوراس میں فلاں وارث کا اتنا حصہ ہے لیکن جہیز کی مالیت تو متعین نہیں ہوتی بلکہ والدین حسبِ توفیق دیا کرتے ہیں۔

سوال 408: بیوی کا شوہر کی وراثت میں کتنا حصہ ہے؟

جواب: اگر اولاد بھی ہے اور بیوہ بھی تو مرنے والے کی جائیداد میں سے آٹھواں حصہ بیوہ کا ہے اور باقی اولاد کا اور اگر مرنے والی کی اولاد نہ ہو تو بیوہ کا چوتھا حصہ

ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ.[1]

اور تمہاری بیویوں کا تمہارے چھوڑے ہوئے (مال) میں سے چوتھا حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے تمہاری اس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا (تمہارے) قرض کی ادائیگی کے بعد۔

سوال 409: کیا بیوی کے لیے شوہر کی جائیداد بچت سکیم میں جمع کروانا جائز ہے؟

جواب: اگر شوہر اپنی جائیداد بیوی کے حوالے کر دے یا پھر شوہر کی وفات ہو جائے تو اس میں سے بیوی اپنا حصہ غیر سودی اکاؤنٹ، ادارے یا سکیم میں جمع کروا سکتی ہے۔

سوال 410: مرحوم کا ترکہ دو بیویوں میں کیسے تقسیم ہوگا؟

جواب: مرحوم کے کل ترکے کا آٹھواں یا چوتھا حصہ دونوں بیویوں میں مساوی (برابر) تقسیم ہوگا، یعنی اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔

---

(۱) النساء، ۴:۱۲

سوال 411: مرحومہ کا جہیز اور حق مہر وارثوں میں کیسے تقسیم ہوگا؟

جواب: مرحومہ کا جہیز، حق مہر اور جائیداد و زیورات وغیرہ سب ترکہ میں شامل ہیں۔ مرحومہ کے ورثا اس کے حق دار ہوں گے اور ورثاء میں شوہر، والد اور والدہ شامل ہوں گے۔ اگر اولاد ہے تو اولاد بھی وارثان میں شامل ہوگی۔ جیسا کہ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَاتَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ.(1)

اور تمہارے لیے اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد، اور تمہاری بیویوں کا تمہارے چھوڑے ہوئے (مال) میں سے چوتھا حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے

---

(۱) النساء، ۴: ۱۲

تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے تمہاری اس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا (تمہارے) قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہوگی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو۔

سوال 412: بیوہ اگر نکاحِ ثانی کرلے تو کیا پہلے شوہر کی جائیداد میں حصہ دار ہوگی؟

جواب: جی ہاں! بیوہ نکاح ثانی کر لینے کے باوجود سابقہ شوہر کی جائیداد میں حصہ دار ہوگی کیونکہ مرتے وقت جو بیوی تھی وہ وارث ہے اور جائیداد میں حصہ دار ہے۔ خواہ وہ نکاح ثانی کرے یا نہ کرے، وارثت پر فرق نہیں پڑتا۔

سوال 413: باپ کی وراثت میں بیٹے اور بیٹیوں کو کتنا حصہ ملتا ہے؟

جواب: اگر ایک بیٹی ہے تو باپ کی وراثت میں سے بیٹی کو نصف ملے گا لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ترکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر بیٹے ہیں تو ہر بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا، جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ج وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ج فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ج فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ج لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ج فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا○[۱]

اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لیے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے، اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے، اور مورث کے ماں باپ کے لیے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مورث کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر اس میت (مورث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لیے تہائی ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے)، پھر اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہوگی)، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی مقرر)

(۱) النساء، ۴: ۱۱

ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے ۝

سوال 414: کیا ماں کی وراثت میں بھی بچوں کو حصہ ملے گا؟

جواب: جی ہاں! جس طرح باپ کی وراثت میں بچوں کا حصہ ہوتا ہے اسی طرح ماں کی وراثت میں بھی بچوں کو حصہ ملے گا۔

سوال 415: عاق کرنا کسے کہتے ہیں؟

جواب: وارث کو میراث سے محروم کرنے کو عرف عام میں عاق کرنا کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شرعی وارث کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے یہ وصیت کر دی جائے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں شخص میری جائیداد کا وارث نہیں ہوگا اور اسے عاق نامہ کہتے ہیں۔ لیکن اس عاق نامہ سے وارث وراثت پانے سے محروم نہیں ہوگا وہ دوسرے وارثوں کی طرح وراثت پائے گا۔

سوال 416: وارث کو میراث سے محروم کرنا کیسا ہے؟

جواب: وارث کو میراث سے محروم کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مالی معاملات میں کسی کو من مانی کا حق نہیں دیا بلکہ اپنی حکمتِ کاملہ سے انہیں خود حل فرمایا ہے۔

جائیداد سے محروم رکھنے والا شخص بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنے ورثاء کو کس بناء پر جائیداد سے محروم رکھا ہے۔ اگر کوئی شرعی جواز نہ تھا تو یقیناً یہ جرم ہے جس کی سزا وہ آخرت میں بھگتے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّينَ سَنَةً، ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ، فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ.[1]

ایک شخص مرد یا عورت ساٹھ سال اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ پھر موت کا وقت آ تا ہے تو وہ وصیت میں کسی کو نقصان پہنچا دیتے ہیں جس سے ان کے لیے جہنم لازم ہو جاتی ہے۔

سوال 417: کیا ذہنی یا جسمانی معذور اولاد کا وراثت میں حصہ ہوتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ذہنی یا جسمانی معذور اولاد کا وراثت میں حصہ ہوتا ہے۔ بلکہ معذور اولاد تو زیادہ ہمدردی اور معاونت کی حق دار ہوتی ہے کجا کہ انہیں وراثت سے ہی محروم کر دیا جائے یا ان کا حصہ کسی دوسرے کی ضرورت پر خرچ کیا جائے۔ ایسا کرنا جائز اور درست نہیں۔ لہٰذا معذور افراد کا حصہ محفوظ طریقے سے ان تک پہنچایا جائے اور اسے صرف انہی کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

سوال 418: کیا متبنّی (منہ بولی اولاد) کا وراثت میں حصہ ہوتا ہے؟

جواب: جی نہیں! منہ بولی اولاد کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، کیوں کہ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اِستحقاقِ وراثت کا مدار قرابت یعنی نسبی رشتہ داری پر ہے جب کہ منہ بولی اولاد سے بنصِ قرآنی رشتہ داری قائم نہیں ہوتی۔ اِس لیے گود لینے والے

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب الوصايا، باب ما جاء في الضرار في الوصية، ۴:۳۷۵، رقم:۲۱۱۷

شخص کے ترکہ میں متبنیٰ کا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ لیکن منہ بولی اولاد کی پرورش کرنے والا شخص اپنی زندگی میں حسبِ استطاعت مکان، روپیہ، دکان وغیرہ اسے ہبہ کر سکتا ہے یا دوسری صورت میں اس کے حق میں ایک تہائی ترکہ کی وصیت کر سکتا ہے۔

سوال 419: کیا والد کی حیات میں بہن، بھائی وارث ہو سکتے ہیں؟

جواب: جی نہیں! والد کی حیات میں بہن، بھائی وارث نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ والد کی حیات میں جائیداد ہبہ تو ہو سکتی ہے میراث نہیں۔

سوال 420: کیا مرحوم کے ترکہ میں بھتیجے اور بھتیجیاں بھی حصہ دار ہوں گے؟

جواب: اگر مرحوم کی اپنی کوئی اولاد نہیں اور بیوی بھی وفات پا چکی ہو اور مرحوم کے بہن بھائی بھی نہ ہوں تو اس صورت میں مرحوم کے ترکہ میں شرعاً وارث بھتیجے ہوں گے، بھتیجیاں وارث نہیں ہوں گی۔

سوال 421: یتیم کو وراثت سے محروم کرنا کیسا ہے؟

جواب: یتیم کو وراثت سے محروم کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی خلاف ورزی ہے۔ قرآن حکیم میں یتیموں کے حقوق کی پامالی پر سخت وعید آئی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ۰[1]

(۱) النساء، ۴:۱۰

بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گےo

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo[1]

اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: ان (کے معاملات) کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر انہیں (نفقہ و کاروبار میں) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہےo

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًاo[2]

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور بُری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہےo

---

(۱) البقرة، ۲:۲۲۰

(۲) النساء، ۴:۲

لہٰذا جب بھی کوئی شخص اپنی زندگی میں ایسا دور رس فیصلہ کرنے لگے تو اسے اس کے تمام اثرات و نتائج پر غور کر لینا چاہیے تاکہ دنیا و آخرت میں کسی مرحلہ پر وہ فیصلہ اس کے لیے باعثِ حسرت و ندامت نہ ہو جائے۔

سوال 422: وصیت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: وصیت انتقال جائیداد کی ایک قانونی اور فقہی اصطلاح ہے جو مادہ (و۔ ص۔ ي) وصى وصيًا بمعنی اِتصال یعنی ملانا اور عہد کرنا سے اسم مصدر ہے۔ اس کا مطلب آنے والے واقعہ سے متعلق آگاہ کرنا خصوصاً مرنے والے یا سفر پر جانے والے کا کسی کو کچھ سمجھانا ہے۔ وصیت کو وصیت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ میت کے معاملات کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔[1]

قانونِ اِنتقال میں میت کے لحاظ سے اِس اِصطلاح کا سب سے اہم اِستعمال مرنے والے یا سفر پر جانے والے شخص کی اپنے 'ترکہ' سے متعلق ہدایات پر کیا جاتا ہے، پہلے مال کی وصیت کرنا لازم ہوتی تھی جب سے ورثاء کے حصے متعین کر دیئے گئے اس کے بعد اب وصیت لازم نہیں ہے اگر کوئی غیر وارث کے لیے وصیت کرنا چاہے تو ایک تہائی (1/3) مال تک کرسکتا ہے۔

سوال 423: کیا کل مال کی وصیت کرنا جائز ہے؟

جواب: جی نہیں! وصیت کے قابلِ نفاذ ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وصیت کل مال کے تہائی (1/3) حصے سے زیادہ نہ ہو کیونکہ شریعت میں اس سے زیادہ وصیت

(۱) زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۲۰:۲۹۶

کی اجازت نہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ وہ اس وقت مکہ میں تھے۔ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ، أُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: فَالشَّطْرُ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: الثُّلُثُ؟ قَالَ: فَالثُّلُثُ، وَ (الثُّلُثُ كَثِيرٌ)، إِنَّکَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَکَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ، وَإِنَّکَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ، حَتَّى اللُّقْمَةُ الَّتِي تَرْفَعُهَا إِلٰى فِي امْرَأَتِکَ. (۱)

یا رسول اللہ! میں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: آدھے مال کی کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: تہائی مال کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تہائی مال بہت ہے، بے شک اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو تنگ دست چھوڑ دو اور وہ (اپنی ضروریات کے لیے) لوگوں کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلاتے رہیں۔ بے شک تم جو بھی خرچ کرو گے وہ صدقہ ہے، حتی کہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو (وہ بھی صدقہ ہے)۔

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثته أغنياء خير من ان یتکففوا الناس، ۳:۱۰۰۶، رقم: ۲۵۹۱

لیکن اگر مرنے والے نے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کردی تو اس کا نفاذ متوفی کے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو اس وصیت کو فقط تہائی مال تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ نیز وصیت کرنے کے لیے انسان کا عاقل، بالغ اور آزاد ہونا ضروری ہے؛ دیوانے، نابالغ اور غلام کی وصیت معتبر نہیں۔

سوال 424: اسٹامپ پیپر پر تحریر کردہ وصیت نامے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اسٹامپ پیپر پر تحریر کردہ وصیت نامے کی شرعی حیثیت مصالحتی تجویز یعنی مصلحت پر مبنی تجویز کی ہے۔ اگر سب وارث بخوشی اس پر راضی ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ جائیداد شریعت کے مطابق تقسیم کی جائے گی۔

سوال 425: زندگی میں جائیداد لڑکوں اور لڑکیوں میں برابر تقسیم کرنا کیسا ہے؟

جواب: اپنی زندگی میں جائیداد اور مال لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم کرنا جائز ہے لیکن وہ ترکہ یا وراثت نہیں کہلاتا بلکہ ہبہ کہلاتا ہے۔ ہبہ کرنے میں وہ مختار ہیں، ان پر کوئی شرعی لزوم یا پابندی نہیں ہے۔ البتہ شریعت میں یہ ہدایت ضرور ملتی ہے کہ اگر والدین میں سے کوئی اپنی اولاد کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ اولاد کے درمیان مساوات کرے جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر سے مروی حدیث مبارک سے ثابت ہے:

إِنَّ أُمَّهُ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْ أَبَاهُ بَعْضَ الْمَوْهُوْبَةِ مِنْ مَالِهِ لِابْنِهَا. فَالْتَوٰى بِهَا سَنَةً. ثُمَّ بَدَا لَهُ. فَقَالَتْ: لَا أَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُولَ

اللهِ ﷺ عَلٰی مَا وَهَبْتَ لِابْنِي. فَأَخَذَ أَبِي بِيَدِي. وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ. فَأَتٰی رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمَّ هٰذَا، بِنْت رَوَاحَةَ، أَعْجَبَهَا أَنْ أُشْهِدَکَ عَلَی الَّذِي وَهَبْتُ لِابْنِهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا بَشِيرُ أَلَکَ وَلَدٌ سِوٰی هٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ أَکُلَّهُمْ وَهَبْتَ لَهٗ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ: لَا. قَالَ فَلَا تُشْهِدْنِي إِذًا. فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ. [1]

ان کی والدہ حضرت بنت رواحہ نے ان کے والد (یعنی اپنے شوہر) سے درخواست کی کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ ان کے بیٹے (حضرت نعمان) کو ہبہ کردیں۔ میرے والد نے ایک سال تک یہ معاملہ ملتوی رکھا۔ پھر انہیں اس کا خیال آیا۔ میری والدہ نے کہا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ تم میرے بیٹے کے ہبہ پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ کرلو۔ میرے والد میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے حالانکہ اس وقت میں نوعمر لڑکا تھا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کی ماں بنت رواحہ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو اس چیز پر گواہ کرلوں جو میں نے اپنے اس لڑکے کو ہبہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے بشیر! کیا اس کے علاوہ تمہاری اور بھی اولاد ہے؟ انہوں نے کہا جی! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے سب کو اس کی مثل دی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں ظلم کے حق میں گواہی نہیں دوں گا۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الهبات، باب کراهة تفضیل بعض الأولاد في الهبة، ۳: ۱۲۴۳، رقم: ۱۶۲۳

ایک روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ. وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلٰى حَقٍّ.(1)

اللہ سے ڈرو! اور اپنی اولاد میں انصاف کرو اور میں حق کے سوا اور کسی چیز پر گواہی نہیں دیتا۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کی روشنی میں فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے درمیان غیر مساویانہ ہبہ قانوناً نافذ العمل ہو جائے گا، لیکن یہ شرعاً ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا، جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ایسا غیر مساویانہ ہبہ باطل ہے اور اس سے رجوع واجب ہے۔

سوال 426: بہنوں سے ان کی جائیداد کا حصہ معاف کروانا کیسا ہے؟

جواب: بہنوں سے ان کی جائیداد کا حصہ معاف کروانا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باپ کی جائیداد میں جس طرح بیٹوں کا حق رکھا ہے اسی طرح بیٹیوں کا بھی حق رکھا ہے۔ یہ حق شرعاً انہیں ملنا چاہیے۔ اب اگر کوئی جبراً یا مصالحتی انداز میں ان کا حصہ معاف کرواتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ البتہ اگر بہن بخوشی اپنا حصہ معاف کر دے اور نہ لے تو یہ الگ بات ہے اور بہن کا اپنا حصہ خود معاف کرنے کے بعد اس کی اولاد کو ماں کا حصہ لینے کا کوئی حق نہیں۔

---

(1) مسلم، الصحيح، كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ٣: ١٢٤٤، رقم: ١٦٢٤

سوال 427: منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن غریب بچیوں کی شادی کے لیے کیا اقدامات کر رہا ہے؟

جواب: بدقسمتی سے ملکی حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ عوام خوشیوں کو ترس گئی ہے۔ کیونکہ ملک پر مسلط حکمران کئی دہائیوں سے عوام کے حقوق کو سلب کر رہے ہیں اور عوام اپنی بنیادی ضروریات سے محروم ہو چکے ہیں یہاں تک کہ بیٹی کی شادی جیسا مقدس فریضہ بھی والدین پر انتہائی بوجھ بن چکا ہے۔ جہیز کی لعنت نے غریب اور سفید پوش طبقے کو پریشان کر رکھا ہے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن گزشتہ گیارہ سال سے والدین کے اس بوجھ اور پریشانی کے لیے غریب بچیوں کی اجتماعی شادیاں منعقد کر رہی ہے۔ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے تحت غریب بچیوں کی شادیوں کے لیے درج ذیل اقدامات کیے جا رہے ہیں!

☆ بچیوں کے جہیز کا سامان مہیا کرنا

☆ مہمانوں کی باعزت تواضع

☆ بچیوں کی رخصتی کا اہتمام

اس وقت تک تقریباً ایک ہزار سے زائد غریب بچیوں کی شادیاں MWF کے زیر اہتمام ہو چکی ہیں۔ ایک شادی پر ڈیڑھ سے دو لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر اب تک تقریبا ڈیڑھ ارب روپے سے زائد خرچ کیے جا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف اضلاع میں بھی MWF کے تحت مخیّر حضرات اور منہاج القرآن کی ذیلی تنظیمات مقامی سطح پر غریب بچیوں کی شادی کا اہتمام کرتے ہیں۔ جس میں کروڑوں روپے خرچ کیے جا چکے ہیں۔

مصادر و مراجع

١۔ **القرآن الکریم**

٢۔ **آمدی،** سیف الدین ابی الحسن علی بن ابی علی بن محمد (۵۵۱-۶۳۱ھ/۱۱۵۶-۱۲۳۳ء)۔ **الاحکام فی اصول الاحکام۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

٣۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبدالواحد شیبانی جزری (۵۴۴-۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹-۱۲۱۰ء)۔ **النهاية فی غريب الحديث والاثر۔** قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

٤۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴-۲۴۱ھ/۷۸۰-۸۵۵ء)۔ **المسند۔** دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۸۶ء۔

٥۔ **بخاری،** ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم مغیرہ (۱۹۴-۲۵۶ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** دمشق، بیروت: دار ابن کثیر ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

٦۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ (۳۸۴-۴۵۸ھ/۹۹۴- ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبری۔** بیروت لبنان، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

٧۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ (۳۸۴-۴۵۸ھ/۹۹۴- ۱۰۶۶ء)۔ **شعب الإيمان،** بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

٨۔ **ترمذی،** ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ (۲۰۹-۲۷۹ھ/ ۸۲۵- ۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح۔** مکۃ المکرّمۃ: المکتبۃ التجاریۃ۔

۹۔ **تنزیل الرحمٰن،** ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ۔**مجموعہ قوانین اسلام**۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان۔

۱۰۔ **جرجانی،** علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰-۸۱۶ھ)۔ **التعریفات**۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ حمادیہ،۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۱۔ **ابن جزی،** محمد بن احمد (و۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء)۔ **کتاب التسهیل لعلوم التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۲۔ **ابن ابی حاتم،** عبد الرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس ابو محمد الرازی تمیمی (۲۴۰-۳۲۷ھ/۸۵۴-۹۳۸ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ سعودی عرب: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۳۔ **حاکم،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱-۴۰۵ھ /۹۳۳-۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: مکتبہ اسلامی، ۱۳۹۸ھ

۱۴۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰-۳۵۴ھ/ ۸۸۴-۹۶۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۵۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲-۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباري شرح صحيح البخاري**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۶۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید بن حزم أندلسی (۳۸۴-۴۵۶ھ/ ۹۹۴-۱۰۶۴ء)۔ **المحلیٰ**۔ بیروت ، لبنان: دار الآفاق الجدیدۃ۔

۱۷۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴-۴۵۶ھ/ ۹۹۴-۱۰۶۴ء)۔

المحلی۔ دارالفکر۔

۱۸۔ **حسام الدین ہندی**، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹ء۔

۱۹۔ **حصکفی**، علاء الدین حصکفی، (۱۰۸۸ھ)۔**الدرالمختار**۔ کراچی، پاکستان، ایچ۔ایم سعید کمپنی۔

۲۰۔ **ابو حیان**، محمد بن یوسف بن علی بن حیان اندلسی غرناطی (۶۵۴-۷۵۴ھ)۔ **البحر المحیط**۔ قاہرہ، مصر: ۱۳۲۹ھ

۲۱۔ **خطیب تبریزی**، امام محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی(۷۴۲ھ)۔**مشکوۃ المصابیح**۔افغانستان: نعمانی کتب خانہ

۲۲۔ **خطیب تبریزی**، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی۔ **مشکوۃ المصابیح**۔ بیروت، لبنان، دارالفکر، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۲۳۔ **خطیب تبریزی**، ولی الدین أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م۷۴۱ھ)۔ **مشکوۃ المصابیح**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۲۴۔ **خطیب تبریزی**، ولی الدین أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م۷۴۱ھ)۔ **مشکوۃ المصابیح**۔کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۲۵۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶-۳۸۵ھ/ ۹۱۸-۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت ، عالم الکتب، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۲۶۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱-۲۵۵ھ/ ۷۹۷-۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۷۔ **ابوداؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ/ ۸۱۷-۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۸۔ **دولابی**، ابو بشر محمد بن احمد بن محمد بن حماد الدولابی (۲۲۴-۳۱۰)۔ **کتاب الکُنیٰ والاسماء**۔ المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل، شیخوپورہ، پاکستان

۲۹۔ **ابن رشد**، امام حافظ الناقد أبي الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد قرطبی اندلسی (۵۹۵ھ)۔ **بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء۔

۳۰۔ **رویانی**، ابو بکر محمد بن ہارون (م ۳۰۷ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۳۱۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابو فیض السید محمد مرتضی حسینی واسطی حنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواھر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ۔

۳۲۔ **سبکی**، تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام انصاری (۶۸۳-۷۵۶ھ/ ۱۲۸۴-۱۳۵۵ء)۔ **طبقات الشافعیۃ الکبریٰ**۔

۳۳۔ **سرخسی**، شمس الدین ابو بکر محمد بن اسماعیل۔ **المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۴۔ **سرخسی**، شمس الدین ابو بکر محمد بن اسماعیل۔ **المبسوط**. بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ۔

۳۵۔ **ابو سعود**، محمد بن عمادی (۸۹۸-۹۸۲ھ/ ۱۴۹۳-۱۵۷۵ء)۔ **إرشاد العقل السلیم إلی مزایا القرآن الکریم** (تفسیر ابی سعود)۔ بیروت، لبنان: دار احیاء

التراث العربی۔

۳۶۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۳۷۔ **شافعی، محمد** بن ادریس الشافعی ابو عبیداللہ (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ)۔ **الأم**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ،۱۳۹۳ھ۔

۳۸۔ **شیبانی**، ابوعبد اللہ محمد بن حسن (۱۳۲-۱۸۹ھ)۔**کتاب الآ ثار**۔ دار الفکر، بیروت، لبنان، ۲۰۰۷ء

۳۹۔ **شیبانی**، ابوعبد اللہ محمد بن حسن (۱۳۲-۱۸۹ھ)۔ **الموطأ**۔ کراچی، پاکستان: میر محمد کتب خانہ۔

۴۰۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹-۲۳۵ھ/ ۷۷۶-۸۴۹ء)۔ **الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار**۔ دارالکتب التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء۔

۴۱۔ **صیداوی**، محمد بن احمد بن جمیع، ابو الحسین (م ۳۰۵-۴۰۲ھ)۔ **معجم الشیوخ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ۔

۴۲۔ **طاہر القادری،** ڈاکٹر محمد طاہر القادری ۔ **عرفان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔

۴۳۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۴۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰-۳۶۰ھ/ ۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ قاہرہ، مصر: دارالحرمین، ۱۴۱۵ھ۔

۴۵۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰-۳۶۰ھ/ ۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۴۶۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴-۳۱۰ھ/ ۸۳۹-۹۲۳ء)۔ **تاریخ الأمم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۴۷۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴-۳۱۰ھ/ ۸۳۹-۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۴۸۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴-۱۳۰۶ھ)۔ **رد المختار علی الدرالمختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ الماجدیۃ، ۱۳۹۹ھ۔

۴۹۔ **ابن عبد البر**، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۹-۱۰۷۱ء)۔ **جامع بیان العلم وفضلہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء

۵۰۔ **عبد الرزاق**، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ/ ۷۴۴-۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۵۱۔ **عبدالمجید**، خواجہ عبدالمجید، **جامع اللّغات**، اردو سائنس بورڈ، لاہور، پاکستان۔

۵۲۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبدالغنی جراحی (۱۰۸۷-۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۹-۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفاء و مزیل الإلباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۵۳۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی

(۴۹۹-۵۷۱ھ/۱۱۰۵-۱۱۷۶ء)۔ **تاريخ مدينة دمشق**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۵ء۔

٥٤۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن إبراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰-۳۱۶ھ/۸۴۵-۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

٥٥۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (۴۵۰-۵۰۵ھ/۱۰۵۸-۱۱۱۱ء)۔ **إحياء علوم الدين**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

٥٦۔ **فتاوی عالمگیری** (الفتاویٰ الہندیہ)، بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء۔

٥٧۔ **ابن قتیبہ**، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، (۲۷۶ھ)، **المجالسة وجواهر العلم**

٥٨۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی حنبلی (۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيبانی**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

٥٩۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴-۳۸۰ھ/۸۹۷-۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحكام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

٦٠۔ **قضاعی**، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشهاب**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

٦١۔ **کاسانی**، علاء الدین (م ۵۸۷ھ)۔ **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**۔ ایجوکیشنل پریس، کراچی، پاکستان: ۱۴۰۰ھ۔

٦٢۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱-۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

٦٣۔ **لوئیس معلوف** الیسوعی۔ **المنجد فی اللغۃ**۔بیروت، لبنان: مطبعۃ الکاثولیکیۃ، ۱۹٦۰ء۔

٦٤۔ **لوئیس معلوف الیسوعی**، **المنجد**، کراچی، پاکستانی، دار الاشاعت ۱۹۷۵ء۔

٦٥۔ **ابن ماجہ**، ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹-۲۷۳ھ/ ۸۲۴-۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

٦٦۔ **مالک**، ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳-۱۷۹ھ/ ۷۱۲-۷۹۵ء)۔ **الموطا**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰٦ھ/ ۱۹۸۵ء۔

٦۷۔ **مرغینانی**، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر۔ **الہدایہ**۔ کراچی، پاکستان: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب۔

٦٨۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ دار صادر، بیروت۔

٦٩۔ **مقدسی**، ابومحمد عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی (۵۴۱-٦۰۰ھ)۔ **أحادیث الشعر**۔ اردون، عمان: المکتبۃ السلامیہ، ۱۴۱۰ھ۔

۷۰۔ **مقدسی**، ضیاء الدین ابوعبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسماعیل بن منصوری سعدی حنبلی (۵٦۹-٦۴۳ھ/۱۱۷۳-۱۲۴۵ء)۔ **الاحادیث المختارہ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۱۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی، (۹۷۰ھ)۔ **البحر الرائق، شرح کنز الدقائق**۔ مصر: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ۔

۷۲۔ **نسائی**، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵-۳۰۳ھ/ ۸۳۰-۹۱۵ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۷۳۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵-۳۰۳ھ/ ۸۳۰-۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ **بیروت لبنان**: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء

۷٤۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳٦-۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۷۵۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳٦-۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۷٦۔ **نووی**، ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱-۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳-۱۲۷۸ء)۔ **شرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵٦ء۔

۷۷۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد سیواسی سکندری (۷۹۰-۸٦۱ھ)۔ **فتح القدیر شرح الہدایۃ**۔ المکتبۃ الرشیدیۃ، کوئٹہ، پاکستان۔

۷۸۔ **ابو یوسف**، یعقوب بن اِبراہیم الانصاری (۱۸۲ھ)۔ **کتاب الآثار**۔ المکتبۃ الأثریۃ، سانگلہ ہل، شیخوپورہ، پاکستان۔

کتبِ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔ عرفانُ القرآن (اُردو ترجمہ قرآنِ حکیم)۔

۲۔ اَلمِنْهَاجُ السَّوِيّ مِنَ الْحَدِيْثِ النَّبَوِيّ

۳۔ هِدَايَةُ الْأُمَّة عَلٰى مِنْهَاجِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّة

۴۔ مَعَارِجُ السُّنَنِ لِلنَّجَاةِ مِنَ الضَّلَالِ وَالْفِتَنِ

۵۔ اسلام میں انسانی حقوق

۶۔ حقوقِ والدین

۷۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام

۸۔ اسلام میں خواتین کے حقوق

۹۔ عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری

خطاباتِ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔ FM-12: حقوقِ زوجین (مردوں کے عورتوں پر حقوق) (قسط چہارم)

۲۔ FM-15: حقوقِ زوجین (حسنِ اخلاق وحسنِ معاملات) (قسط ششم)

۳۔ FM-16: حقوقِ زوجین (مردوں کے عورتوں پر حقوق)(قسط ہفتم)

٤۔ FM-17: حقوقِ زوجین (حسن اخلاق وحسن معاملات) (قسط ہشتم)

٥۔ HA-45: والدین اور زوجین کے حقوق (اسلام میں انسانی حقوق اور تصور امن نشست دوم)

٦۔ HA-73: حضور نبی اکرم ﷺ کی خواتین پر رحمت وشفقت (اسلام دین امن و رحمت ہے)

۷۔ HA-77: حضور نبی اکرم ﷺ کی یتیموں، بیواؤں، اور خادموں پر رحمت و شفقت (اسلام دین امن و رحمت)

۸۔ HJ-12: ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا شرعی حکم

۹۔ HL-1: اسلامی معاشرے میں خواتین کا کردار

۱۰۔ HL-2: یتیموں کے مسائل اور حقوق

۱۱۔ HL-3: تعداد ازدواج (ایک سے زیادہ شادی کا مسئلہ)

۱۲۔ HL-4: اسلامی معاشرے میں عورتوں کا مقام

۱۳۔ HL-5: حقوقِ زوجین: ازدواجی زندگی میں عورتوں کے حقوق

١٤۔ HL-6: عورت کی مذہبی حیثیت